ھٰذا ما وعد الرحمٰن

تربیتِ عالم

(چوہدری) محمد عبدالرحمٰن

فہرست مضامین

بھی قرآن شریف سے دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ضمن میں دینِ فطرت اور شرائع، قیامت، حشر نشر، حساب کتاب، مردوں کا جی اٹھنا اور بہشت دوزخ وغیرہ تمام امور ایک طرف قرآن شریف کے صفحات میں اور دوسری طرف واقعات عالم میں دکھائے گئے ہیں، گویا یہ امور ایسے نہیں جن کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو، اور جنہیں انسان یہاں دیکھ نہ سکتا ہو بلکہ روزمرہ زندگی کے واقعات ہیں، تمام الہامی کتابیں خدا کی تربیت عالم کی منظم سکیم کی کڑیاں ہیں، جن کا مقصد نسلِ انسانی کو علمی روشنی سے منور اور سلسلۂ اخوت میں منسلک کرکے بالآخر اسی زمین پر بہشت قائم کرنا ہے۔

اس کتاب میں اگرچہ نادر خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ہر خیال کی تائید میں قرآن شریف سے مفصل حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ مؤلف کے نزدیک فی زمانہ قرآن شریف کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جا رہا ہے۔ اور مؤلف نے یہ حقیر کوشش اس لئے کی ہے، کہ لوگ قرآن کے صحیح منشا کو سمجھ کر نسلِ انسانی کو دکھ، درد، فاقہ، بیماری، جہالت اور بغض و عداوت سے نجات دلانے اور اسی دنیا میں اسے محبت اخوت اور امن و اطمینان کی بہشت میں داخل کرنے کے کام میں امداد کریں۔

یہ کتاب ہندوستان بھر کے مقتدر علمائے اسلام کی خدمت میں نیازمندانہ عقیدت کے ساتھ بھیجی جا رہی ہے۔ خاکسار محمد عبدالرحمن

جموں
۱۶ مئی ۱۹۴۶ء } اسسٹنٹ سکریٹری ہز ہائینس گورنمنٹ جموں و کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۰

مقدمہ

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر ہدایات [illegible] نہیں قرآن مجید میں سے [illegible] جب تک انسان [illegible] ہے۔ جو [illegible] رائج ہوا [illegible] نہیں ہے۔ اپنے مذہب کے متعلق آخریت کا یہ دعویٰ مسلمان قوم سے خاص نہیں۔ [illegible] ہندوؤں، زرتشتیوں، یہودیوں، عیسائیوں غرض ہر قوم نے اپنے اپنے مذہب کے متعلق یہی دعویٰ کیا ہے۔ اور اسی کی بنا پر ہمیشہ ساری قوموں نے [illegible] کی مخالفت کی ہے۔ مسلمانوں کو اقرار ہے کہ ان قوموں نے اپنے اپنے مذہب کے متعلق آخریت کا دعویٰ کر کے غلط راہ اختیار کی ہے لیکن اپنے متعلق ان کا اصرار ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کے بارہ میں اس دعویٰ میں حق بجانب ہیں اور وہ اس کی کئی وجوہات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ سابقہ مذاہب قومی اور وقتی مذہب تھے۔ جن کا دائرہ عمل اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے وقت تک محدود تھا۔ بخلاف اس کے پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام عالمگیر ہے۔ جو تمام قوموں اور تمام زمانوں کو شامل ہے۔

معذرت

افسوس ہے کہ اس کتاب کی طباعت خاطر خواہ نہیں ہو سکی، کاغذ پر کنٹرول ہونے کی باعث لاہور وغیرہ بڑے شہروں میں کاغذ حاصل کرنے کی دقت تھی، اور جگہوں میں جہاں سہولت کاغذ حاصل کر سکتا تھا، طباعت کا اچھا انتظام نہیں تھا، اس کمی کو جو ناقابل تدارک مشکلات کے باعث رہ گئی ہے امید ہے کہ ناظرین کرام معاف فرمائیں گے۔ (مصنف)

۷۔ مسلمان قوم میں ہر دور زمانہ سے جو غلطی اسلام کی صحیح تعبیر میں یا جو سستی اس پر عمل درآمد کرنے میں واقع ہوتی چلی گئی تھی، اس کے علاج کے لئے سلسلۂ مجددین قائم کر دیا گیا ہے، تاکہ جو شکست و ریخت اسلامی زندگی میں واقع ہو جائے، اس کے ساتھ ساتھ مرمت ہوتی رہے۔

۸۔ "ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله"۔ کہ خدا نے اپنے رسول حضرت محمدؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین حق کو باقی تمام ادیان پر غالب کر دے۔

۹۔ "ان الدین عند الله الاسلام" و "من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه"۔ یعنی خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے جو کوئی سوائے اسلام کے کسی اور دین کو اختیار کرے گا وہ دین ہرگز خدا کے ہاں قبول نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ خدا بے شک ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن جب وہ دین کو اس حد تک مکمل کر چکا ہے کہ اس میں اب کوئی ترمیم باقی نہیں رہی۔ اور فرما چکا کہ میں آئندہ کوئی نیا دین مبعوث نہیں کروں گا۔ تو اب اپنے فیصلے کے خلاف کیونکر کوئی مزید اصلاحات نافذ کر سکتا ہے۔

۱۱۔ عقل خود جس چیز کا تقاضا کرتی ہے اس کا نام ترقی ہے، اگر ایک زمانہ میں دین کا آغاز ہوا، تو کسی زمانہ میں اس کی انتہا بھی لازمی ہے۔ پس دین ترقی کرتے کرتے اسلام میں اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گیا۔

۱۲۔ اتحاد نسل انسانی کے لحاظ سے نئے مصلحین دین کا آنا مضر ہے، کیونکہ ہر دفعہ جب کوئی نیا مصلح آتا ہے نسل انسانی میں مزید تفرقہ ہو جاتا ہے۔

یہ وہ دلائل ہیں، ممکن ہے کچھ اور بھی اسی قسم کے دلائل ہوں۔

یہاں تورات ھدًی لبنی اسرائیل تھی، قرآن ھدًی للناس ہے۔ جہاں توریت کا پیش کردہ خدا یہوواہ بنی اسرائیل کا قومی خدا تھا قرآن کا پیش کردہ خدا رب العالمین یعنی سب قوموں کا خدا ہے۔ جہاں پہلے پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، آنحضرت رحمۃ للعالمین ہیں جو کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہیں۔

۲۔ مسلمان قوم بہترین قوم ہے اور آئندہ کے لیے دنیا کی راہنمائی و نگرانی کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ جیسے کہ آیۂ کریمہ وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ؕ سے ظاہر ہے۔

۳۔ انسان اپنی پیدائش کے اوائل میں کامل و اکمل تعلیم کا متحمل نہ ہو سکتا تھا اس واسطے دین کی تدریجی تکمیل ہوتی رہی۔ نسل انسانی جب بلوغ کو پہنچ گئی تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعہ کامل تعلیم دے دی گئی۔ جو اب ہمیشہ کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم اس پر شاہد ہے۔

۴۔ اسی لیے خدا نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ چنانچہ قرآن شریف تحریف لفظی سے بالکل پاک ہے۔

۵۔ وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلا۔ لا مبدل لکلماتہ

یعنی تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کی رو سے پورا ہو گیا ہے۔ اب اس کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

۶۔ چونکہ دین مکمل و محفوظ ہو چکا، کسی مزید مصلح کی ضرورت نہ رہی۔ اس لئے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین کا لقب عطا ہوا۔

کے بعد منسوخ کر دیا گیا ہے؟ اگر منسوخ کر دیا گیا ہے، تو کہاں اور کن
لفظوں میں منسوخ کیا گیا ہے؟ اور وجہ تنسیخ کیا ہے؟ کیا خدا نے یہ وعدہ کیا ہے
کہ وہ حالات جو سابقہ زمانوں میں رسولوں کے بھیجنے کا باعث ہوتے
رہے، آنحضرت کے بعد ہمیشہ کے لئے رونما نہ ہوں گے یا کہیں فرمایا ہے
کہ حالات تو رونما ہوں گے، یعنی گمراہ مخلوق کو ہدایت دینے کی جو خدا
کی پرانی سنت تھی وہ بدل جائے گی، گمراہ مخلوق کو خدا اس کے حال
پر چھوڑ دے گا۔ اور اس کی ہدایت کی وہ کبھی پروا نہیں کرے گا؟

جن کی بنا پر مسلمان قوم کا سوادِ اعظم اسلام کی آخریت کا قائل ہے۔ ان دلائل کا مطلب مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ دینِ اسلام کی تدوین و تشکیل میں تمام ان سامانوں کو مہیا کر دیا گیا ہے، جن سے دین کا مقصد جو معرفت باری اور تربیت انسانیت ہے، ہمیشہ کے لئے خود بخود پورا ہوتا رہے۔ اب فیصلہ آسان ہے اگر یہ مقصد فی الواقع پورا ہو رہا ہے یعنی مسلمان قوم فلاح یافتہ قوم ہے اور اخلاقی، روحانی، دینی اور دنیوی لحاظ سے اسی سطح پر ہے جس پر آنحضرت کے عہد سعادت میں تھی۔ تو بے شک نہ مزید اصلاح کی گنجائش ہے نہ مصلح دین کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر حالات اس کے برعکس ہیں تو پھر ہمارا فرض ہے۔ ہم از سر نو اپنے عقیدوں اور توہمات کا جن پر وہ مبنی ہیں، جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آیا واقعی حضرت محمد ہم کو یہ تعلیم دے گئے ہیں، یا ہم نے حضور کی تعلیم کو سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور وہ چیز حضور کی طرف منسوب کر رہے ہیں، جس کا آنحضرت کو خواب و خیال بھی نہ تھا۔

اس کتاب کا موضوع یہی تحقیقات ہے، لیکن قبل اس کے کہ میں مذکورہ دلائل میں سے ہر ایک پر مفصل بحث کروں، میں چاہتا ہوں کہ قرآن شریف سے استخراج کروں کہ آیا اس میں رسولوں کی بعثت کے لئے کوئی قاعدہ یا قانون مقرر ہے، جس کے ماتحت زمانہ ماضی میں رسول مبعوث ہوتے رہے اور جو ہمارے لئے اس بحث میں کہ قرآن کے بعد کوئی رسول آسکتا ہے کہ نہیں، مشعلِ راہ بن سکے۔

اگر حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمدؐ رسول اللہ تک تمام رسولوں کی بعثت ایک مقررہ قاعدہ کے ماتحت ہوتی آئی ہے تو کیا وہ قاعدہ آنحضرت

(۳) کان الناس امۃ واحدۃ (بقرہ ۔ ع۲۶)	سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں ۔
خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء (نساء ع۱)	خدا نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا زوج بنایا ، پھر اسی جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں بنا دیئے ۔
یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ۔ (حجرات ع۲)	اے لوگو : ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ، اور تعارف کے لئے شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ۔
(۴) ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس ...... اولٰئک کالانعام بل ہم اضل (اعراف ۔ ع۲۲)	ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے ...... وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ۔
ثم رددنٰہ اسفل سافلین (تین)	پھر ہم نے انسان کو نیچے سے نیچے گرا دیا ۔
(۵) وقلنا اہبطوا بعضکم لبعض عدو ۔ بقرہ ۔ ع۴	ہم نے کہا اتر جاؤ ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو ۔

۱۔ انسان کئی حالتوں سے گذر کر انسان بنا ہے ، پہلی نباتی پھر حیوانی پھر انسانی اور پھر انسانیت ، جو کہ حیوانات سے ترقی کر کے ، اس میں روح پیدا ہو گئی ۔

۲۔ انسان بہترین مخلوق اور تمام کائنات کا گروہ ہے ۔ انسان خدا کا

دین

انسان

دین انسانی زندگی کے اصول کا نام ہے۔ اس لئے دین کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے۔ کہ انسان کیا ہے؟ یہ موضوع اتنا ہی وسیع ہے جتنی کہ کل کائنات۔ اس پر مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے میری کتاب "حقیقت عالم" کی طرف توجہ فرمائیں۔ جس میں انسان سے متعلقہ تمام اہم مسائل پر مفصل علمی پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ یہاں میں قرآن شریف سے چند آیات نقل کرتا ہوں جن سے بقدر ضرورت معلوم ہوگا۔ کہ انسان کیا ہے:-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ، ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا، ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (مومنون - ۱۲)

ہم نے انسان کو جوہر آب و گل سے پیدا کیا، پھر اُسے نطفہ کی صورت میں رحم مادر میں جگہ دی۔ اور پھر اُسے خون کے لوتھڑے میں بدلا، پھر گوشت کا ٹکڑا بنایا، پھر اس میں ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اُسے ایک نئی چیز بنا دیا۔

(۲) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ (سورہ تین)

ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ (جاثیہ)

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب تمہارے لئے مسخر کیا گیا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ)

میں زمین پر ایک جانشین بنانے والا ہوں۔

فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ، ذلک الدین القیم ۔ (روم ۔ ۴)	دین اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا خدا کی پیدائش میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ، یہی دین قیم ہے ۔
۲۔ فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا ؛ (آل عمران ۔ ۱۰)	سیدھی طرح سے دین ابراہیمؑ کی پیروی کرو ۔
۳۔ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ۔ (آل عمران ع ۷)	کہہ دے اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے ۔
۴۔ شرع لکم ما وصّی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہ ابراہیم و موسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوری ع ۲)	اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا نوح ، ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا گیا تھا ، کہ دین کو قائم رکھو ، اور اس میں تفرقہ نہ کرو ۔
۵۔ تلک حجتنا اتینا ھا ابراہیم ...... اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ ۔ (انعام ع ۱۰)	یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو عطا کی ...... یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ، پس ان کی ہدایت کی پیروی کرو ۔
۶۔ وانہ لفی زبر الاولین (شعراء)	یہی قرآن پہلی کتابوں میں بھی ہے ۔

کما سنارہ اور نائب بنے ۔

(۳) سب انسان ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں ۔ اور ایک جماعت ہیں ۔ اُن میں جو شاخوں اور قبیلوں کی تقسیم ہے ۔ وہ اس لئے ہے کہ ایک حصہ سے اگر ایک کمال انسانی کا ظہور ہو تو دوسرے حصہ سے دوسرے کا ۔ اور سب مل کر پوری انسانیت میں جو کچھ مخفی ہے ظاہر کردیں ۔ اس طرح باہمی تعارف بھی پیدا ہو اور انسان کی [illegible] معرفت بھی حاصل ہو ۔

(۴) مرتبہ انسانی سے گرا ہوا انسان جو پاپی ہے ، بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ، وہ پست ترین خلائق ہے ۔

(۵) گراوٹ سے مراد باہمی عداوت ہے ۔

دین فطرت

مختصر یہ کہ سب انسان ایک ہیں ، اور سب کو یکساں سمجھنا یہی انسانیت ہے ۔ وحدت انسانی توحید باری کا نتیجہ ہے ۔ اور دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔ ایک خدا مانے بغیر سب انسانوں کو برابر جاننا مشکل ہے ، اور سب انسانوں کو ایک مانے بغیر خدا کو ایک ماننے کا دعویٰ بے ثبوت ہے ۔ خدائے واحد کو وہی مانتا ہے ۔ جو سب انسانوں کو ایک جانتا ہے ۔ جو انسانوں میں تفریق کرتا ہے وہ گویا ایک حصہ کو ایک خدا کی مخلوق مانتا ہے ، اور دوسرے حصہ کو دوسرے خدا کی ۔ توحید باری اور وحدت انسانی جو فطرت میں مرکوز ہیں ، یہی تربیت انسان کے بنیادی اصول ہیں ، اور یہی حقیقت دین ۔ سب پیغمبر اسی ایک دین کی تعلیم دیتے رہے ہیں ۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے ۔

وحدت ادیان

فاقم وجهك للدين [illegible]
حنيفا فطرة الله التي [illegible]

پہلی آیت میں دین کو غیر مختلف دین فطرت بتلایا گیا ہے۔ دوسری میں ابراہیمی دین کی پیروی کا حکم ہے تیسری میں اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تعلیم ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے چوتھی آیت میں بتایا ہے کہ جو دین آنحضرت کے ذریعہ سکھایا جا رہا ہے۔ اسی دین کی خدا نے حضرات نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو تلقین کی تھی۔ آیات میں حضرات ابراہیم۔ اسحاق۔ یعقوب، نوح۔ داؤد، سلیمان، ایوب یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ۔ الیاس، اسماعیل، الیسع یونس۔ لوط علیہم السلام۔ اٹھارہ پیغمبروں کو کتاب۔ نبوت، حکم اور ہدایت دینے کا ذکر کرکے آنحضرتؐ کو ان کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ چھٹی آیت میں بتایا ہے کہ یہی تعلیم جو بذریعہ قرآن دی جا رہی ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی ہے۔ ساتویں میں فرمایا ہے کہ سابقہ کتابوں کا نچوڑ ہی قرآن میں ہے آٹھویں میں بتایا کہ خدا کے نزدیک ہمیشہ سے ایک ہی دین (اسلام) رہا ہے جسے اہل کتاب نے آپس کی دشمنی کی وجہ سے بگاڑ دیا ہے آیات نمبر ۹ میں فرمایا کہ ملت ابراہیمی سے سب سے اچھی ہے جو بے وقوف ہے کون انکار کر سکتا ہے؟ اور حضرات ابراہیمؑ۔ اسمٰعیل۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ کی زبان سے کہلایا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور آخر پر مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اقرار کرو کہ ہم اسی تعلیم کو مانتے ہیں جو حضرات ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی اور جو حضرات موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو دی گئی۔ اور کہ ہم بھی انہی کی طرح مسلمان ہیں۔ دسویں آیت میں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کا اقرار مذکور ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ گیارھویں میں جادوگر جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے، ان کی دعا مذکور ہے کہ اے اللہ ہمارا خاتمہ اسلام پر کرنا۔

(٧) فیہا کتب قیمة (سورہ بینہ)	قرآن میں پہلی کتابیں موجود ہیں
(٨) ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینہم (آل عمران ع ٢)	دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اہل کتاب نے دیدہ دانستہ باہمی عناد سے اس میں تفرقہ پیدا کیا۔
٩- ومن یرغب عن ملة ابراہیم الا من سفہ نفسہ	سوائے اس کے جو بے وقوف ہے دین ابراہیم سے کون انکار کر سکتا ہے۔
لا نفرق بین احد منہم ونحن لہ مسلمون (البقرہ ع ١٦)	.... ہم سب پیغمبروں کو ایک جیسا مانتے ہیں اور ہم مسلمان ہیں۔
١٠- قال الحواریون نحن انصار اللہ آمنا باللہ واشہد بانا مسلمون (آل عمران ع ٥)	حواریوں نے کہا کہ ہم امر اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔
١١- والقی السحرة ساجدین قالوا آمنا برب العالمین ...... ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین (اعراف ع ١٤)	جادوگر سجدہ میں گر گئے اور کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے .... اے ہمارے رب ہم کو صبر عطا کر اور ہمیں اسلام پر وفات دے۔

مصلح کا شکر گزار ہونا چاہیئے، جس نے ان کی مشکلات کو دور کر کے ان کے کام کو آسان کر دیا۔ لیکن چونکہ لوگ ذریعہ کو مقصد سمجھ بیٹھتے ہوتے ہیں، وہ محض لفظ پر قناعت کرتے ہیں۔ اصل دین بمنزلہ روح کے ہے، اور احکام و شرائع جو زمانہ کے حسب حال مختلف ہوتے رہتے ہیں، وہ اس روح کا جسم ہیں۔ جسم اگرچہ بدلتا رہتا ہے، روح اندر غیر متبدل رہتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ احکام و شرائع ایک ظاہر ہیں اور اصل دین وہ ہے جس کو یہ ظاہر [illegible] ہے۔ [illegible] جامہ پہن لینے سے [illegible] جامہ پوش ہو سکتا ہے، جامہ پوش [illegible] ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ جامہ [illegible] ہی آدمی ہے [illegible] سے مربی ہو جائے۔ جامہ بدلنے سے [illegible] کوئی [illegible] نہیں۔ قرآن نے جس چیز کو دین فطرت قرار دیا ہے [illegible] ممکن نہیں۔ اس کو صرف آخرت حاصل ہے۔ بلکہ دنیا بھی [illegible] ہے۔ اور یہ چیز تمام مذاہب میں مشترک ہے، یہاں بات [illegible] زمانے گزرتے گئے وہ حقیقت خفی ہو کر بھی مشتبہ ہو گئی کہیں غلط [illegible] قائم رہے۔ لیکن مغز دین سے صرف نظر کر کے محض [illegible] کو ایک [illegible] اصل چیز سمجھ لیا گیا، اور پھر اسی پر اتنا [illegible] مسلمان [illegible] باقی اہل مذاہب [illegible] حقیقت [illegible] ہے۔ [illegible] مذاہب [illegible] حقیقت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہیں [illegible] [illegible] [illegible]

پیدا شدہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اہل مذاہب کا یہ دعویٰ کہ دین ناقابل
تبدیل ہے صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ اصل دین تو جب تک فطرت انسانی [illegible]
قائم ہے اور انسانیت چونکہ ایک ہے اس لئے ہر شکل ایک سب [illegible] بہت سکیا
اصول بھی ایک ہیں۔ ان اصولوں میں نہ تو کسی کی وجہ سے کوئی تبدیلی ہو
سکتی نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگی حقیقت ایک [illegible]
کے بدلتے رہنے کے باوجود کبھی نہیں بدلی ہے۔ اور جب [illegible] مقصد یہ کہ
ہے پھر نتیجے نکلے [illegible] پیغمبر اپنے سے پہلے [illegible] سے جو خلاف
تھا مقصد میں بھی کسی صحیح وجہ سے کوئی [illegible]
مقصد کو حاصل کرنے کے ذریعے میں [illegible] جو سابق
پیغمبر نے اپنے زمانہ کے حسب حال تجویز کئے تھے [illegible] کسی پیغمبر
کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے کفایت نہیں کرتے [illegible] زمانہ
کے حسب حال نئے ذرائع اس کے مقصد سے تجویز کرتا ہے [illegible] مقصد
کے حاصل کرنے میں جو رکاوٹیں ہیں [illegible] پیغمبر
پیغمبر کے کاموں میں سے ایک یہ ہے "ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی
کانت علیہم" کہ پیغمبر لوگوں سے ان کے بوجھ اور طوق [illegible] ایک
شخص کو سب بام پر چڑھنا منظور ہو تو اس کے لئے کئی ذرائع ہو سکتے ہیں۔
مثلاً باہر سے ایک رسہ معلق کرکے اس کے ذریعہ بھی انسان چڑھ سکتا ہے۔ مگر
مشکل ہے۔ لکڑی کی سیڑھی سے یہ کام نسبتاً آسانی سے ہو سکتا ہے اور پختہ
پتھر کی چوڑی چوڑی سیڑھیوں سے وہ بھی زیادہ آسانی [illegible] ہے
اور اگر بجلی کی لفٹ میسر آ جائے تو سیڑھی [illegible] بغیر محنت
کے انسان اوپر چڑھ جاتا ہے [illegible] کام [illegible]

التعظیم لله اور والشفقة علی خلق الله، اللہ کے حکم کی عظمت اور خلق اللہ سے شفقت کو برتاؤ۔

پس تمام پیغمبر پیشتر پہلے پیغمبروں کی تعلیم کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ اس کے مقصد کو پورا کرنے آتے تھے۔

وحدت رسل

ہر پیغمبر عالم کو جس حالت میں پاتا ہے، اس سے اوپر اٹھانا چاہتا ہے۔ پیغمبر کی کامیابی اسی میں ہے کہ عالم ترقی کرنے کی منزل پر پہنچ جائے۔ جب عالم حسب منشائے پیغمبر ترقی کر کے ان حالات سے نکل جاتا ہے جن میں گزشتہ پیغمبر نے پایا تھا۔ تو دوسرا پیغمبر اب ان تازہ حالات سے عالم کو نکالنے اور مزید ترقی کرانے آتا ہے۔ دوسرے پیغمبر کی ضرورت تبدیلی حالات سے لاحق ہوتی ہے۔ اور یہی تبدیلی سابقہ پیغمبر کا عین مدعا تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ بعد میں آنے والا پیغمبر سابقہ پیغمبر کے لگائے ہوئے پودے کا پھل ہوتا ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ ہر باغبان اپنے لگائے ہوئے پودے کے بار ور ہونے سے خوش ہوتا ہے نہ کہ ناراض۔ سو دوسرا پیغمبر جو تبدیلیاں کرتا ہے وہ سابقہ پیغمبر کی اپنی کوششوں کا نتیجہ، اور اس کے منشاء کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ نہ کہ خلاف۔ اسی لئے قرآن شریف میں تمام پیغمبروں کو ایک جماعت مانا گیا ہے۔ یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم، ان هذه امتکم امة واحدة (مومنون)

کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔ میں جانتا ہوں کہ تم سب ایک گروہ ہو، اور ایک ہی مقصد کے لئے کام کر رہے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:-

چلا آیا ہے۔ قطعاً غیر متبدل ہے۔ لیکن ان شکلوں کے لحاظ سے جو یہ مختلف زمانوں میں اختیار کرتا رہا، عام اس سے کہ وہ شکل عہد موسوی کی ہو یا عہد عیسوی کی یا عہد محمدی کی ہمیشہ معرض تغیر و تبدل میں رہا ہے۔ اور آئندہ بھی جب تک زمانہ چل رہا ہے اور حالات بدل رہے ہیں، ضرورت کے موقعہ پر ایسی تبدیلی سے چارہ نہیں۔ ایسی تبدیلیاں سابقہ شریعت کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہوتی ہیں نہ کہ اسے منسوخ کرنے کے لئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مبعوث ہوئے تو اگرچہ آپ نے احکام طلاق وغیرہ میں تبدیلیاں کر دیں (متی باب ۵) مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ توریت کا ایک ایک شوشہ اور نقطہ اٹل ہے۔ (متی باب ۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول قرآن میں بھی منقول ہے: ومصدقاً لما بین یدی من التوراة ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم (آل عمران ع ۵) کہ میں توریت کو سچا ٹھہرانے اور بعض محظور کو حلال کرنے آیا ہوں۔ توریت کی اسی طرح غرض تھی کہ اس کا مقصد پورا ہوتا رہے۔ سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض احکام میں ضرورت زمانہ کے مطابق تبدیلیاں کر دیں تاکہ توریت کا مقصد پورا ہو۔ اور وہ یہی ہے۔ توریت کا مقصد جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پورا کرنے اور سچا ٹھہرانے آئے تھے آپ کے الفاظ میں یہ تھا:-

خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیا کے صحیفوں کا مدار ہے۔ (متی باب ۲۲)

یہ بالکل سچ ہے۔ آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ دین دو باتوں پر مشتمل ہے

غور کا مقام ہے۔ کہ کیا وہ کرشن مہاراج کے بعد آنیوالے ہر پیامبر نسلِ انسانی کے انعام
میں خود کرشن مہاراج ہی کا انکار تو نہیں کر رہے ؟ یہی صورت باقی
قوموں اور اہل مذاہب کی ہے۔ ہر بعد میں آنے والے
پیغمبر کے وجود میں تمام سابقہ پیغمبر جمع ہوتے ہیں۔ اور ہر قوم
اس کے پیرو بن کر اپنے ہی پیغمبر کا انکار کر جاتی ہے۔ تازہ پیغمبر اپنی
قوموں کی مسلمہ دینی کتب سے ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا مقصد بھی
وہی ہے جو ان کے مسلمہ پیغمبروں کا تھا۔ اور تعلیم کے بنیادی اصول بھی وہی ہیں
بلکہ ان کی پیشگوئیاں بھی اپنے حق میں دکھا دیتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنی
مسلمہ کتاب اور مسلمہ پیغمبروں کے حکم سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی
رو سے انہیں اس تازہ پیغمبر کو ماننا پڑتا ہے اور یہ ان کی خواہشات
نفسانی کے خلاف ہوتا ہے۔

چونکہ ہر بعد میں آنے والا پیغمبر سابقہ پیغمبروں کی کوششوں کا پھل ہوتا
ہے۔ اور اسی طرح تازہ حکم ثابت ہوتا ہے جس کا پہلے پیغمبر دے گئے تھے۔
اس واسطے پیغمبر وقت کے انکار سے بعد کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ سابقہ
پیغمبروں کو ماننے یا خدا کے حکم کو ماننے کا دعویدار ہو۔ پیغمبر وقت کا
انکار سب پیغمبروں کا انکار ہے اور خدا کا بھی۔ پیغمبروں کی حقیقت واضح
سمجھنے کے لئے یوں خیال کرنا چاہئے کہ پیغمبر آئینے ہیں جن میں آفتاب
ربانی جلوہ گر ہوتا ہے۔ بہت سے آئینوں کو آفتاب کے سامنے رکھا
جائے تو آفتاب کے جو عکس آئینوں میں پڑتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر اگر کوئی
سمجھے کہ آفتاب بہت سے ہیں۔ تو یہ اس کی غلطی ہے اور یہی شرک
ہے۔ درحقیقت سورج ایک ہے۔ جو سب آئینوں میں جلوہ گر ہے۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلا ۔ اولٰئک ھم الکافرون حقا ۔ کہ جو لوگ اللہ میں اور رسولوں میں فرق کرتے ہیں، اور درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں کہ بعض رسولوں کو مان لیا ۔ بعض کو نہ مانا وہ پکے کافر ہیں ۔

اسی طرح جناب کرشن فرماتے ہیں ؎

چو بنیاد دین سست گردد ہمے
نمائیم خود را بشکل کسے

کہ جب دین یعنی دین فطرت کی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے، تو ہم اسے مضبوط کرنے کے لئے اپنے آپ کو کسی شکل میں ظاہر کر دیتے ہیں ۔ گویا مصلحین دین کی حقیقت یکساں ہے جو کبھی کسی شکل اور کسی نام سے اور کبھی کسی شکل اور کسی نام سے ظاہر ہوتی ہے ۔ جس کسی نے اس حقیقت کو پہچان لیا ہے وہ اسے جس شکل میں ظاہر ہو پہچان لیتا ہے اور پکار اٹھتا ہے :۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را می شناسم

لیکن جس نے حقیقت کو نہیں بلکہ ظاہری شکل اور نام کو اختیار کیا ہوتا ہے، جب وہی حقیقت جس کو وہ ایک لباس میں پہچانتا تھا پیغمبر یا اوتار مانتا ہے، دوسری قمیص میں ظاہر ہوتی ہے، تو اسے رد کر دیتا ہے ۔ مثلاً اگر اہل ہنود کو کرشن مہاراج کے اس فرمودہ پر وشواس ہے کہ جناب کرشن خود ہی کسی شکل میں ظاہر ہوا کرتے ہیں ۔ زمان کے لئے

آئی۔ اگر ایک ہی استاد ان مختلف حالات میں کام کرے، تو بھی نتیجے مختلف ہوں گے، کہیں اس کی کامیابی اور کارکردگی زیادہ دکھائی دے گی۔ اور کہیں کم۔ یہی حال پیغمبروں کا ہے۔ پیغمبروں کی کارکردگیوں اور کامیابیوں میں جو فرق دکھائی دیتا ہے، وہ اس وجہ سے نہیں کہ کوئی پیغمبر زیادہ لائق تھا، اور کوئی کم۔ بلکہ فرق ان حالات کی وجہ سے ہے جن میں انہیں کام کرنا پڑا۔ اپنی ذات میں ہر پیغمبر اتنا ہی لائق تھا، جتنا کہ دوسرا کوئی پیغمبر۔ جس لیاقت کا ظہور ہوتا ہے وہ تو خدا کی نسبت ہے اور خدا ہمیشہ ایک ہی ہے۔ ہاں کسی جگہ اس کا ظہور ایک پیمانہ پر ہوا اور کسی جگہ دوسرے پیمانہ پر۔ کہیں ایک راہ سے اور کہیں دوسری راہ سے۔ جس کی وجہ مخاطبوں کی استعدادوں اور حالات کا اختلاف تھا۔

یہ پیراگراف خاکسار مؤلف کی کتاب "حقیقت عالم" سے ماخوذ ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

عکس دیکھنے میں گویا زیادہ ہیں، حقیقت میں ایک ہیں۔

حضرت محمدؐ صرف سید الآخرین ہی نہیں بلکہ سید الاولین بھی ہیں۔ پہلی چیز خدا نے پیدا کی وہ نور محمدی تھا، آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں تھے، آنحضرتؐ نبی تھے۔ سو نہ صرف آنحضرتؐ کے بعد ہی کوئی دوسرا نبی نہیں، آنحضرتؐ سے پہلے بھی آپ کے سوا کوئی نبی نہ تھا۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہم علیہم السلام جیسے جو انبیاء آنحضرتؐ سے پہلے ہوئے، ان میں بھی حقیقت محمدیہ ہی جلوہ فروز تھی، اور جو بعد میں ہوں گے، اس میں بھی وہی حقیقت درخشاں ہوگی۔ اولنا محمدؐ، اوسطنا محمدؐ آخرنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

عیسائیوں کی اصطلاح میں کلمۃ اللہ، ہندوؤں کی اصطلاح میں برہما، مسلمانوں کی اصطلاح میں نور محمدی اور بہائیوں کی اصطلاح میں مشیت اولیہ سب ایک ہی نام ہیں جو خدا نے سب سے پہلے پیدا کیا۔ اور حضرات نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ بھی سب اسی نور کے مظاہر ہیں۔

فضیلت انبیاءؑ

سوال ہوگا کہ جب یہ صورت ہے تو پھر بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت ہونے کے کیا معنی ہیں؟ سو واضح ہو کہ اس فضیلت کا مطلب یہ ہے کہ بعض پیغمبروں کو کام کرنے کے ایک موقع ملے اور بعض کو دوسری قسم کے۔ مثلاً ایک استاد کو مدرسہ میں آٹھویں جماعت میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اور دوسرے کو دسویں میں۔ ایک کو بہت ہی غبی اور کند ذہن طالب علم ملے [illegible] جماعت میں کچھ بہت اچھے طالب علم بھی مل گئے جو تو دیکھے گر دوسرے ہم جماعتوں کو سکھانے میں استاد کی امداد بھی کرنے لگ گئے۔ دوسرے کو بھی امداد دینے [illegible]

وقلنا اهبطوا بعضکم لبعض عدو ..... (البقرۃ ع ۴)

(۴) فتلقٰی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم ۝ قلنا اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝ (البقرۃ ع ۴)

اور ہم نے کہا نکل جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

پھر آدم نے اپنے رب سے کلام پایا اور خدا نے اس پر رجوع برحمت فرمایا۔ بے شک خدا بار بار رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا ہے۔

ہم نے کہا تم سب اس سے نکل جاؤ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آتی رہے گی، سو جو اس کی پیروی کرے گا اسے کوئی ڈر ہوگا نہ غم۔

۵۔ یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ (الاعراف ع ۲)

اے اولاد آدم ہشیار رہنا، تمہیں کبھی شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے، جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا۔

آیت نمبر ۴ — ان الفاظ سے کہ جنت سے نکل جاؤ۔ اور آیت ۵ کی اس نصیحت سے کہ اے اولاد آدم ہشیار رہنا کہیں کبھی شیطان جنت سے نہ نکال دے، ظاہر ہے کہ نہ صرف اولاد آدم کو ہی جنت میں رکھا گیا، بلکہ بنی آدم بھی ابتداءً جنت میں ہوتے ہیں پھر اس سے نکالے جاتے ہیں۔ پس جنت سے مراد یہی باغ دنیا ہے، جس میں ہم پیدا ہوتے ہیں۔ اسے جنت کہنے کی وجوہات آیات مندرجہ میں بتائی ہیں، اس

سلسلۂ رسالت کی غرض۔ بعثت رسل کا عام قانون اور سلسلۂ رسالت کو بند سمجھنے کی مذمت

رسالت کی غرض | سلسلۂ رسالت کی غرض یہ ہے :-

وقلنا یاآدم اسکن انت وزوجک الجنة فکلا منها رغداً حیث شئتما (بقرہ ع ۴)

اور ہم نے کہا اے آدم اپنی زوجہ کے ساتھ جنت میں رہو اور جب پسند جو چاہو، کھاؤ۔

ان لک الا تجوع فیها ولا تعریٰ وانک لا تظمؤا فیها ولا تضحیٰ (طہٰ ع)	تیرے لئے اس میں ایسا سامان ہے، کہ نہ تو بھوکا رہے، نہ ننگا، نہ پیاس ستائے اور نہ دھوپ۔
۲۔ ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین ۝	اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ اپنی زندگی تلخ کر لوگے۔
۳۔ فازلهما الشیطٰن عنها فاخرجهما مما کانا فیه۔	شیطان نے دونوں کو اس سے پھسلا دیا۔ اور جہاں وہ تھے وہاں سے نکال دیا۔

زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں۔

جب انسان نے فطرت سے ہٹ کر زندگی تلخ کر لی تو جیسے کہ آیت میں ہے " خدا نے اپنے کلام سے اس کی دستگیری فرمائی"۔ خدا نے انسان سے ایسا رحم کا برتاؤ ایک بار ہی نہیں کیا، بار بار کرتا رہا ہے۔ یہ اس کا عطیۂ عام ہے جو کسی خاص زمانہ یا حصۂ نسل انسانی تک محدود نہیں بلکہ جمیع نسل انسانی تک وسیع ہے۔ "تواب" کے معنی ہیں، بار بار رحم کے ساتھ رجوع فرمانے والا اور "انما" تاکید کے لئے آیا ہے۔ تمام ذرائع کے ساتھ ہدایت کے آنے کو جمع کر کے نسل انسانی کو اس کی بڑی چادر عطا کی ہے۔ کہ جب جب انسان فطرت سے دور ہو کر عداوت کے جہنم میں جا پڑے گا اس کی کھوئی ہوئی جنت اسے دوبارہ دلانے کے لئے خدا کی طرف سے ہدایت آتی رہے گی۔

اس سے واضح ہے کہ سلسلۂ رسالت انسان کی باہمی عداوت کے علاج کے طور پر شروع کیا گیا ہے۔ پرانے واقعات بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر یہی کام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت محمد صلعم کا عظیم الشان کارنامہ جو دنیا کی تاریخ میں یادگار ہے وہ یہی ہے کہ عربوں کو جو بدترین خانہ جنگی میں مبتلا تھے، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے متحد کر کے بھائی بھائی بنا دیا۔ واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا (آل عمران ع ۱۱) "یعنی تم باہمی عداوت کی آگ کے گڑھے پر تھے۔ اس نے تمہیں بچا لیا۔ تمہارے دلوں میں الفت

میں کھانے پینے اور رہائش کی ساری ضروریات مہیا ہیں اور تنہائی کی اداسی کو دور کرنے کے لئے اور جذبۂ محبت کی تسکین کے لئے جوڑا بھی موجود ہے، جس گھر میں میاں بیوی ایک دوسرے پر نثار ہوں اور کھانے پینے اور رہنے سہنے کا خاطر خواہ انتظام ہو، نہ کوئی غم ہو نہ فکر، کیا وہ گھر جنت نہیں؟

پہلی آیت میں خطاب اگرچہ نسلِ انسانی کو ہے، پیرایہ ایسا اختیار کیا ہے کہ گویا ایک مرد اس کی بیوی اور اولاد جو انہیں میں شامل ہے، کل ایک کنبہ زمین پر آباد ہے، اور ایک کنبہ بن کر رہنے میں ہی انسان کی جنت کا راز مخفی ہے۔ اگر انسان میں پھوٹ نہ ہو اور وہ اپنے قویٰ کو تسخیرِ عالم پر لگا دے تو اس کی متحدہ عملی کوششوں سے اس کے سارے دکھ درد دور ہو جائیں۔ اور زمین آرام و آسائش کے سامانوں سے بھر کر یقیناً جنت بن جائے۔

انسان جنت سے نکلتا کیوں ہے؟ آیت ۲۴ میں بتایا ہے کہ انسان جب فطرت سے گر جاتا ہے اور ایک دوسرے کا دشمن ہو جاتا ہے تو جنت سے نکالا جاتا ہے۔ سب انسان فطرتاً ایک ہیں اور وسائلِ زندگی کے یکساں محتاج اور حقدار ہیں، زمین و آسمان اور ان کے ذخیرے کسی ایک انسان یا گروہ کے لئے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ کل نوع کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، جب ایک فرد یا گروہ اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھنے لگتا ہے اور اس کے انسانی حقوق کا انکار کرتا ہے، أبىٰ واستكبر تو اس سے باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے اور انسان اخوت و محبت کی جنت سے نکل کر بغض و عداوت کی جہنم میں جا پڑتا ہے۔ اور سب کی

ہیں۔ ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی (طٰہٰ ع ۲)
”رب وہ ہے، جو ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے۔“ اگر صرف پیدا
ہی کرے، اور ہدایت نہ دے تو رب نہیں۔ سورۂ فاتحہ میں الحمد للہ
رب العالمین کے جملہ میں جو خدا کی حمد کی گئی ہے وہ اسی مطلب پر کی گئی
ہے کہ اس نے قرآن کو جو ھدًی للناس ہے، لوگوں کی ہدایت کے لئے
نازل کر کے ربوبیت فرمائی۔ اگر خدا یہ ہدایت نازل نہ فرماتا، تو زمانۂ قرآن
کے لوگوں کا رب نہ ہو سکتا نہ ان کی حمد کا مستحق ہوتا۔ اسی طرح اگر قرآن
شریف کے بعد مخلوق پھر گمراہ ہو جاتے، اور ان کے لئے نئے سرے سے ہدایت
کی ضرورت محسوس ہوتی اور خدا ایسے وقت پھر ہدایت نازل کر کے ان کی ربوبیت
نہ فرماتے، تو ان کا رب ہو گا نہ ان کی حمد کا مستحق۔ پس رب العالمین کی
صفت کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے ہمیشہ سے ضرورت کے وقت ہدایت
بھیجتا آیا ہے، آئندہ بھی بوقت ضرورت ہدایت بھیجنے سے دریغ نہ فرمائے
اسی طرح خدا کے رحمٰن ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ گمراہ مخلوق پر رحم کر کے اس
نے قرآن بھیجا۔ الرحمٰن علم القرآن۔ اگر خدا نے رحمانیت کے تقاضے
قرآن بھیجا تو ضروری ہے کہ آئندہ بھی جب مخلوق کی حالت قابل رحم ہو
تو اسے ہدایت نازل کر کے ان کی دستگیری فرمائے۔ ورنہ اس کی صفت
رحمانیت کا تعطل لازم آئے گا۔ رحمانیت کے تحت دی ہوئی ہدایت کی روشنی
میں جب انسان جدوجہد کرتا ہے تو اس جدوجہد کو نتائج سے بارور کرنے کا
نام رحیمیت ہے۔ اس سے یہ بھی ہے کہ رحمانیت کے تقاضے سے رحیمیت کا
بھی تقاضا پیدا ہوتا ہے۔

یوم الدین کے معنی ہیں، جزا کا دن۔ یعنی دین کے عروج، کامیابی اور

پیدا کی اور نہیں بھائی بھائی بنا دیا۔

جب تک دنیا سے بغض و عداوت دور نہ ہو، جنت دور تھی، دنیا کی طرح
اس کے نتائج سے بہت خوف زدہ تھا۔ جب تک یہ محبت و اخوت
اور فارغ البالی کی جنت نہیں بن گئی۔ اور خدا کا حکم یا آدم اسکن انت
وزوجک الجنۃ وکلا منہا رغدا حیث شئتما پورا نہیں ہو
چکتا۔ جنگ و جدل کا سلسلہ جو اس زمین سے شروع ہوتا ہے، کیونکر ختم ہو
سکتا ہے؟ موجودہ دور میں یہ سلسلہ ... ختم ہونے میں ...
نہیں کہ خدا ... شیطان ہیں ... تک ...
جیسے جیسے ... خدا نے ... بھیجے ...
تک کہ شیطان کے ... ۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

ہدایت صفات باری کا تقاضا ہے

لامحدود ہے ... جنت میں پہنچ کر بھی دعا کرتے ہیں۔ ربنا اتمم لنا نورنا ...
کہ اے ہمارے رب ہماری روشنی اور مکمل کر ...
... خواہ وہ کتنی ہی اونچی ہو ... بہتر سے بہتر مقصد کی تلاش
میں رہتا ہے۔ یوں مخلوق کو ہر وقت ... ہدایت
کی محتاج ہے، کیونکہ خدا کی صفات ... ہے ...
ایسا ... نہیں ... پر رحم ہوتا ہے ...
کر ... جو ... نہیں سکتا۔

خدا کی سب سے پہلی صفت رب ہے۔ رب کے معنی قرآن نے ...

[illegible]

عالمگیر سلسلۂ رسالت

[illegible]

سورۂ نسا رکوع ۲۳ آیت ہے:

إنا أوحينا إليك كما أوحينا
إلى نوح والنبيين من
بعده وأوحينا إلى إبراهيم
وإسماعيل وإسحاق ويعقوب
والأسباط وعيسى وأيوب
ويونس وهارون وسليمان
وآتينا داود زبورا ورسلا
قد قصصناهم عليك من
قبل ورسلا لم نقصص

[illegible]

پھلنے پھولنے کا دن اور مالک یوم الدین وہ ہے جس کو اس دن
لانے پر پوری پوری قدرت حاصل ہے۔ گویا دین ایسی چیز نہیں کہ جس کا کوئی
مالک نہ ہو، اور وہ کس مپرسی کی حالت میں ہو، بے دینی جو ہے جسے کوئی
رہے۔ دین کا ایک مالک اور رکھوالا ہے۔ جو اسے کامیاب بنانے اور بے دینی
کو کچلنے پر پورا اقتدار رکھتا ہے۔ دین کی کامیابی کے وقت ان لوگوں کی کوششیں
جو دین کی تائید میں کام کرتے ہیں بارآور ہوتی ہیں۔ اور ان لوگوں کی کوششیں
جو دین کے خلاف کام کر رہے تھے عبث ہو جاتی ہیں۔ اس لئے یوم الدین
جزا و سزا کے وقت کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی دینداروں کی نیک کوششوں کا اچھا
بدلہ اور بے دینوں کی بداعمالیوں کی سزا ملنے کا وقت۔ سابقہ زمانوں میں
دین کی کمزوری اور بے دینی کے زور کے وقت خدا مالک یوم الدین ہونے کی
حیثیت سے پیغمبر بھیج کر اس سے دین کو غالب اور بے دینی کو مغلوب کرا
دیتا رہا ہے۔ مگر قرآن شریف کے بعد دین پھر کمزور ہو جائے اور بے دینی
کا زور زیادہ ہو جائے اور خدا بے دینی کا زور توڑنے دین کو اس کے پنجے
سے چھڑانے اور پھر سے قائم کرنے کا اقدام نہ کرے تو مالک یوم الدین کیونکر
کہلائے گا؟

انہی صفات کی بدولت خدا معبود ہے۔ اور بندہ ایاک نعبد میں خدا
سے عہد کرتا ہے کہ میں خاص تیری بندگی کرتا ہوں۔ تیرے سوا مجھے کسی دوسرے
کی فکر نہیں۔ جو حکم ہو، سر ماتھے پر ماننے کو تیار ہوں۔ اور اس خیال
سے کہ مبادا اپنی کمزوری کی وجہ سے خدا کے کسی حکم کی تعمیل میں قصور رہ
جائے ایاک نستعین کا جملہ پڑھتا ہے۔ کہ میری مدد کرتا رہ اور
مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ہر حال میں تیری بندگی کا حق ادا کرتا رہوں۔

طائفتین من قبلنا و ان
كنا عن دراستهم لغافلین
او تقولوا لو انا انزل علینا
الكتاب لكنا اهدیٰ منهم
(انعام ع ۱۳۰)

کتاب ہم سے پہلے دو
گروہوں پر اتاری گئی اور ہم
ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے،
یا یہ کہو کہ اگر ہمیں کتاب دی
جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت
والے ہوتے۔

۳۔ یا معشر الجن والانس
الم یاتکم رسل منکم یقصون
علیکم آیاتی و ینذرونکم
لقاء یومکم ہذا قالوا
شہدنا علیٰ انفسنا و
غرتہم الحیٰوۃ الدنیا
و شہدوا علیٰ انفسہم
انہم کانوا کافرین ذلک
ان لم یکن ربک مہلک
القریٰ بظلم و اہلہا
غافلون ۔ (انعام ۔ ع ۱۶)

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت
کیا تمہارے پاس رسول نہ آئے
جو تم پر میری آیات بیان کرتے
اور تمہیں آج کے دن سے ڈراتے
انہوں نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں
کہ خدا کے رسول آئے۔ پر ہم
کو دنیا کی زندگی نے دھوکا
دیا اور ہمیں اپنے کفر کا اقرار
ہے۔ یہ اس لئے کہ خدا بستیوں
کو تنبیہ کئے بغیر ظلم سے ہلاک
کرنے والا نہیں۔

۴۔ انا ارسلنا نوحا
الیٰ قومہ ان انذر
قومك من قبل ان
یاتیہم عذاب الیم (نوح)

ہم نے نوح کو اس کی قوم
کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم
کو عذاب کے آنے سے پہلے
ڈرا دے۔

هم عليك وكلم الله موسى تكليما - رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل وكان الله عزيزا حكيما

کلام کیا۔ یہ سب رسول بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجے گئے تاکہ لوگوں کو خدا کے حضور کوئی عذر باقی نہ رہے۔ خدا غالب حکمت والا ہے۔

ان آیات میں رسولوں کے سلسلہ کو مکان و زمان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہمہ گیر سلسلہ بیان کیا ہے۔ اور اتنے اہتمام سے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں رسول بھیجنے کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ لوگوں کو خدا کے خلاف کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اور اس مضمون کو متعدد مقامات پر دہرایا ہے۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

۱- ولولا ان تصيبهم مصيبة بما قدمت ايديهم فيقولوا ربنا لولا ارسلت الينا رسولا فنتبع آياتك ونكون من المؤمنين (القصص ع ۵)

مبادا جب ان کو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے تکلیف پہنچے تو کہیں کہ اے ہمارے رب کیوں نہ تو نے ہماری طرف رسول بھیجا، کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور مومن ہو جاتے۔

۲- وهذا كتاب انزلناه مبارك فاتبعوه واتقوا لعلكم ترحمون ان تقولوا انما انزل الكتاب على

یہ بابرکت کتاب جو ہم نے نازل کی ہے۔ اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ مبادا تم کہو، کہ

۴۔ ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ ان انذروا انہ لا الٰہ الا انا فاتقون ○
(نحل ع ۱)

اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، ملائکہ کے ذریعہ اپنا کلام نازل کرتا ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس مجھ سے ہی ڈرو۔

۵۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (حدید ع ۳)

ہم نے رسولوں کو واضح نشانات۔ کتاب اور ترازو کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

۶۔ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین ویجادل الذین کفروا بالباطل لیدحضوا بہ الحق واتخذوا آیاتی وما انذروا ھزوا (کہف ع ۸)

ہم رسولوں کو بشارت دینے اور ڈرانے کیلئے بھیجتے ہیں مگر کافر جھوٹ سے حق کو بگاڑنے کیلئے جھگڑتے ہیں تاکہ سچائی کو نیچا دکھائیں اور میری آیات اور ڈراوے سے ہنسی کرتے ہیں۔

۷۔ انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم (دخان ع ۱)

ہم نے قرآن کو مبارک رات میں اتارا ہے۔ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس میں دانائی کی ہر بات بیان کر دی جاتی ہے۔

پہلی آیت میں رسول اللہ سے کہلوایا ہے کہ میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں۔ ارسال رسل خدا کی سنت قدیمہ ہے۔ چنانچہ کتاب موسیٰ اس سے پہلے موجود ہے۔ دوسری آیت میں رسول بھیجنے کی غرض یہ بتائی کہ لوگوں کو خدا کی عبادت کی منادی

پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ اگر رسول نہ بھیجا جائے، تو لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے۔ کہ ہماری طرف رسول بھیج کر ہمیں متنبہ کیوں نہیں کیا گیا۔ دوسری آیت میں بتایا ہے کہ رسول کا آنا اتمام حجت کے لئے ضروری ہے، اگر رسول نہ آئے تو لوگوں کا یہ عذر معقول ہوگا کہ جب باقی قوموں کی طرف رسول آئے تو ہماری طرف کیوں رسول نہ بھیجا گیا۔ تیسری آیت میں بتایا گیا ہے، کہ رسول کے ذریعے انذار کرائے بغیر لوگوں کو عذاب دینا یا ہلاک کرنا ظلم ہے اور ظلم خدا کی شان سے بعید ہے۔ چوتھی آیت سے واضح ہے کہ حضرت نوحؑ کو اپنی قوم کی طرف عذاب کے آنے سے پہلے انتباہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔

اسی طرح ۳ آیات ذیل سے ظاہر ہے کہ کئی مقاصد کے لئے رسولوں کا آتے رہنا ضروری ہے :-

۱- قل ما کنت بدعا من الرسل ..... ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما و رحمۃ - (احقاف ع۱)	کہہ کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں .. . اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب راہنما اور رحمت ہے۔
۲- ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (نحل ع۵)	اور ہم نے ہر امت میں رسول مبعوث کیا کہ خدا کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔
۳- وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر (فاطر ع۳)	کوئی امت نہیں جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

يا اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا يبين لكم على فترة من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشير ولا نذير۔
(مائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس ایک بے وقفہ کے بعد آیا ہے۔ تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔

حضرت عیسٰی کے چھ سو سال بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس چھ سو سال کے وقفہ کو کافی لمبا عرصہ سمجھا گیا جس کے بعد رسول کو آنا چاہیئے چنانچہ اس کی طرف اہل کتاب کو توجہ دلا کر کہ اتنے عرصہ کے بعد بھی اگر رسول نہ آتا تو تم یہ کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ ہماری ہدایت کے لئے رسول کیوں نہ بھیجا گیا یہ جائے عذر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ایک طرف چھ سو سال کے عرصہ کو کافی لمبا عرصہ خیال فرماتا ہے تو دوسری طرف کیونکر فرما سکتا تھا کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خواہ کروڑوں سال گزر جائیں قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ قرآن کی رو سے یہ بات منہ سے کہنا حد درجہ کی بے ادبی ہے۔

فیصلہ اختلافات کے لئے پیغمبر کا آنا ضروری ہے

پیغمبر اختلافات کے فیصلہ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين

سب لوگ ایک ہی جماعت تھے۔ پس اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے مبعوث کیا اور ان پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی

شیطان سے بچنے کا حکم دے۔ اور فرمایا کہ اس غرض کے لئے ہر قوم میں رسول بھیجا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ لوگوں کو خدا کی عبادت پر قائم کرنے اور شیطان سے بچانے کے لئے رسولوں کا آتے رہنا ضروری ہے۔ تیسری آیت میں صراحت کے طور پر فرمایا ہے کہ کوئی امت نہیں جس میں رسول نہ آیا ہو۔ اس سے بھی ہر زمانہ میں رسول کا آنا ضروری پڑتا ہے، چوتھی آیت میں کلام کے لئے "ینزّل" کا لفظ لاکر جو مضارع ہے اور حال اور مستقبل دونوں کو شامل ہے، بتایا ہے کہ لوگوں کو متنبہ کرنے اور توحید پر قائم کرنے کے لئے کلام الٰہی ہمیشہ نازل ہوتا رہتا ہے۔ پانچویں آیت میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے رسولوں کا بھیجنا ضروری ہے چھٹی آیت میں پھر مضارع کا صیغہ لاکر بتایا ہے کہ ہم رسولوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لئے ہمیشہ بھیجتے رہتے ہیں۔ ساتویں آیت میں انا کنا منذرین کہہ کر بتایا ہے کہ یہ سنت اللہ ہے کہ وہ دانائی کی باتیں سکھانے اور انذار کے لئے کلام نازل کرتا رہتا ہے۔

لمبے زمانہ کے بعد رسولوں کا آنا ضروری ہے

قرآن میں کئی جگہوں پر ہے کہ رسولوں کے بعد لمبا زمانہ گذرنے سے دل مردہ ہو جاتے ہیں اور انہیں پھر زندہ کرنے کے لئے رسولوں کا بھیجنا ضروری ہوتا ہے، جیسے کہ فرمایا ہے:۔

فطال علیہم الامد فقست قلوبہم وکثیر منہم فاسقون ان اللہ یحی الارض بعد موتہا (حدید۔ ع ۱)	پس جب ان پر لمبا زمانہ گذر گیا، تو ان کے دل سخت ہوگئے اور اکثر نے ان میں سے عہد کو توڑ دیا، خدا زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے

إن في ذلك لآية لقوم
يسمعون وإن لكم في
الأنعام لعبرة نسقيكم
مما في بطونه من بين
فرث ودم لبناً خالصاً
سائغاً للشاربين ومن
ثمرات النخيل والأعناب
تتخذون منه سكراً و
رزقاً حسناً إن في ذلك
لآية لقوم يعقلون و
أوحى ربك إلى النحل أن
اتخذي من الجبال بيوتاً
ومن الشجر ومما يعرشون
ثم كلي من كل الثمرات
فاسلكي سبل ربك ذللاً
يخرج من بطونها شراب
مختلف ألوانه فيه شفاء
للناس إن في ذلك لآية
لقوم يتفكرون والله خلقكم
ثم يتوفاكم ومنكم من
يرد إلى أرذل العمر

ہم نے تجھ پر کتاب اس غرض سے
نازل کی ہے کہ تو ان کے اختلاف کا
فیصلہ کرے اور وہ مومنوں کے
لئے ہدایت اور رحمت ہو۔ اللہ
بادلوں سے بارش برساتا ہے اور
اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے
اس میں ان لوگوں کے لئے جو کان
رکھتے ہیں نشان ہے۔ اب تک
تمہارے لئے چوپایوں میں درس عبرت
ہے۔ ہم ان کے پیٹوں میں سے
خالص اور خوشگوار دودھ گوبر
اور لہو کے بیچ میں سے تم کو پلاتے
ہیں۔ اور کھجور اور انگور سے تم شراب
اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو۔
اس میں عقلمندوں کے لئے نشان ہے
خدا نے شہد کی مکھی کو تعلیم
دی کہ تو پہاڑوں، درختوں اور
چھتوں میں اپنے چھتے بنا۔ پھر ہر
قسم کے پھلوں کا رس حاصل کر اور
خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل
کر۔ تو ان مکھیوں میں سے مختلف

اِذ اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینات بغیاً بینھم۔ (بقرۃ پ ۲ ع ۲۶)

تا کہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے جو ان کے درمیان باہمی عداوت سے رونما ہو چکا ہیں۔

جب اُمّت آپس کی سرکشی کے باعث اس تعلیم میں جو انہیں دی گئی اختلاف کر کے متفرق ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ پیغمبر کو بھیجتا ہے تا کہ ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دے اور صحیح راستہ کو واضح کر دے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ سب انسان ایک جماعت ہیں اور خدائے تعالیٰ ان کا تفرقہ پسند نہیں فرماتا۔ ان کے متفرق ہو جانے پر پھر انہیں متحد کرنے کی راہ نکالتا ہے۔ نیز چونکہ سب انسان ایک جماعت ہیں اور سب خدا کی ہدایت اور اپنے اختلافات میں خدائی فیصلہ کے یکساں محتاج ہیں۔ اس واسطے ہر اختلاف کے موقعہ پر خدا پیغمبر بھیجتا رہا ہے۔ اور بھیجتا رہے گا۔

اجرائے سلسلہ رسالت کے نو وجوہات

اسی طرح سورہ نحل پ ۱۴ ع ۸ - ۹ میں ہے:- تاللّٰہ لقد ارسلنا الیٰ اُمم من قبلک فزین لھم الشیطان اعمالھم فھو ولیھم الیوم ولھم عذاب الیم وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون۔ واللّٰہ انزل من السماء ماءً فاحیا بہ الارض بعد موتھا

ہم نے یقیناً تجھ سے پہلی قوموں کی طرف رسول بھیجے۔ پھر شیطان نے ان کے بُرے اعمال انہیں خوبصورت کر دکھائے پس آج ان کا ولی ہے، اور وہ دردناک عذاب پاتا ہیں

لوگوں پر مسلط ہے۔ اسی سنت قدیمہ کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ کو بھیجا ہے۔

۲۔ آپ کے بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ اس حقیقت کو جسے یہ لوگ آپس کے اختلاف کی وجہ سے کھو چکے ہیں کھول کر بیان فرما دیں اور اس طرح آپ اُن کے لئے موجب ہدایت و رحمت ہوں۔

۳۔ ایسے وقت میں اگر رسول نہ آئے۔ تو انسانیت کا خاتمہ ہو جائے جیسے امساک باراں کے بعد اگر بارش نہ آئے، تو زمین پر ساری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

۴۔ گوبرا اور لہو کے درمیان سے دودھ پیدا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح جب سابقہ تعلیم لفظی اور معنوی آمیزشوں سے غلط ملط ہو جاتی ہیں تو سوائے تازہ وحی الہٰی کے خالص دین کوئی چیز بہم نہیں پہنچا سکتی۔

۵۔ کھجور اور انگور سے خدا اچھا رزق پیدا کرتا ہے۔ لوگ ان کو بگاڑ کر اُن سے شراب جیسی مضر چیز بنا لیتے ہیں۔ یہ حالت شریعت کی ہے۔ شریعت جو سرچشمہ ہدایت اور سامان ربوبیت ہے۔ لوگ اُسے بگاڑ کر بجائے نفع کے ضرر رساں بنا دیتے ہیں۔ اس وجہ سے تازہ وحی کی ضرورت پڑتی ہے۔

۶۔ وحی الہٰی شہد کی مکھی کی طرح سب سابقہ تعلیمات کا جوہر اکٹھا کر کے خالص شہد یعنی خالص دین جو لوگوں کی روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے تیار کر دیتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن کو شفاء لما فی الصدور (یونس۔ ع ۶) کہا گیا ہے۔

لکی لا یعلم بعد علم شیئا ؕ
ان اللہ علیم قدیر
واللہ فضل بعضکم علی بعض
فی الرزق فما الذین فضلوا
برادی رزقہم علی ما
ملکت ایمانہم فہم فیہ
سواء افبنعمۃ اللہ
یجحدون ۔ واللہ جعل
لکم من انفسکم ازواجا
وجعل لکم من ازواجکم
بنین وحفدۃ ورزقکم
من الطیبات افبالباطل
یؤمنون وبنعمت اللہ
ھم یکفرون ۔
(نحل ع ۱۰۰۸)

قسم کا شہد برآمد ہوگا۔ جو لوگوں کے لئے شفا بخش ہے۔ اس میں سوچنے والوں کے لئے نشان ہے۔ اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے۔ پھر وفات دیتا ہے اور تم میں سے جو لمبی عمر پاتے ہیں وہ سب سیکھی سکھا یا بھول جاتے ہیں۔ بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے۔ اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ پر فضیلت والے اپنے رزق سے اپنے ماتحتوں کو اتنا نہیں پہنچاتے تاکہ سب برابر ہو جائیں۔ کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لئے تم ہی میں جوڑے بنائے اور ان جوڑوں میں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں کھانے کو اچھی اچھی چیزیں عطا کیں ۔۔ کیا یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے اور خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟

ان آیات میں بتایا ہے کہ

۱۔ خدا کی قدیم سے یہ سنت چلی آئی ہے، کہ دین کے زوال اور شیطانی غلبہ کے وقت رسول بھیجتا رہا ہے۔ چنانچہ آج پھر جب شیطان ہی

باطل یعنی بے مقصد ہو کر رہ جاتے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ نسل انسانی کی پیدائش کو رائگاں سمجھتے ہیں اور سلسلۂ رسالت جیسی نعمت عظمیٰ کو جس میں بچاؤ کی بقا اور نسل انسانی کی ترقی کا راز مضمر ہے رد کرتے ہیں۔

اجل امم

سوائے خدا کے ہر شئی ہر آن معرض فنا میں ہے۔ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذی الجلال والاکرام۔ ہر شئے کا ایک اندازہ مقرر ہے۔ خلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا۔ اسی قاعدہ کلیہ کے مطابق قومیں بھی بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔ ایک قوم پیدا ہوتی ہے۔ ترقی کرتی ہے عروج کو پہنچتی ہے، پھر تنزل کرتی ہے۔ کمزور ہو جاتی ہے، آخر اپنی عمر پوری کر کے مر جاتی ہے اور دوسری قوم کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے۔ سسکتی ہوئی قوموں کے سامنے نئی زندگی پیش کرنے اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان پر موت کا حکم لگانے اور ان کی جگہ دوسری قوم پیدا کرنے کے لئے پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔ قرآن شریف اس مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ چند آیات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ قل انی علی بینۃ من ربی وکذبتم بہ ما عندی ما تستعجلون بہ ..... وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ وھو الذی یتوفکم باللیل

کہہ کہ میں اپنے رب کی طرف سے حق پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو۔ جس کے لئے تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ..... کوئی پتا نہیں گرتا مگر اللہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کے نیچے تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے۔ نہ کوئی خشک ہے نہ تر جو کتاب مبین میں نہ ہو اور وہ

۷۔ اللہ لوگوں کو پیدا کرتا ہے، اور ان پر موت وارد کرتا ہے، اور جو لمبی عمر پاتا ہے، وہ بڑھاپے میں اپنا سارا حاصل کردہ علم بھول جاتا ہے یہی مثال امتوں اور قوموں کی ہے، جماعتیں ایک وقت میں علم کے معراج کمال پر ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ اپنے علم کو کھو کر جہالت میں لوٹ آتی ہیں، اس واسطے پھر علم دین کو از سر نو قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۸۔ خدا نے کسی کو کم دیا ہے کسی کو زیادہ، اور منشا یہ ہے کہ جن کو زیادہ ملا ہے، اس سے وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور اس طرح سب لوگ آپس میں برابر ہو جائیں، لیکن جن کو زیادہ ملتا ہے وہ اسے خدا کی دین سمجھ کر اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے اسے دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس سے حیات قومی کا توازن درہم برہم ہو جاتا ہے اور زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے —— اور اس ہیچ کو سمجھانا اور توازن کو دوبارہ قائم کر کے زندگی کو معرض ہلاکت سے نکالنے کے لئے رسول کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر رسول مساوات انسانی کا سبق دے کر از سر نو توازن قائم نہ کر دے، تو انسانی زندگی ختم ہو جائے، پس رسول بقائے نوع کا موجب ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، لیکن لوگ ناشکری سے اس نعمت کو رد کرتے ہیں۔

۹۔ جس طرح جسمانی طور پر انسان کی بقا زوج بیٹے پوتے اور مناسب غذا سے ہے۔ اسی طرح سچائی کی بقا تعلق باللہ یکے بعد دیگرے آنے والے پیغمبر اور ان کے ذریعہ دی گئی تازہ بتازہ ہدایت سے ہے، جس طرح انسان اپنی جسمانی بقا کے سامان خود مہیا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اپنی روحانی بقا کے لئے بھی خدا کی محتاج ہے، اگر یہ روحانی سلسلہ پیغمبروں کا نہ ہو تو جسمانی زندگی

ہو یا گیا ہے ۔ اور جس سے ایک قوم عدم سے وجود میں آ رہی ہے۔ یا اس سے مراد وہ قوم ہے جس کے زندگی کی تازگی ختم ہو چکی ہے اور رغب سے وہ قوم مراد ہے ۔ جو زندگی کے پانی سے بھری بھری ہے ۔ رات اور دن قوم کا گرنا اور ابھرنا ہے کبھی مُردہ ہو جاتی ہے ، کبھی پھر طاقت میں آ جاتی ہے ، یہاں تک کہ اپنے اجل کے دن پورے کر لیتی ہے ، جب تک کوئی قوم اپنی اجل کو نہیں پہنچی خدا اس کی حفاظت کے سامان کرتا رہتا ہے ، اس میں سے لوگ بیدار ہوتے رہتے ہیں ، جو اس کی بیماریوں کا علاج کر کے طاقت کو بحال کرتے رہتے ہیں ، لیکن جب اس کی میعاد پوری ہو جاتی ہے ، خدا کے رسول اس پر موت وارد کر دیتے ہیں ۔ آخر میں فرمایا کہ دیکھئے ہم فرد کی زندگی اور موت کی مثال کو قومی زندگی اور موت پر چسپاں کر کے دکھاتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھیں ، اسی طرح جو یہ فرمایا کہ ہر شے کے ظہور کے لئے ایک مقررہ وقت ہے اور ایسے ہی مخالفوں پر عذاب آنے کی خبر کا وقت مقرر ہے ۔ جو انہیں معلوم ہو جائے گا ۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ "عالم کے بعد انہیں سزا ملے گی ۔ خدا کے حساب میں تیز ہونے کا ذکر کر کے بتا دیا گیا ہے کہ جلد ہی ان کا حساب کتاب ہو کر انہیں سزا ملے گی ، چنانچہ وہ آنحضرت کے زمانہ میں ہی مل گئی ۔

۲۔ ولقد اهلكنا القرون من قبلكم لما ظلموا وجاءتهم رسلهم بالبينات وما كانوا ليؤمنوا كذلك	تم سے پہلی نسلوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا ، اور ان کے پاس کھلے نشانات کے ساتھ رسول آئے لیکن وہ ایمان نہ لائے

ويعلم ما جرحتم بالنهار ثم يبعثكم فيه ليقضى اجل مسمى ثم اليه مرجعكم ثم ينبئكم بما كنتم تعملون وهو القاهر فوق عباده ويرسل عليكم حفظة حتى اذا جاء احدكم الموت توفته رسلنا وهم لا يفرطون ثم ردوا الى الله مولىهم الحق الا له الحكم وهو اسرع الحاسبين ..... انظر كيف نصرف الايات لعلهم يفقهون وكذب به قومك وهو الحق قل لست عليكم بوكيل لكل نبا مستقر و سوف تعلمون ۵

(انعام - ع۸)

جو تمہیں رات کو سلاتا ہے اور جانتا ہے کہ دن میں تم نے کیا کیا - پھر تمہیں صبح کو اٹھاتا ہے تاکہ تمہاری مقررہ میعاد پوری ہو، پھر اس کے حضور تمہاری پیشی ہوتی ہے، تو وہ تمہیں بتاتا ہے جو تم کرتے تھے۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے - وہ تمہارے لئے محافظ بھیجتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آ پہنچتی ہے - تو ہمارے رسول اسے وفات دیتے ہیں اور وہ اس میں کوتاہی نہیں کرتے - پھر لوگ اپنے خدائے برحق کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں - حکم اسی کا نافذ ہے اور وہ حساب لینے میں سب سے زیادہ تیز ہے ...... دیکھ کیوں کر ہم آیات کو پھیر کر لاتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں - تیری قوم نے اسے جھٹلایا، حالانکہ وہ سچائی ہے کہہ کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں - ہر پیشگوئی کے لئے ایک وقت مقررہ ہے اور عنقریب تم جان لو گے۔

گرنے والے پتّے سے مراد وہ قوم ہے، جس میں سے زندگی ختم ہو گئی ہے اور وہ گر رہی ہے، زمین کے اندر دانہ سے مراد نئی قوم کا بیج ہے جو

يستأخرون ساعة ولا
يستقدمون ......
وما انتم بمعجزين ولو
ان لكل نفس ظلمت ما
في الارض لافتدت
به واسروا الندامة
لما رأوا العذاب
وقضي بينهم بالقسط
وهم لا يظلمون - ۱۰/۵۴
الا ان لله ما في السموت والارض
الا ان وعد الله حق
ولكن اكثرهم لا
يعلمون -

(يونس ع ۶ - ۱۰)

پورا ہوگا ...... مراقت کے
کرنے میں دیر مقرر ہے۔ جب ان کی
میعاد پوری ہو جاتی ہے۔ تو ذرا
بھی اس سے پیچھے نہیں ہٹ
سکتے ... تم اس سے کسی طرح
بھی بچ کر نہیں جا سکتے اور اگر
ظالم اپنے فدیہ میں زمین کے
سارے خزانے بھی پیش کر دیں
اور عذاب کو دیکھ کر اندر پچھتایا
کریں، تب بھی ان کا چھٹکارا نہیں
ان کے بیچ انصاف کے ساتھ فیصلہ
کیا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ ظلم
نہیں ہوگا۔ یاد رکھو کہ زمین و
آسمان کا اللہ [illegible] اور اللہ کا
وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ان آیات میں بتایا ہے کہ ہر قوم کی میعاد مقرر ہے۔ جب ان کی موت کی وہ گھڑی آ جاتی ہے۔ تو وہ ٹالی نہیں جا سکتی۔ جب یہ گھڑی قریب آ پہنچتی ہے تو رسول [illegible] ہوتا ہے۔ اور ان قوم کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیتا ہے۔ یعنی نبی زندگی کے دن تھوڑے ہیں جیسے کام اکرنے ہوتے ہیں، ان کا حساب کرتے ہیں۔ جلدی ہی وہ حق پایا جاتا ہے [illegible] کافروں نے اس سوال کا کہ عذاب کب آئے گا۔ جواب دیا ہے۔

نجزی القوم المجرمین ثم جعلنا کم خلائف فی الارض من بعدهم لننظر کیف تعملون ۱

(یونس - ۲)

ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ پھر ہم نے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیا کرتے ہو

اس آیت میں بتایا ہے کہ ہر قوم اپنی زندگی کے دوران میں زیر امتحان ہوتی ہے جب وہ بے انصافیوں کے سبب زندگی کی اہل نہیں رہتی تو مٹا دی جاتی ہے، چنانچہ خدا یکے بعد دیگرے سابقہ قوموں کو ہلاک اور ان کی جگہ نئی قوموں کو کھڑا کرتا آیا ہے۔

۳- فاما نرینک بعض الذی نعدهم او نتوفینک فالینا مرجعهم ثم الله شهید علی ما یفعلون ولکل امة رسول فاذا جاء رسولهم قضی بینهم بالقسط وهم لا یظلمون ویقولون متی هذا الوعد ان کنتم صدقین ..... لکل امة اجل اذا جاء اجلهم فلا

اور اگر ہم تجھے ایک حصہ اس کا جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں دکھا دیں یا تیری وفات کے بعد وعدہ پورا ہو - بہرحال انہوں نے ہمارے پاس آنا ہے۔ خدا ان کے کاموں پر گواہ ہے۔ ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ جب ان کا رسول آتا ہے، ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان سے کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب

۳۴۔ ولکل امۃ اجل فاذا جآء
اجلھم لا یستاخرون ساعۃ
ولا یستقدمون
یا بنی آدم اما یاتینکم
رسل منکم یقصون علیکم
آیاتی فمن اتقی واصلح فلا
خوف علیھم ولا ھم یحزنون
والذین کذبوا بآیاتنا...
...اولئک ینالھم نصیبھم من الکتاب
حتی اذا جآءتھم رسلنا
یتوفونھم قالوا این ما کنتم
تدعون من دون اللہ
قالوا ضلوا عنا وشھدوا
علی انفسھم انھم کانوا کافرین
قال ادخلوا فی امم قد
خلت من قبلکم من الجن
والانس فی النار کلما دخلت
امۃ لعنت اختھا حتی اذا
اداّرکوا فیھا جمیعا قالت
اخراھم لاولاھم ربنا
ھؤلاء اضلونا فآتھم

ہر امت کے لئے میعاد مقرر ہے جب
وہ پوری ہو جاتی ہے تو اس سے نہ آگے
نہ پیچھے نہیں ہو سکتے ۔
اے بنی آدم: تمہارے پاس جو
تم میں سے رسول آئیں گے
اور میری آیات بیان کریں گے،
تو جو شخص ڈر کر اپنی اصلاح کرے
گا۔ اس کے لئے نہ خوف ہے نہ غم،
اور جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں...
ان کو اپنا حصہ کتاب سے ملتا رہتا ہے
یہاں تک کہ جب ہمارے رسول
ان پر موت وارد کرنے آتے ہیں۔
ان سے پوچھتے ہیں وہ کہاں ہیں
جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے
تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ اب
ہمیں نظر نہیں آتے ، اور اپنے کافر
ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ کہتا
ہے۔ کہ تم ان قوموں میں داخل ہو جاؤ
جو تم سے پہلے جن و انس میں سے
آگ میں ہیں۔ جب کوئی امت آگ
میں داخل ہوتی ہے تو وہ داخل ہونے

کیا اب جب کہ پیغمبر آچکا ہے اور اس نے انہیں موت کا حکم سنا دیا ہے، یہ ابھی
کوئی دن کی بات ہے کہ ان کی صف کو لپیٹ کر ایک طرف کر دیا جائے گا
چنانچہ وہ وعدہ کا دن جس کا ذکر "ان وعد اللہ حق" میں کیا ہے اس
دنیا میں آگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف جزیرہ نمائے عرب سے
معدوم ہو گئے۔

ملاحظہ فرمائیے کتنی صراحت سے ہر امت کے لئے اجل اور ہر امت کے
لئے رسول اور رسول کے آنے پر انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جانے کا قانون
بیان فرمایا ہے، اور پھر مخاطب نبی کے خلاف کتنے زور سے فیصلہ صادر
فرمایا ہے۔ ہر ظالم نفس کو اپنے کئے کی سزا ملتی ہے اور کوئی اسے بچا نہیں
سکتا۔ اور عذاب فیصلہ دیا جاتا ہے، شریعت میں "متوفینک" کے بعد
"الینا مرجعکم" کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اب
جب کہ فیصلہ ہو چکا ہے، رسول جسمانی وجود کے ساتھ ان کے اندر رہے
یا نہ رہے اس کا کوئی اثر فیصلہ کے نفاذ پر نہیں پڑتا۔ یہ مجرم اب
ہماری تحویل میں ہیں اور بھاگ کر نکل نہیں سکتے۔ "ما انتم بمعجزین"
دوسری دفعہ جو "قضی بینہم بالقسط" آیا ہے۔ اس کا یہ مطلب
نہیں کہ عذاب کی آخری انتہائی شدید ضرب کے وقت جو ممکن ہے رسول
کی وفات کے بعد واقع ہو۔ فیصلہ ہوتا ہے، بلکہ پہلے بصراحت تمام
بیان ہو چکا ہے کہ فیصلہ رسول کے آنے پر ہوتا ہے، اس موقعہ پر جب
عذاب کی آخری ضرب کا ذکر کیا، جو بے حد سخت ہے تو ان لفظوں کو اس
لئے دہرایا کہ اگرچہ یہ عذاب نہایت سخت ہے۔ اس میں ظلم کوئی
نہیں ہے۔

هذا وما كنا لنهتدي لولا
ان هدانا الله لقد جاءت
رسل ربنا بالحق ونودوا ان
تلكم الجنة اورثتموها بما كنتم
تعملون ونادى اصحاب الجنة
اصحاب النار ان قد وجدنا
ما وعدنا ربنا حقا فهل
وجدتم ما وعد ربكم حقا
قالوا نعم فاذن مؤذن
بينهم ان لعنة الله على
الظالمين الذين يصدون
عن سبيل الله ويبغونها
عوجا وهم بالآخرة
كافرون (اعراف ع ۵)

ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے
ہم ان کے سینوں سے رنجش و کینہ باہر نکال
دیتے ہیں۔ وہ نہایت اطمینان سے زندگی
بسر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب تعریف
اس خدا کے لئے ہے جس نے ہمیں اس کی
طرف رہنمائی فرمائی۔ اس کی رہنمائی کے بغیر
ہمیں یہ بات حاصل نہ ہوتی۔ بے شک خدا
کے رسول حق کے ساتھ آتے ہیں اور اعلان
کر کے آواز دی جاتی ہے کہ بعض تمہارے
نیک کاموں کے سبب تمہیں یہ جنت دی گئی
ہے۔ جنت والے دوزخیوں کو پکارتے
ہیں کہ ہم نے تو خدا کا وعدہ سچا پا لیا
کیا تم نے بھی جو تمہارے ساتھ رب
نے وعدہ کیا تھا سچا پایا؟ وہ کہتے ہیں
ہاں۔ پھر ان میں ایک شخص بلند آواز سے کہتا ہے۔ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو
خدا کے راستہ سے روکتے ہیں اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔ اور آخرت کے منکر
ہیں۔

ان آیات میں بتایا ہے۔ ہر قوم کی میعاد مقرر ہے جب یہ میعاد ختم ہونے کے
قریب پہنچتی ہے تو رسول آتا ہے جو اس کی پیروی کرتا ہے اسے کچھ خطرہ نہیں جو
نہیں مانتے۔ ان کو ایک وقت تک نار یعنی عذاب جو ان کے لئے مقدر ہے،
پہنچتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی ہلاکت کی گھڑی آ جاتی ہے۔ اس وقت

عذابًا ضعفا من النار
قال لكل ضعف ولكن لا
تعلمون وقالت اولٰهم
لاخرٰهم فما كان لكم
علينا من فضل فذوقوا
العذاب بما كنتم تكسبون
ان الذين كذبوا باٰيٰتنا
واستكبروا عنها لا تفتح
لهم ابواب السماء ولا
يدخلون الجنة حتى يلج
الجمل في سم الخياط وكذلك
نجزي المجرمين ۔ لهم من
جهنم مهاد ومن فوقهم غواش
وكذلك نجزي الظالمين ۔
والذين اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت
لا نكلف نفسا الا وسعها
اولٰئك اصحاب الجنة هم
فيها خالدون ونزعنا
ما في صدورهم من غل
تجري من تحتهم الانهار
وقالوا الحمد لله الذي هدٰنا

تی اپنی بہن پر لعنت کرتی ہے یہاں
تک کہ سب اس میں ایک دوسرے
سے ملتے ہیں تو ان کے پچھلے اپنے سے
پہلوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اے ہمارے
رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ ان
کو دگنی سزا دے۔ خدا کہتا ہے کہ ہر
ایک کو دگنی سزا ملتی ہے، لیکن تم نہیں
جانتے۔ اور پہلے پچھلوں کو کہتے ہیں
تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں۔ سو
اپنے کئے کی سزا بھگتو۔ جو لوگ
ہماری آیات کو جھٹلاتے اور ان سے
سرکشی کرتے ہیں، ان کے لئے آسمان
کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور
نہ وہ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں
یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے
گذر جائے۔ اسی طرح ہم مجرموں کو
سزا دیتے ہیں، ان کے لئے جہنم کا
بچھونا ہوتا ہے۔ اور اوپر سے اوڑھنا
اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں
مومن اور نیک کام کرنے والے جنت
والے ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہتے ہیں

پیغمبر بھیج کر ان کی راہنمائی فرمائی، جس سے ان کے سینے کدورتوں سے پاک ہوگئے اور وہ چین و اطمینان کی جنت میں داخل ہو گئے۔ خدا کی شکر گزاری بہت مانگیں اور صاف اقرار کرتے ہیں کہ اگر خدا پیغمبر بھیج کر ہماری راہنمائی نہ فرماتا۔ تو ہم خود بخود اس مقام پر ہرگز نہ پہنچ سکتے۔ غرض ان آیات میں تمام تو سول کا اہل مقرر ہونے اور ان کی عبادت کے خاتمہ پر رسولوں کے آتے رہنے اور مکذب قوموں کو جہنم میں اور فرمانبرداروں کی دنیا میں جنت میں داخل کرنے کا فرض بیان ہے

۵۔ ان فی ذلک لایات و ان کنا لمبتلین ثم انشانا من بعدھم قرنا آخرین فارسلنا فیھم رسولا منھم ان اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ افلا تتقون فقال الملاء من قومہ الذین کفروا و کذبوا بلقاء الاخرۃ ...... فاخذتھم الصیحۃ بالحق فجعلنا ھم غثاء فبعدا للقوم الظالمین ثم انشانا من بعدھم قرونا آخرین ما تسبق من امۃ اجلھا وما یستاخرون

بے شک اس میں نشانات ہیں اور ہم آزمائش کرتے رہتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قوم پیدا کی اور ان میں سے ہی ان کی طرف رسول مبعوث کیا۔ خدا کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں ہو تو اس کی قوم کے سرداروں کفر کرنے لگے۔ اور اپنے انجام کو جھٹلانے لگے۔ ...... تو خدا حق نے انہیں آدبایا اور انہیں خس و خاشاک کی طرح ذلیل و خوار کر دیا۔ اور ظالم لوگ عزت و مرتبہ کے مقام سے دور ڈال دیئے گئے۔ ان کے بعد ہم نے کئی اور قومیں پیدا کیں۔ کوئی بھی قوم اپنے مقررہ وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی

غرور اور تکبر کا نشہ اتر جاتا ہے، اور خود اعتراف کرنے لگتے ہیں کہ بے شک ہمارا قدم کافراد ہے۔ دین ہم میں باقی نہیں رہا، اس وقت پچھتانا کچھ کام نہیں آتا، حکم ہوتا ہے کہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے دینی و دنیوی خوار اور ذلت کی آگ میں ہیں داخل ہو جاؤ، ہر قوم جب اپنے رسول کی تکذیب کر کے دوزخ میں داخل ہوتی ہے، تو اگرچہ خود خدا سے بھی دوری اور ذلت کی اسی سطح پر ہوتی ہے، جس پر کہ پہلی مکذب قومیں ہوتی ہیں۔ تازہ مکذب قوم اپنے آپ کو مومن اور پہلی مکذب قوموں کو کافر خیال کرتی رہتی ہے اور اپنی گمراہی کے لئے بھی سابقہ مکذب قوم کو ہی ذمہ دار ٹھہراتی ہے (کہ ہم بھی ان کی دیکھا دیکھی دین کو چھوڑ کر ان کے نقش قدم پر چلنے لگے ہیں)۔ اس وجہ سے سابقہ مکذب قوم کو دوگنے عذاب کا مستحق سمجھتی ہے۔ سابقہ مکذب قوم کہتی ہے کہ اگر ہم ایمان باللہ اور اخلاق فاضلہ سے عاری ہیں تو تم میں بھی ایمان و اخلاق کہاں ہیں؟ تمہیں ہم پر کیا فضیلت ہے؟ جیسے ہم، ویسے تم۔ اس وقت خدا کہتا ہے کہ تم سب کو یکساں عذاب ہے، لیکن تمہیں ایک دوسرے کی حالت کا علم نہیں۔ ہر قوم اپنی مصیبت کا رونا روتی ہے، مگر نہیں جانتی کہ دوسری بھی ویسی ہی مصیبت میں گرفتار ہے۔ اس ذلت و مصیبت سے جو سب منکروں کے لئے یکساں ہے، ان کا نکلنا اور آرام و عزت کی زندگی پانا محال ہے اوپر اور نیچے یعنی دین اور دنیا دونوں میں حسرت اور ناکامی کی جلن انہیں گھیرے ہوئے ہے، ہاں جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ آرام و اطمینان کی جنت میں ہیں، ان کے جنت میں ہونے کا راز اس میں ہے کہ ان کے سینوں کو تمام کدورتوں سے پاک کر دیا گیا ہے، وہ منکروں کی طرح پیغمبر کو تکبر سے رد نہیں کرتے کہ ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں بلکہ اس بات سے کہ خدا نے

جتنا بکھر لیتھا۔ نے تمہاری صحت کو لپیٹ دیا + (بنی اسرائیل ع ۱۳)

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ ایک وقت جب بنی اسرائیل کو عزت و کامیابی کی زندگی بسر کرنے کے لئے زمین میں آباد کیا گیا۔ لیکن جب ان کی میعاد پوری ہوئی اور وہ فضل کے نہ رہے۔ تو ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

لو یؤاخذھم بما کسبوا لعجل لھم العذاب۔ بل لھم موعد لن یجدوا من دونہ موئلا وتلک القریٰ اھلکنٰھم لما ظلموا وجعلنا لمھلکھم موعدا۔ (کہف۔ ع ۸)

اگر خدا تعالیٰ ان کے کئے پر مواخذہ کرتا تو بہت جلد ان پر عذاب آ جاتا۔ لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتے۔ دیکھو تمہارے گرد و پیش کی قوموں نے جب ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ہم نے اس چودہ صدی میں تمہاری ہلاکت کا وقت بھی مقرر کر رکھا ہے۔

ان آیات میں پھر اس امر کو دہرایا ہے کہ تمام قوموں کے لئے وقت مقرر ہے۔ سابقہ قومیں اپنے ظلم کے باعث مقررہ اوقات پر ہلاک ہوتی رہیں اور یہی سلوک آنحضرتؐ کے مخالفین سے ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا

ہ۔ فھل ینظرون الا سنت الاولین فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ ولن تجد لسنت اللہ تحویلا

یہ اسی قانون کے نفاذ کے منتظر ہیں۔ جو پہلے ان جیسے لوگوں کے خلاف نافذ ہوتا رہا۔ سو تو قانون الٰہی میں ہرگز کوئی تبدیلی یا تاخیر

ثم ارسلنا رسلنا تترا
كلما جاء امة رسولها
كذبوه فاتبعنا بعضهم
بعضا وجعلنا هم احاديث
فبعدا لقوم لا یومنون
ثم ارسلنا موسی واخاه
هارون ....
فکذبوهما فکانوا من
المهلکین
(مومنون - ۴۴-۴۸)

پھر ہم لگاتار رسول بھیجتے رہے
ہر بار جب کسی قوم کے پاس اس کا
رسول آتا وہ اسے جھٹلاتی ،
تو ہم اس قوم کو پہلی مکذب قوموں
میں شامل کرکے افسانہ بنا دیتے
منکرین خدا کے قریب سے راندے
جاتے ہیں۔ دیکھو ہم نے موسیٰ اور
اس کے بھائی ہارون کو بھیجا ۔
ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا ، تو وہ
ہلاک ہو گئی ۔

ان آیات میں خدا نے لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے ، ایک کے بعد دوسری قوم پیدا کرتے رہے اور ان کی اصلاح کے لئے متواتر رسول بھیجتے رہے مکذبین کو خس و خاشاک کی طرح ذلیل کرتے رہے اور ان کے بعد دوسری نسلوں کو پیدا کرتے رہنے کا نہایت واضح بیان ہے اور اس کے علاوہ اس قاعدہ کلیہ کی پوری صراحت سے بیان فرما دیا ہے کہ ہر قوم کی عمر مقرر ہے ، جس سے وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی ۔ ان پر موت وارد کرتے رہے متواتر رسول آتے رہتے تھے جوں جوں قوموں کے پاس رسول آتے رہے اور وہ اسے جھٹلاتی رہیں ، خدا انہیں ملیا میٹ کر کے افسانے بنا دیتا رہا ۔

۶ - وقلنا من بعده لبنی
اسرائیل اسکنوا الارض
فاذا جاء وعد الآخرة

اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو
کہا کہ تم زمین میں رہائش اختیار
کرو جب دوسرا وعدہ آئیگا ، ہم

قارعة او تحل قريبا من دارهم حتى يأتى وعد الله ان الله لا يخلف الميعاد - ولقد استهزئ برسل من قبلك فامليت للذين كفروا ثم اخذتهم فكيف كان عقاب .... وما كان لرسول ان يأتى بآية الا باذن الله لكل اجل كتاب يمحو الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب

یا ان کی بستی کے پاس نازل ہوتی ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ پہنچتا ہے۔ خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا - تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا، تو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر میں نے ان کو پکڑا پس میرا عذاب کیسا تھا - رسول سوائے خدا کے حکم کے کوئی نشان نہیں لا سکتا، ہر زمانہ کے لئے ایک پروگرام مقرر ہے - اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے - اور ثبت کرتا ہے، جو چاہتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے -

(رعد - رکوع - ۴ - ۵ - ۶)

اجل کے معنی ہیں میعاد، لکل اجل کتاب کے معنی ہیں کہ ہر میعاد یعنی زمانہ کے ہر حصہ کے لئے ایک مقررہ پروگرام ہے، جس کے مطابق اس حصہ وقت نے گذرنا ہے، جو کچھ اس حصہ میں واقع ہوتا ہے مثلاً کس کس نے پیدا ہونا ہے؛ کتنا عرصہ رہنا ہے۔ اپنی عمر میں کس کس مرحلے سے گذرنا ہے؟ اور کب اور کس طرح ہلاک ہونا ہے، سب کچھ زمانہ متعلقہ کے پروگرام میں لکھا ہوا ہے - زمانہ کے ہر حصہ کا پروگرام ازل سے ابد تک کے سارے زمانہ کے

اولم یسیروا فی الارض
فینظروا کیف کان عاقبۃ
الذین من قبلہم ......
...... ولو یؤاخذ اللہ
الناس بما کسبوا ما ترک
علی ظہرھا من دابۃ
ولکن یؤخرھم الی
اجل مسمی

(فاطر - ع ۵)

نہ پائے گا - کیا انہوں نے زمین پر چل پھر کر معلوم نہیں کر لیا کہ ان سے پہلے مکذبین کا انجام کیا ہوا ...... اگر خدا لوگوں کے کئے پر ان کے ساتھ مؤاخذہ کرنے لگے، تو روئے زمین پر ان میں سے کوئی باقی نہ رہے، لیکن وہ ان کو مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے -

۹ - ویستعجلونک
بالعذاب ولولا اجل مسمی
لجاءھم العذاب ولیأتینہم
بغتۃ وھم لا
یشعرون -

(عنکبوت ع ۶)

یہ تجھ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں - اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو عذاب آ چکا ہوتا اور وہ ضرور ان کو بے خبری کی حالت میں اچانک آ پکڑے گا -

آیات مندرجہ عنوان ۹ میں خدا تعالیٰ کی قدیمی سنت کی طرف توجہ دلائی ہے - جس میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی قوم اس سے مستثنیٰ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر قوم کی ایک میعاد مقرر ہے، جب وہ میعاد پوری ہو جاتی ہے، تو وہ قوم ہلاک ہو جاتی ہے

۱۰ - ولا یزال الذین
کفروا تصیبہم بما صنعوا

کافروں کو ان کے کئے کی وجہ سے برابر مصیبت پہنچتی رہتی ہے -

اور ایک کتاب سے دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں منتقل ہوتے رہتے ہیں
دوسرے وہ احکام جن میں اصول کی حسب حالات زمانہ تشکیل کی جاتی تھی اور
جو حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اصولی حصہ ام الکتاب ہے اور وقتی
حصہ کتاب اجل۔ ممکن ہے بعض احباب کے دل میں یہ خیال گذرے کہ اجلیں بے شمار
ہیں۔ ہر چیز کی ایک اجل ہے۔ سو ہر اجل کے کتاب کے معنی ہوئے ہر چیز
کی تقدیر یا قسمت نہ کہ وہ کتاب جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے۔ کسی چیز کی تقدیر
یا قسمت کیا ہے؟ اس چیز کے متعلق ارادۂ الٰہی۔ اور پیغمبر پر جو کتاب نازل ہوتی
ہے وہ کیا ہے؟ عہد متعلقہ کے بارے میں الٰہی ارادوں کا مجموعہ۔ سو اس کتاب
میں عہد متعلقہ کے ہر شخص اور ہر قوم کا نصیب لکھا ہوتا ہے۔ جو اسے پہنچتا رہتا
ہے۔ چنانچہ کافر جو اپنی ہلاکت کا نشان مانگتے ہیں۔ انہیں جواب ملتا ہے۔
(لکل اجل کتاب) کہ ہر میعاد کا ایک مقررہ پروگرام ہے۔ سو تمہاری میعاد یا
عمر کا بھی ایک پروگرام ہے۔ اس پروگرام میں جو کچھ تمہارے لئے مقدر ہے
اسے بھوگ کر تم ہلاک ہو گے۔ "اولئک ینالہم نصیبہم من الکتاب
حتی اذا جاءتہم رسلنا یتوفونہم" (اعراف - ع ۴) قرآن
شریف میں جو اجل متعلقہ کی کتاب ہے۔ جب ہی یعنی جو کچھ انہیں پیش آنا
تھا پہلے سے بتا دیا گیا۔ جیسے کہ سورہ اعراف و انعام کی آیات سے جو پہلے
نقل ہو چکی ہیں ظاہر ہے اور شوریٰ کی آیات سے جو آگے آئیں گی ظاہر ہو گا۔
خود اس مقام پر بھی بتا دیا ہے کہ "لا یزال الذین کفروا تصیبہم
بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبا من دارہم حتی یاتی وعد
اللہ" یعنی کافروں کو ان کی کرتوتوں کی وجہ سے یکے بعد ایک مصیبت
پہنچتی رہے گی۔ یہاں تک کہ ان کی ہلاکت کا وعدہ جس کے لئے وہ جلدی

پروگرام کا حصہ ہے، سارے زمانہ کے پروگرام کا نام ام الکتاب ہے اور زمانہ کے ہر حصہ کے پروگرام کا نام کتاب اجل ہے۔ یہ دونوں کتابیں ارادہ اللہ ہیں، فرض کرو، کہ ایک شخص لاہور سے انگلستان جاتا ہے۔ لاہور سے روانگی کے وقت وہ بمبئی کا ٹکٹ لیتا ہے، اور اس وقت اس کا ارادہ بمبئی پہنچنے کا ہے، وہاں سے جب وہ جہاز میں سوار ہوتا ہے تو اس کا ارادہ جہاز کی پہلی منزل پہنچنے کا ہے۔ پھر دوسری منزل پر، علی ہذا القیاس، ایک وقت میں وہ ایک منزل پر پہنچنے کا ارادہ کرتا ہے جب وہاں پہنچ جاتا ہے، تو وہ ارادہ محو ہو جاتا ہے، اور اگلی منزل کا ارادہ کرتا ہے، اسی طرح اس کا ارادہ منزل بمنزل بدلتا رہتا ہے لیکن ان تمام تبدیلیوں کے باوجود اس کا وہ ارادہ جو انگلستان پہنچنے کا ہے بدستور رہتا ہے، یہ جزئی ارادے اس اصل ارادہ کے ہی حصے ہیں۔ اسی طرح ارادۃ اللہ اگرچہ مختلف زمانوں کے لحاظ سے بدلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ تبدیلی اس کے ظاہر میں ہے، اصل ارادہ میں جو ازل سے ابد تک کے سارے زمانہ سے متعلق ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ اصل ارادہ جو نہیں بدلتا اور سارے زمانہ پر حاوی ہے۔ ام الکتاب ہے اور مختلف زمانوں سے متعلق جو الگ الگ ارادے ہیں وہ اسی ام، ارادے کے حصے یا مظاہرات ہیں جو اصل ارادہ کے نوح پر ثبت اور محو ہوتے رہتے ہیں۔ سوال ہوگا، کہ ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ خدا کا اصل ارادہ جو کبھی نہیں بدلتا وہ کیا ہے؟ اور جو ارادہ وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے، وہ کیا ہے؟ سو یہ علم اس کتاب سے حاصل ہوتا ہے، جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے اس میں دو قسم کے احکام ہوتے ہیں ایک اصولی جو کبھی نہیں بدلتے

میتاً کذٰلک تخرجون ۝ بستی کو زندہ کرتا ہے یہی موت سے قبروں
(زخرف - ۱۱) سے جی اُٹھنے کی کیفیت ہے۔

ان آیات میں اس خیال کی تردید ہے کہ خدا نے ایک ہی وقت میں تمام آئندہ زمانوں کے واسطے ہدایت نازل کر دی ہے۔ صاف فرمایا ہے کہ ہر چیز کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں۔ اور ہم ہر چیز کو حسب ضرورت مقررہ اندازہ سے نازل کرتے ہیں۔ مثلاً ہم بارش برساتے ہیں تو یوں نہیں کرتے کہ آئندہ سارے زمانوں کے لئے ایک ہی دفعہ بارش برسا دیں۔ اور تم لوگ پانی کا ذخیرہ کر لو۔ اور اس کو ہمیشہ استعمال کرتے رہو۔ بلکہ ساتھ کے ساتھ ہر سال کے بعد بارش ہوتی رہتی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن وحی الٰہی کو بار بار بارش سے تشبیہ دیتا ہے۔ یہ بتانے کو کہ جس طرح جسمانی زندگی کے لئے بار بار بارش کی ضرورت ہے، ایک وقت کی بارش دوسرے وقت کام نہیں آ سکتی۔ اسی طرح روحانی زندگی کے لئے وحی الٰہی کی بار بار ضرورت ہے۔ ایک زمانہ کی وحی دوسرے زمانہ کے کام نہیں دیتی۔ اس موقعہ پر بھی مقررہ اندازے سے بارش برسنے کے ذکر سے حسب ضرورت نزول کلام کو بیان کرنا ہی مقصود ہے۔ آخر پر یہ الفاظ لا کر کہ "ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں" وضاحت کر دی کہ بارش سے وحی الٰہی کی بارش مراد ہے جو روحانیت کے مر جانے پر سب سے اسے زندہ کرنے کے لئے آتی رہتی ہے۔

غرض مسلمانوں کا یہ خیال کہ خدا نے ایک ہی دفعہ ساری روحانی بارش برسا دی ہے اور اب مزید کوئی ہدایت نازل ہونے والی باقی نہیں رہی۔ قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔

کرتے ہیں آجائے۔ "لکل اجل کتاب" میں اجل سے مراد ایک پیغمبر کے ظہور سے دوسرے پیغمبر کے ظہور تک کا زمانہ ہے۔ اور مجید متعلقہ میں تمام چیزوں کی تقدیروں اور قسمتوں کو بنانے اور بگاڑنے والی وہی ارادۃ اللہ کی کتاب ہے جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے سچ کہا ہے۔

"نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

سابقہ آیات میں تو یہ بتایا تھا کہ ہر امت کے لئے اجل ہے اور ہر امت کے لئے رسول ہے جہاں آیات میں بتایا ہے کہ ہر اجل کے لئے جداگانہ ارادہ الہی ہے اور جداگانہ کتاب ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا "کل یوم ھو فی شان" ہر زمانہ میں وہ ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہر زمانہ میں کلام بقدر ضرورت نازل ہوتا ہے۔

نزولِ کلام بقدر ضرورت

وان من شیئٍ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدرٍ معلوم۔ وارسلنا الریاح لواقح فانزلنا من السماء ماءً فاسقیناکموہ وما انتم لہ بخازنین وانا لنحن نحیی ونمیت ونحن الوارثون (حجر ع ۲)

ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اسی قدر نازل کرتے ہیں جتنی ضرورت ہوتی ہے اور ہم ہواؤں کو پانی سے بھر پور کر کے بھیجتے ہیں اور بارش برساتے ہیں اور نہیں پلاتے ہیں۔ اور تم اس کا ذخیرہ نہیں کر سکتے۔ اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔

والذی نزل من السماء ماءً بقدرٍ فانشرنا بہ بلدۃ

خدا بادلوں سے اندازے کے مطابق پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعہ مردہ

تو پھر کلام اللہ میں نسخ آیات پر اعتراض کیسا ؟ اگر عالم میں آیات بدلتی رہیں یعنی حالات بدلتے رہیں اور کتاب اللہ میں اُن کے مناسب تبدیلیاں نہ ہوں تو صحیفۂ قدرت میں اور صحیفۂ الہامی میں جو دونوں خدا کی کتابیں ہیں۔ تفاوت ہو جائے ، دونوں ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگیں اور خدا کی ہستی پر نشان ہونے کی بجائے اس کی نیستی کی گواہ ہوں سو خدا جو تبدیلیاں کرتا ہے، پورے علم کے ساتھ جانچ تول کے کرتا ہے۔ فرماتا ہے :-

وإذا بدلنا آية مكان
آية والله أعلم بما ينزل
قالوا إنما أنت مفتر
بل أكثرهم لا يعلمون
(نحل رکوع ۱۴)

جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری لاتے ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم کیوں اور کن مصلحتوں سے یہ تبدیلی کر رہے ہیں، تو یہ لوگ پیغمبر کو کہتے ہیں کہ تو نے افترا کیا ہے۔ حالانکہ یہ خود نادان ہیں۔

عالم میں دو قسم کی تبدیلیاں ہوتی ہیں، کبھی تو نئی حالت پہلی سے بہتر ہوتی ہے اور کبھی اس کی مثل۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اس کے دانت نہیں ہوتے نہ معدہ ثقیل غذا ہضم کر سکتا ہے، اس وقت اس کی قدرتی غذا ماں کا دودھ ہوتا ہے۔ جب بڑھتا ہے تو دانت نکل آتے ہیں اور معدہ میں بھی زیادہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر ماں کے دودھ کی بجائے روٹی چاول وغیرہ کھانے لگتا ہے۔ پچھلی حالت جس میں دانت نکل آئے ہیں، اور معدہ مضبوط ہو گیا ہے اگرچہ پہلی حالت سے ہی پیدا ہوئی ہے پہلی سے بہتر ہے۔ لیکن روٹی ماں کے دودھ کی مثل ہے۔ کیونکہ

سلسلۂ رسالت کو بند سمجھنے کی مذمت

سلسلۂ رسالت کو بند سمجھنے کی قرآن

پہلی مذمت یہ فرماتا ہے:۔

ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیٔ قدیر۔ الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر۔ (البقرۃ ع)

نہ اہل کتاب کے منکر اور نہ مشرک پسند کرتے ہیں کہ تم پر خدا کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ زمین و آسمان کی بادشاہت کا مالک ہے۔ اور تمہارا سوائے خدا کے نہ کوئی کارساز ہے نہ مددگار۔

تبدیلات نسخ آیت پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ اس میں نسخ پہلو پہلو پر نظر آتا ہے۔ ایک چیز آتی ہے اور پیچھے آتی ہے کل دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ عالم کی ہر چیز میں یہ قانون ہے۔ اسی طرح ... اور آیات ... نشانات ہیں۔ ... کا ... نشان ہے ... آیات ... ہوتا ہے۔

حالات کے مناسب یوں دے دیئے جاتے ہیں۔ پس "نسخ" کا لفظ
بنیادی تعلیم سے متعلق ہے۔ جو پہلی کتاب سے دوسری کتاب میں لکھ لی
جاتی ہے، ہاں پہلے سے اُسے زیادہ وسیع کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر
ایک زمانہ میں وحدت انسانی کا درس اپنے قبیلہ یا اپنے وطن تک
محدود تھا تو دوسرے زمانہ میں گو درس وہی ہے اُسے دنیا بھر تک
وسیع کر دیا گیا۔ اگر ایک زمانے میں کہا گیا کہ حب وطن جزو
ایمان ہے اور دوسرے زمانے میں کہا گیا کہ اپنے وطن سے محبت کرنا
موجب فخر نہیں کل عالم سے محبت کرنا چاہیئے، تو اگرچہ اس میں
بظاہر پہلے حکم کا ازالہ معلوم ہوتا ہے، حقیقت میں یہ پہلے حکم کی
توسیع ہے، جو سارے عالم سے محبت رکھے گا وہ وطن والوں سے
بھی ضرور محبت رکھے گا۔ کیونکہ اس کا وطن بھی عالم میں شامل ہے
مقصود یہ ہے کہ جس کو 'نسخ' کہا جاتا ہے واقعہ میں وہ پہلے
حکم کی توسیع و توضیح ہوتی ہے، جو نئے حالات میں بے شک پہلے
سے بہتر ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی تبدیلی کی مثال تبدیلی قبلہ ہے
ایک زمانے میں بیت المقدس قبلہ بنایا گیا دوسرے میں کعبتہ اللہ
پہلے کا مقصد بھی یکجہتی تھا دوسرے کا بھی وہی یکجہتی۔

عموماً ہمارے مفسرین نے یہ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی
کہ 'نسخ' کن آیات کا ہوتا ہے اور 'نئی' کن کی ؟ نئی آیات
کن سابقہ آیات سے بہتر ہوتی ہیں اور کن کی مثل؟
حالانکہ یہ سوال کا فرض تھا اگر اس طرف توجہ کرتے۔ تو یہ صحیح
منشا پر پہنچ جاتے۔

دودھ بھی غذا کا کام دیتا تھا اور دودھ ہی کا کام دیتی ہے، اگر
نباتات میں قوت نمو تھی، جب اگلی مرتبہ پر پہنچ کر اس میں حرکت ارادی
کا بھی ظہور ہو گیا، دوسری حالت پہلی سے بہتر ہے۔ زمانہ ماضی میں کئی
انواع حیوان زمین پر موجود تھیں جو اب باقی نہیں رہیں۔ ہاں! ان
انواع وجود میں آ گئی ہیں۔ حیوان کی شکل یعنی انہی کی طرح حیوان ہیں۔

اسی طرح کتاب اللہ کی آیات میں دو طرح کی تبدیلیاں ہوا
ہیں۔ ایک وہ جنہیں لفظ "ننسخ" سے تعبیر کیا ہے اور دوسری وہ
کے لئے "ننسها" فرمایا ہے۔ "پہلی قسم کی تبدیلی میں سابقہ کتاب
کی آیت سے بہتر لائی جاتی ہے اور دوسری قسم کی تبدیلی میں سا
آیت کی مثل۔ "نسخ" کے معنی لغت میں "لکھنا" ہیں۔ ناسخ
کاتب کو کہتے ہیں اور "نسخہ" کتاب کو۔ سورہ اعراف میں نسخہ
کا لفظ الواح تورات کے لئے آیا ہے۔ اور سورہ "جاثیہ" میں
"انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون" کہ ہم لکھتے رہے جو
تم کرتے تھے۔ "ننسها" کے معنی ہیں، ہم فراموش کرا دیتے ہیں۔ پورے
جملہ کے معنی یہ ہیں کہ "بعض آیات کو ہم لکھ لیتے ہیں، اور بعض کو
فراموش کرا دیتے ہیں۔ جنہیں لکھ لیتے ہیں، انہیں پہلے سے بہتر
صورت اور پیرایہ میں لکھتے ہیں۔ اور جنہیں فراموش کرا دیتے
ہیں، ان کی مثل ۔۔ لاتے ہیں۔ جیسے عرض ہو چکا ہے کہ
بنیادی تعلیم سب کتابوں کی ایک ہی ہے، جو ایک کتاب سے دو
میں اور دوسری سے تیسری میں منتقل ہوتی رہتی ہے: اور شرائع
و احکام جو وقتی ہوتے ہیں، وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔
پہلے احکام فراموش کرا دیئے جاتے ہیں۔ ہاں! ان کی مثل جو

آیات کے نقص یا غلط ہونے کا فیصلہ کریں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ خدا جو کچھ نازل کرتا ہے وہ اس کے اپنے نقطۂ نظر سے نہ کہ معترضین کے نقطۂ نظر سے سابقہ وحی سے بہتر یا اس جیسا ہوتا ہے

۲۔ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منہم ان انذر الناس وبشر الذین آمنوا ان لہم قدم صدق عند ربہم۔

(یونس ع ۱)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کی طرف وحی کی۔ لوگوں کو ڈرا، اور مومنوں کو بشارت دے کہ وہ اللہ کے نزدیک ان لوگوں میں شمار کیے جائیں گے، جو سچائی کے اعتبار سے قدم سبقت لے گئے ہیں۔

یہاں بتایا ہے کہ لوگ رسول کے آنے کو انوکھی چیز خیال کرتے ہیں اور خدا اُن کے اس خیال کو انوکھی چیز خیال کرتا ہے، کیونکہ رسولوں کا بھیجنا اس کی سنت اور اس کا معمول ہے۔

۳۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ

(انعام ۔ ع ۱۱)

جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا، انہوں نے خدا کی شناخت کا حق ادا نہیں کیا۔ کہہ کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی، جو موسیٰ لائے تھے۔

یہودی یہ تو مانتے تھے کہ حضرت موسیٰ پر خدا کا کلام نازل ہوا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تازہ کلام الٰہی کے نزول کا انکار کرتے تھے جیسے کہ دوسری

پوری آیات زیر غور کا مطلب یہ ہے کہ اگر منکر تازہ کلام کے نزول کو پسند نہیں کرتے تو خدا ان کی خواہشات کا تابع نہیں ہے۔ جیسے تغیرات عالم میں وہ مختار کل ہے، اسی طرح اپنے کلام میں بھی اپنی حکمتوں اور مصلحتوں سے جو تبدیلیاں چاہے نافذ کرنے پر پورا اختیار رکھتا ہے۔

عالم کو ان تبدیلیوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور خدا کے سوا کوئی نہیں جو عالم کی اس ضرورت کو پورا کر سکے، چونکہ لوگ تبدیلیوں کی حکمتوں سے آگاہ نہیں ہوتے، ان پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ انہیں شکر گزار ہونا چاہیئے تھا کہ خدا نے ان کی ضرورت کا وہ کام انجام دیا جو وہ خود نہیں کر سکتے تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تازہ وحی کے بارہ میں خود فیصلہ کریں گے، کہ آیا وہ سابقہ آیات سے بہتر یا اس کی مثل ہے کہ نہیں۔ حالانکہ قرآن نے تمام معترضین کو اندھا، بہرا قرار دیا، چنانچہ اس مقام پر بھی انہیں نادان کہا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ سونے کا کھرا کھوٹا ہونا صراف بتا سکتا ہے۔ نہ کہ وہ جس نے سونا کبھی دیکھا ہی نہیں، ہر زمانہ میں منکرین تازہ وحی کو سابقہ سے ناقص بتاتے رہے حالانکہ جوں جوں مومنین کی تعداد بڑھتی گئی، قدم قدم پر ان کا یہ فیصلہ غلط ثابت ہوتا رہا، پس نہ لوگ اس بارہ میں فیصلہ کے اہل ہیں نہ ان کے فیصلہ پر اعتماد ہو سکتا ہے، ہاں جائز مطالبہ یہ ہے کہ مدعی کو معیار رسالت پر پرکھ لیا جائے، اگر وہ اس معیار پر پورا اتر جائے، تو اس کے ذریعہ نازل شدہ آیات نبیوں کے ناقص قرار دینے سے ناقص ثابت نہیں ہو سکتیں، خدا نے آیات زیر غور میں، لوگوں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ تحـ

غلت ایدیہم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء و لیزیدن کثیراً منہم ما انزل الیک من ربک طغیاناً وکفراً - (مائدہ ع ۹) کہ ان کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ۔ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے قرار دینے کی وجہ سے ان پر لعنت ہے - خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ اپنے فضل سے جیسے چاہتا ہے نوازتا ہے - اے رسول تم پر خدا کا کلام نازل ہونے کے حسد سے یہ لوگ سرکشی اور کفر میں روز بروز بڑھتے جائیں گے -

۴ - ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتیٰ اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولاً ۔ کذالک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب - (مومن ع ۴)

اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس خدا کی طرف سے نشانات لے کر آیا ۔ تم کو ہمیشہ اس کے بارہ میں جو وہ لایا شک ہی رہا اور جب وہ وفات پا گیا تو تم نے یہ بات بنائی کہ اب اس کے بعد خدا ہرگز کسی رسول کو مبعوث نہیں کرے گا ۔ اسی طرح خدا حد سے بڑھنے اور شک کرنے والے کو گمراہ کرتا ہے ۔

ان آیات میں خدا نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اب کوئی رسول نہیں آئے گا اور اس کے متعلق فرمایا کہ خدا حد سے گزرنے والے شکی کو اسی طرح گمراہ کر دیتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ بنا لیتا ہے کہ آئندہ کوئی رسول مبعوث نہیں ہوگا -

ملاحظہ فرمائیں کہ گزشتہ آیت میں یہود لوگ کسی نئی کتاب کے انکار

جگہ مذکور ہے۔ قالوا نؤمن بما انزل علینا ویکفرون بما وراءہٗ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسے مانتے ہیں جو ہم پر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا۔ اور اس کے سوا مزید کلام نازل ہونے سے انکاری ہیں۔ لیکن کلام الٰہی کا انکار خواہ کسی زمانہ میں کیا جائے، دراصل خدا کی صفت تکلم کا انکار ہے۔ اور اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) کہ خدا نے کبھی کچھ نازل نہیں کیا (۲) کہ پہلے تو وہ کلام کرتا رہا ہے، لیکن اب اس کی صفتِ تکلم زائل ہو گئی ہے یا وہ اب اتنا تنگ دل ہو گیا ہے کہ خلق کو محتاج ہدایت پا کر کبھی ان کی راہنمائی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ پہلی صورت قرآن کے اپنے مسلمہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کی کتاب نازل ہوئی۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خدا کی قدر کو جیسے کہ وہ واقع میں ہے نہیں پہچانا یعنی خدا کی صفت ربوبیت اور تکلم کو جو واقع میں تمام زمانوں پر وسیع ہیں، حضرت موسیٰ تک محدود کر بیٹھے ہیں اور خدا جو تازہ کلام سے ربوبیت فرماتا ہے، اس کی ناشکری کرتے ہیں سورہ بقرہ رکوع ۱۱ میں ان کے انکار کی اصل وجہ بیان فرمائی ہے۔ بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہ علیٰ من یشاء من عبادہ ۔ یعنی کہ وہ حسد کی وجہ سے برداشت نہیں کر سکتے کہ خدا اپنے فضل سے بنی اسرائیل کے سوا جسے چاہے نوازے۔ ان کے اس قول کو کہ فضل الٰہی کے لئے وہی مخصوص ہیں اور توریت کے بعد دوسری کتاب نازل نہیں ہو سکتی۔ خدا نے یوں تعبیر کیا ہے۔ وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ کہ یہودی کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور اس قول پر انہیں ناراضگی فرمایا

نے کیوں سجدہ نہ کیا؟ لیکن اس حکم کے سوا جو قلنا للملئکۃ اسجدوا
لآدم کے الفاظ میں فرشتوں کو ہوا۔ کوئی علیحدہ حکم شیطان کے لیے
قرآن میں مذکور نہیں، اس سے پایا جاتا ہے کہ شیطان بھی اس حکم میں شامل
ہے۔ گویا شیطان بھی ملائکہ میں سے ہے۔ دوسری طرف قرآن میں یہ بھی
ہے کہ شیطان جنوں اور کافروں میں سے ہے۔ کان من الجن،
کان من الکافرین۔ فرشتوں کی شان قرآن میں لکھی ہے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون

کہ ملائکہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جائے بجا لاتے
ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان جس نے نافرمانی کی ملائکہ سے نہیں،
ایک اور بات یہ ہے کہ سجدہ کا مطلب کیا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ
ملائکہ خدا کی مشیت کو نافذ کرنے والے کارکن ہیں جو عالم کے مختلف
شعبوں پر مامور ہیں اور انہیں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دینے کے معنی یہ
ہیں کہ سارا عالم انسان کی خاطر اور اس کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا
ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا، سخر لکم ما فی السموات وما
فی الارض جمیعا منہ، کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، انسان
کے لیے مسخر کیا گیا ہے، لیکن شیطان اور اس کی جماعت عالم کے کسی
شعبہ پر مامور نہیں، اگر حکم ملائکہ کو جو عالم کے شعبوں پر مامور ہیں ہوا
تھا۔ تو شیطان اس حکم میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ضمناً اس سے پھر یہ
معلوم ہوا کہ سجدہ صرف آدم اول کے لیے ہی نہ تھا، بلکہ اولاد آدم
کے لیے بھی۔ کیونکہ عالم سب انسانوں کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔
جیسے سخر لکم سے ظاہر ہے۔ ان مشکلات کے علاوہ ایک یہ مشکل

کو خدا کے اختیار سے چھیننے کے مترادف ہو تو مسلمان بلا شک کیسے قرآن ثابت میں اس عقیدہ کو
کہ آئندہ خدا ہرگز رسول مبعوث نہیں کرے گا۔ کھلی گمراہی اور حد سے بڑھنے
والوں اور شکی لوگوں کا عقیدہ قرار دیا ہے۔

شیطان کی وسوسہ اندازی

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ شیطان یہ وسوسہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور کیونکر ڈالتا ہے۔ چند باتوں کو صاف کرنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ سجدہ کا حکم جس کے انکار سے آدم اور شیطان میں پہلی ٹھن پڑی تھی، اب اور کہاں ہوا؟ سورۂ اعراف میں ہے ولقد خلقنکم ثم صورنکم ثم قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس۔ کہ جب ہم نے تم کو پیدا کیا، تمہاری شکلیں بنائیں تو ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سجدہ کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب صرف آدم اول ہی بلکہ بنی آدم بھی وجود میں آچکے تھے گویا یہ حکم ہم لوگوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ نیز اگر یہ حکم آدم اول کی پیدائش کے وقت ہوا اور حضرت آدم کا ذاتی معاملہ تھا جس سے بنی آدم کو کچھ سروکار نہ تو قرآن میں بار بار اس کا ذکر کرنے کی ضرورت ظاہر نہیں۔ ایک اور بات جو اس ضمن میں ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ ہے کہ سجدہ کا ملائکہ کو ہوا شیطان درمیان میں کیونکر آگیا؟ اس میں شک نہیں کہ سجدہ نہ کرنے پر جن الفاظ میں شیطان سے جواب طلب ہوتا ہے۔ ان سے چلتا ہے کہ شیطان کو بھی سجدہ کا حکم تھا، چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں۔ منعک الا تسجد اذ امرتک، کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا

آلۂ ظہور کو سجدہ کرتا ہے وہ مشرک ہے اور جو ظہور کو نہ کہ شیشہ کو سجدہ کرتا
ہے۔ وہ خود خدا کو سجدہ کرتا ہے یوں سمجھو کہ پیغمبر قبلہ ہے، جس کی طرف
رخ کر کے سجدہ خدا کو کیا جاتا ہے، خدا ایک ہے، اور ہر پیغمبر میں اسی
ایک خدا کا ظہور ہوتا ہے، جو ظہور الٰہی کا پرستار ہے، جہاں اسے پاتا ہے
سر جھکا دیتا ہے، جو شیشہ کا پرستار ہے اور ظہور سے ناآشنا جو قبلہ پرست
ہے نہ کہ خدا پرست، وہ خالی شیشہ یا قبلہ سے چپٹا رہتا ہے اور ظہور کا
انکار کر دیتا ہے، سب سے بڑی وجہ پیغمبر وقت کے انکار کی یہی ہوتی ہے
کہ لوگ آلۂ ظہور کو نہ کہ ظہور کو خدا کا مقام دے دیتے ہیں اور حقیقی
خدا کو اپنی نفسانیت کے بت پر نثار کر دیتے ہیں، سجدہ سے مراد سچی اطاعت
ہے، اور پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے من
یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ سے طے ہو جاتا ہے کہ ہر آدم مسجود ملائکہ
سے مراد پیغمبر ہے، اور اسے سجدہ کرنے سے مراد اس کی اطاعت ہے، جو
خود خدا کی اطاعت ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ شیطان سجدہ کے حکم میں جو
ملائکہ کو ہوا، کیونکر شامل ہو گیا۔ ہم نے عرض کیا کہ ظہور الٰہی جو پیغمبر کے
ذریعہ ہوتا ہے۔ مسجود و مطاع کل ہے، تمام مخلوق کو اس کی اطاعت
کا یکساں حکم ہوتا ہے اور تمام سے اطاعت کی توقع کی جاتی ہے۔
اطاعت ملائکہ کا خاصہ ہے، اطاعت کی توقع کی بنا پر حسن ظنی سے تمام
کو ملائکہ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے اور سجدہ کا حکم دیا جاتا ہے جو اطاعت
کی توقع کو پورا کر دیتے ہیں اور سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، وہ اپنے آپ
کو ملائکہ کے معزز نام کا اہل ثابت کر دیتے ہیں، جو سرکشی اختیار کرتا
ہے وہ سرکشی اختیار کرنے پر شیطان بنتا اور اس نام سے موسوم ہوتا

باقی ہے کہ کیا سجدہ غیر اللہ کو جائز ہے ؟

ان حالات میں میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ آدم کی کہانی میں اولاد آدم کی کہانی بیان کی گئی ہے قرآن میں آدم کا لفظ اسم جنس کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور نوع کے افراد کا ملہ کے لئے بھی ، جہاں آدم کو مسجود ملائکہ کیا جاتا ہے ، وہاں پیغمبر مراد ہوتا ہے جو خلیفۃ اللہ یعنی خدا کے قائمقام کی حیثیت سے مسجود کل ہے ۔ یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ پیغمبر مظہر ظہور الٰہی ہے ۔ تمام خلق سے خدا کا مدعا اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے ، چنانچہ فرماتا ہے ، کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق ۔ کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا ، میں نے چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کروں ، سو میں نے خلق کو پیدا کیا ۔ خلق منزل بمنزل ارتقاء کرتی آئی ہے ، اور بے شمار شاخوں اور شعبوں میں پھیل گئی ہے ، لیکن اس کی تمام سرگرمیوں کا نصب العین کامل ظہور الٰہی ہے ، جو اخیر پر آکر انسان کامل میں جو پیغمبر ہے ہوا ہے ۔ پیغمبر میں خدا کے ارادہ اور اس کی صفات کا ایسا کامل ظہور ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک آئینہ ہے ، جو سورج کے سامنے رکھا ہے ، اس کو جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ اس کو نہیں بلکہ خدا کے ظہور کو ہے ۔ جو اس میں منعکس ہے اور جو خدا کا اور اس کی تمام مخلوق کا مقصود ہے ۔ اسی ظہور کی خاطر تمام عالم وجود میں آیا اور انسان کے لئے مسخر کیا گیا ہے اور باقی تمام افراد اسی کی طفیل اپنی اپنی استعداد کے مطابق عالم پر حکمرانی کرتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ، وہی ظہور الٰہی مقصود عالم ہے ، اور وہی مسجود ملائکہ ، مظہر تو فقط ایک شیشہ یعنی آلہ ظہور ہے ۔ جو شیشہ یا

کہ اے اولادِ آدم ہوشیار رہنا! شیطان تمہیں بھی فتنہ میں نہ ڈال
دے جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا اور ان کا
لباس اتروا کر انہیں ننگا کر دیا۔ اسی طرح پیغمبر کی مخالفت کے لیڈروں
کو خدا شیطان کے نام سے پکارتا ہے۔ واذا خلوا الی شیاطینہم
(بقرہ ۲) اور جو ان کی پیروی کر کے ایمان نہیں لاتے، انہیں شیطان
کے دوست قرار دیتا ہے۔ انا جعلنا الشیاطین اولیاء
للذین لا یؤمنون (اعراف ع ۳)
اب یہ دیکھنا ہے کہ شیطان کیا وسوسہ ڈالتا ہے اور کیونکر شیطان
کے انکار کی وجہ تو اس کا تکبر ہے۔ (ابیٰ واستکبر) وہ کہتا ہے
(انا خیر منہ) کہ میں خلیفۃ اللہ سے اچھا ہوں۔ ءَ اَسجد
لمن خلقت طینا، (بنی اسرائیل ع ۷) کیا میں ایک خاک کے
پتلے کو سجدہ کروں؟ نسلِ آدم کو جس درخت کے قریب جانے سے منع
کیا گیا ہے وہ بھی انا اور استکبار کا درخت ہے۔ شیطان مرد اور
عورت دونوں کو شجرِ ممنوعہ کا پھل کھلانے کی یہ تدبیر کرتا ہے کہ انہیں
کہتا ہے، ھل ادلکم علیٰ شجرۃ الخلد و ملک لا یبلیٰ (سورہ
طٰہٰ ۷) ما نھٰکما ربکما عن ھٰذہ الشجرۃ الا ان
تکونا ملکین او تکونا من الخالدین ۰ وقاسمھما
انی لکما لمن الناصحین (اعراف ع ۲)
کہ میں تمہیں ہمیشگی کے درخت اور لازوال بادشاہت کا پتہ دیتا ہوں
تم کو اس درخت سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ
اور ہمیشہ کی زندگی نہ پا لو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں تمہارا

ہے۔ پہلے اس سے بھی اطاعت کی توقع تھی اور اسے بھی شامل ملائکہ رکھا گیا تھا، اس واسطے ہر ظہور میں خدا جب اطاعت کا حکم دیتا ہے سب کو ملائکہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے، اس وقت شیطان کوئی نہیں ہوتا، جسے علیحدہ حکم سجدہ کا دیا جائے، شیطان شیطنت کے ظہور سے وجود میں آتا ہے یعنی جب پیغمبر سے سرکشی اختیار کرتا ہے، شیطان بنتا ہے جس طرح ہر ظہور میں ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ آدم خلیفۃ اللہ کو سجدہ کرو اسی طرح ہر ظہور میں شیطان آدم ثانی کو وسوسہ اندازی بھی کرتا ہے یہ نہیں کہ شیطان نے کسی خاص ایک موقعہ پر ہی وسوسہ اندازی کا ہو۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطك المستقيم ثم لآتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اكثرهم شاكرين ۝ (اعراف)

کہ اے خدا چونکہ تو نے مجھے آدم کی وجہ سے ذلیل کیا ہے، میں اس کے سیدھے راستہ پر گھات لگا کر بیٹھوں گا، اس کے آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، دائیں اور بائیں سے آؤں گا اور اسے گمراہ کروں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائے گا۔

خدا نے متنبہ کیا:-

یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما سوآتهما (اعراف - ع ۳)

حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اس کا راستہ بتاتے ہیں، پکے عزم سے اٹھو، اپنے دین، اپنے رسول اپنے سلف صالحین کے ننگ و ناموس کے لئے اٹھو، اور ایک آواز ہو کر کہو کہ ہماری موجودہ شریعت اور ہمارے موجودہ طریقے ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ کبھی پرانے نہیں ہوتے کہ ان میں تبدیلی کی ضرورت ہو، ہمیشہ کی زندگی اور ابدی بادشاہت کا سرچشمہ یہی ہیں، نہ ہم ان کو چھوڑنا چاہتے ہیں، نہ تحریک جدید میں جذب ہو کر اپنی قومی زندگی کو مٹانا چاہتے ہیں، ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اس حضرہ کو مٹا کر زندہ رہیں گے۔ (ھل ادلکم علیٰ شجرۃ الخلد وملک لا یبلیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے مقابلہ پر اپنی موجودہ شریعتوں اور طریقوں کے لئے دوام کا دعویٰ کرنا اور ان کی بقا کے لئے پیغمبر سے جنگ آزما ہونے کا مشورہ یہی وہ وسوسہ ہے جو ہمیشہ شیطان ہر پیغمبر کے ظہور پر لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ جب لوگ شیطانی وسوسہ سے اپنے پرانے خیالات کی ابدیت اور دوام کے قائل ہو کر پیغمبر کو رد کر دیتے ہیں تو ننگے ہو جاتے ہیں یعنی ان کی پرانی سابقہ تعلیمیں ضرورت وقت کو پورا نہیں کر سکتیں اور وہ اپنے ہاں کمی محسوس کرنے لگتے ہیں، پھر تقاضائے حالات سے مجبور ہو کر اپنی اپنی کتاب کی توجیہ پیغمبر کی تعلیم اور مقتضائے زمانہ کی روشنی میں کرنے لگتے ہیں، اور اپنی مجلسوں یا قانون ساز مجلسوں سے پیغمبر وقت کی تعلیمات یا ان سے ملتی جلتی تعلیمات کو منظور کرا کر اپنے ہاں رائج کراتے ہیں، یہ ہوا پیغمبر کی پیش کردہ جنت سے نکل کر اور اس کے لباس تقویٰ کو رد کر کے پھر اسی کی جنت کے پتوں سے ننگے جسموں کو ڈھانپنا (بدت لھما سوآتھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ)، اہل مذاہب پیغمبر کے مقابلہ

خیر خواہی سے یہ کہہ رہا ہوں، میری ذاتی غرض کوئی نہیں،

دیکھئے: پیغمبر کی مخالفت کے قائد جو بڑے بڑے علماء ہوتے ہیں جنہیں لوگوں نے خدا کے دین کے اجارہ دار محافظ اور خدا کا نمائندہ مانا ہوا ہوتا ہے. ان کے وقار کو پیغمبر کے آنے سے ٹھیس پہنچتی ہے۔ اسے قبول کرنے میں ان کی بڑائی کا خاتمہ ہوتا ہے، جو انہیں ناگوار ہوتا ہے اس واسطے پیغمبر کے بالمقابل انا خیر منہ کا نعرہ یوں لگاتے ہیں، کہ ہمارا موجودہ مذہب تحریک جدید سے بہتر ہے؛ تحریک جدید کو ماننے کے معنی یہ ہیں، کہ ہم اپنے پہلے مذہب کو جو مسلّم طور پر خدا کی طرف سے ہے چھوڑ کر اس مدعی کے پیچھے ہو جائیں کہ جس کی ہمارے مقابل کوئی بھی حیثیت نہیں اسجدہ کریں - (ء اسجد لمن خلقت طینا) اپنے پیروؤں کو کہتے ہیں، رب کی طرف سے تمہاری تربیت پر مامور ہونے کا دعویٰ ایک ڈھونگ ہے، جو اس مدعی نے رچایا ہے کہ تم لوگ اس کے دعوے میں آ کر اس کی مخالفت نہ کرو اور وہ آسانی سے تمہیں تمہارے دین اور قومی روایات سے جو فخریہ ہیں اور زندگی کا سرچشمہ ہیں، برگشتہ کر کے تمہیں ہمیشہ کی زندگی پانے اور خدا کے مقرب (ملائکہ) بننے سے روک دے - (ما نہاکما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تكونا ملكين او تكونا من الخالدين) خدا جانتا ہے، ہم تمہاری خیر خواہی میں تمہیں اس خطرہ سے آگاہ کرتے ہیں، (وقاسمهما اني لكما لمن الناصحين) اگر اس شخص کے پاس کوئی خیر و خوبی ہوتی، تو ہم خود اسے قبول کرنے میں پیچھے نہ رہتے۔ لو کان خیرا ما سبقونا الیه (احقاف ع ۲) یہ تحریک تمہاری دینی اور قومی زندگی کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے، اگر زندہ رہنا چاہتے ہو اور ابدی بادشاہت

قیامت

ہر چیز کا قیام اس کے اضداد کے سبب سے ہے۔ جونہی کوئی چیز اپنے
سے محروم ہوئی، معدوم ہوگئی ... لیکن وہ حق ہی ہے جس سے دنیا و
ما فیہا کے پیدا ہونے کا ذکر قرآن میں ہے۔ قیامت قیام حق کا نام ہے
جس کے دم سے ہر شے کا وجود ہے، حق جس کے ذریعہ قائم ہوتا ہے،
اسے ہر شے کا صدر قیامت ہے۔ جیسا کہ ہم نے عمل میں دیکھتے ہیں
کہ قومیں جب حق کو چھوڑ کر باطل سے جڑ جاتی ہیں تو مر جاتی ہیں۔
جب کوئی قوم جان بلب ہوتی ہے تو بعض ایک پیغام کی روح پھونک کر
مرے سے زندہ کرنے آتا ہے۔ جو پیغام کو قبول کرتے ہیں دوبارہ زندہ ہو
جاتے ہیں۔ جو لوگ منہ پھیر لیتے ہیں وہ جیتے اور غفلت کی موت مر جاتے ہیں
اور ذلت و خواری کے جہنم میں جا پڑتے ہیں۔ جب ہم دنیا سے کوچ
کرتے ہیں اپنی جنت یا جہنم ساتھ لے جاتے ہیں۔ اسی طرح مومن اس جہان سے
جاتے ہوئے سچائی کی نعمت اور دولت ساتھ لے جاتے ہیں۔ قوموں کا
حساب کتاب، فیصلہ اور جنت جہنم میں داخلہ اسی دنیا میں پہنچ کے آنے
پر ہو جاتا ہے۔ یہ فیصلہ انسانی بات اگرچہ عجیب سی ہوتی ہے۔ حکم
جو ہم سنا رہے ہیں خدا کی طرف سے ہے۔ پس قیامت ہر جگہ ظہور پر قائم ہوتی
رہتی ہے۔ چنانچہ سورہ واقعہ کی آیات مذکورہ سے صاف ظاہر ہے، کہ

پر ، یہی اپنی شریعتوں کو کامل اور دائمی بتاتے ہیں ۔ اور جو ترمیم ان میں پیغمبر خدا کے حکم سے کرتا ہے ، اُسے پسند نہیں کرتے ۔ لیکن حالات سے مجبور ہو کر خود ہی ترمیمیں اور اصلاحیں کرنے لگتے ہیں ۔ بالفاظ دیگر خدا کو ترمیم اور اصلاح کے حق سے محروم ٹھہراتے ہیں ۔ پیغمبر کو رد کرتے ہیں ۔ لیکن خود پیغمبر بنتے ہیں ۔ اور خدا کی کتاب میں اصلاحات کرنے لگتے ہیں ۔ ان کا ایسی اصلاحات پر مجبور ہونا خدا کی فعلی شہادت ہوتی ہے ۔ کہ پیغمبر کی ضرورت فی الواقع زمانہ کو لاحق تھی ۔ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا (آل عمران ع ۹) ہر کسی کو چار و ناچار خدا کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے ۔

چھوڑ دیا، زیادتی کرنے اور نہ ماننے والے کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور آخرت کی
سزا اس سے زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

ان آیات میں بتایا ہے کہ خدا کی طرف سے ضرور ہدایت آتی رہے گی
اور جب جب خدا کا رسول "ناصح" بن کر آئے گا جو اس کی پیروی کرے گا، گمراہی
اور ناکامی سے بچ جائے گا، اور جو اس سے منہ پھیرے گا، روحانی رزق کی
اس کو تنگی رہے گی یہاں تک کہ یوم قیامت میں جب خدا کا پیغمبر سمجھا
رہا اس کو حق کا راستہ بہت سمجھا رہا ہوتا تھا، یہ حق کو دیکھنے سے اندھا ہو گا
جب ذلت و نکبت اسے آ گھیرے گی، تو یہ دل ہی دل میں کہے گا کہ اے خدا
آج تو نے مجھے ایسی حالت میں کیوں چھوڑ دیا ہے کہ مجھے کوئی راہ اپنی نجات
دکھائی نہیں دیتی، اس کا جواب دیا ہے کہ تجھ کو آیات سے اعراض ہی کی
نابینائی کا موجب ہوئی ہے۔ تو نے جب آیات اللہ سے آنکھ بند کر لی،
خدا نے تجھے اندھا پن کی حالت میں چھوڑ دیا، اور ابھی اندھا پن پر کیا رونا
ابھی آخرت میں اس سے بھی زیادہ سخت اور دیرپا عذاب ہے۔ اس
آخر پر ایک چیز کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت میں
اندھا محشور ہوتا ہے۔ جب وہ پوچھتا ہے کہ مجھے اندھا کیوں اٹھایا گیا
تو جواب ملتا ہے کہ یہ آیات اللہ سے اعراض کا نتیجہ ہے۔
اور ابھی آخرت میں اس سے زیادہ شدید عذاب ہے، گویا آخرت
میں اندھا ہونے کے بعد ہے۔ ان کی صفات یہ آیت بتاتی ہے۔ ہم نے ان کو اور
... دنیا کی زندگی میں ... ۔

... الخ ... جب اللہ نے ہم ...
علی الذین ... ہم نے ایسا ... والوں کو ...

جہنم میں داخلہ کے لئے کوئی ایک دن مقرر نہیں بلکہ ہر رسول کے آنے پر تازہ مکذب قوم جہنم میں داخل ہوتی ہے، جہاں سابقہ مکذب قومیں پہلے سے داخل شدہ موجود ہوتی ہیں۔ ان آیات کے آخر پر فرمایا ہے کہ جب مومن جنت میں داخل ہو چکے ہیں اور کافر جہنم میں، تو موذن پکارتا ہے کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ جو لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اگرچہ خط کشیدہ الفاظ کے جہاں میں جنت اور دوزخ میں داخلہ کے بعد پکارے جانے ہیں، لیکن اس وقت کے مناسب حال نہیں، اس وقت کون سے ظالم لوگوں کو اللہ کے راستے روک رہے ہوں گے اور آخرت کا انکار کر رہے ہوں گے، اور مثالیں ملاحظہ فرمائیے :-

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ (۱۱۸ - ع ۷)

جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے، تو جو اس کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا، نہ ناکام اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کو رزق کی تنگی رہے گی، اور ہم اس کو قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے وہ کہے گا، اے میرے رب! تو نے مجھے کیوں اندھا اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا، خدا کہے گا تیرے پاس ہماری آیات آئیں، تو نے ان کو چھوڑ دیا اور اسی طرح ہم نے نہیں

من سبيل وتراهم يعرضون
عليها خاشعين من الذل
ينظرون من طرف خفي و
قال الذين آمنوا ان الخاسرين
الذين خسروا انفسهم واهليهم
يوم القيامة الا ان الظالمين
في عذاب مقيم وما كان
لهم من اولياء ينصرونهم من
دون الله ومن يضلل الله
فما له من سبيل استجيبوا
لربكم من قبل ان ياتي يوم
لا مرد له من الله ما لكم
من ملجا يومئذ وما لكم من
نكير - (شورىٰ ۵)

اور تُو دیکھے گا جب وہ اس پر پیش کیے جائیں گے تو تُو
دیکھے گا کہ ذلت اور ڈر کی وجہ سے
آنکھ نہیں اٹھا سکتے
اور مومن کہیں گے کہ انہوں نے اپنے آپ
اور اپنے اہل کو قیامت کے دن میں نقصان
دیا۔ یاد رکھو کہ ظالم دیرپا عذاب میں
ہیں اور ان کے لئے کوئی دوست یا
مددگار نہیں جو انہیں خدا سے بچا سکے اور
جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لئے
کوئی راستہ نہیں۔ تم اپنے
رب کی خبر اور اطاعت کرو قبل اس کے
کہ وہ دن آئے جو ٹل نہیں
سکتا۔ اس دن نہ کوئی جائے پناہ ہے
اور نہ تم انکار کر سکتے ہو۔

جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور اپنی تفسیر
"بیان القرآن" میں ان آیات پر فرماتے ہیں۔
"یہاں جو نقشہ عذاب کا کھینچا ہے وہ قیامت پر بھی صادق آتا ہے۔
مگر اس سے بڑھ کر صفائی سے ان کی اس حالت پر صادق آتا ہے۔ جو اس دنیا میں
انہیں پیش آئی۔ ذلت کی وجہ سے عاجزی اختیار کرنا اور کمزور نگاہ سے دیکھنا ان
کی وہ حالت ہے۔ جو فتح مکہ کے بعد ظہور میں آئی"
ان آیات میں قیامت کا لفظ موجود ہے اور کچھ شک نہیں کہ [illegible]

الذین کفروا الیٰ یوم القیامة ثم الیّ مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیه تختلفون۔ فاما الذین کفروا فاعذبهم عذابا شدیدا فی الدنیا والآخرة (آل عمران ع ۶)

قیامت تک غالب رکھوں گا پھر تمہاری پیشی میرے حضور میں ہوگی، اور میں تمہارے اختلافات کا فیصلہ کروں گا۔ پھر جو منکر ہیں ان کو دنیا و آخرت دونوں میں سخت عذاب دوں گا۔

حضرت عیسیٰ سے وعدہ فرمایا ہے کہ تیرے پیروؤں کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ پھر تیرے پیروؤں کی میرے حضور پیشی ہوگی اور جو اختلافات انہوں نے پیدا کر رکھے ہوں گے ان کا قیامت میں فیصلہ کروں گا۔ پھر جو اس فیصلہ کا انکار کرے گا۔ اسے دنیا اور آخرت دونوں میں سخت عذاب دوں گا۔ قیامت میں فیصلہ ہونا ہے اور پھر اس فیصلہ کو نہیں ماننا، دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کا وعدہ دیا ہو تو ثابت ہوگا یہ قیامت کے [illegible] بھی دنیا ہی میں ہے۔ یہ قیامت جس میں عیسائیوں کا خدا کے حضور رجوع اور [illegible] ہوا، ظہور محمدی ہے۔ جب عیسائیوں نے اختلافات پیدا کر رکھے تھے اور ان کی [illegible] پوری ہو گئی، تو حضرت محمد رسول اللہ نے نمائندہ خدا کی حیثیت سے ان کا فیصلہ کیا۔ یہاں آنحضرت کے ظہور کو عیسائی قوم کی قیامت قرار دیا ہے۔ اور آنحضرت کے فیصلہ کو خدا کا فیصلہ جو عیسائیوں کی قیامت کے روز صادر ہوتا ہے۔ جو اس فیصلہ کا انکار کرتا ہے اسے دنیا اور آخرت دونوں میں سخت عذاب کا وعدہ ہے۔

وترى الظالمين لما رأوا العذاب يقولون هل الى مرد

جب ظالم عذاب کو دیکھیں گے، تو اپنے یہ کہتے پائے جائیں گے کیا کسی طرح یہ عذاب

اُسے ٹالا نہیں جا سکے گا، چنانچہ جب وہ وقت آگیا، اُسے کوئی روک نہ سکا۔ اگر ساعۃ فتح مکہ کے روز قائم ہو گئی۔ تو اس میں کچھ تعجب نہیں بلکہ اگر قائم نہ ہوتی تو سخت تعجب ہوتا، کیونکہ خدا نے قرآن میں بار بار انہیں بتایا تھا کہ تمہارے حساب و کتاب کا وقت اور تباہی کی گھڑی بہت قریب ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ذیل۔

اقترب للناس حسابہم و ہم فی غفلۃ معرضون (انبیاء ع ۱)

لوگوں کا حساب قریب آگیا اور وہ غفلت میں روگرداں ہیں۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر (قمر ع ۱)

ساعت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

فہل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیہم بغتۃ فقد جاء اشراطہا (محمد ع ۲)

کیا یہ اس انتظار میں ہیں کہ ان کی ہلاکت کی گھڑی اچانک آ جائے تو اس کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں،

وما امر الساعۃ الا کلمح البصر او ہو اقرب (نحل ع ۱۱)

ساعۃ کا معاملہ آنکھ کی ایک جھپک کی طرح ہے یا اس سے بھی قریب۔

چاند عربوں کی طاقت و حکومت کا نشان ہے، انہیں بتایا گیا تھا کہ چاند کا پھٹنا تمہاری تباہی کا پیش خیمہ ہے جو تمہارے سر پر کھڑی ہے چنانچہ وہ گھڑی (ساعۃ) فتح مکہ کے روز آگئی۔ اور یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی، ہر پیغمبر کے ظہور پر اس کے مخالفوں کی ساعۃ اسی دنیا میں آتی رہی، چنانچہ

نقشہ مخالفوں کی اس حالت کو کھینچا ہے، جو قیامت میں انہیں پیش آ[نے]
والی تھی، اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ نقشہ ان کی اس حالت پر جو
مکہ کے روز انہیں پیش آئی صادق آتا ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ
تو قضائے عالم کے بعد قائم ہونے والی قیامت کا نقشہ کھینچے اور وہ نقشہ
سے پہلے کرنا تھا ہے اسی دنیا میں فتح مکہ کے روز پیش آ جائے۔ اس کے
معنی یہ ہوئے کہ جو غرض قیامت سے تھی وہ بطور تتمہ احسن فتح کے
روز اتفاقاً پوری ہو گئی، جب وہ غرض بطور احسن فتح مکہ کے
اتفاقاً پوری ہو گئی ....

جانے غور ہے کہ اب قضائے عالم کے بعد کی گذشتہ درجہ کی قیامت کیوں اور
کس غرض سے قائم ہو گی؟ اصل بات یہ ہے کہ خدا نے نقشہ کھینچا
ہی فتح مکہ کے دن کا تھا، اسی دن کا نام حق کے قائم ہونے کے لحاظ سے
اور مخالفوں کی تباہی کے لحاظ سے یوم الفصل یا ساعۃ اور دوسری جگہ اسی کا نام یوم الفتح
بھی رکھا ہے "ویقولون متی ھذا الفتح ان کنتم صادقین، قل یوم الفتح
لا ینفع الذین کفروا ایمانہم ولا ہم ینظرون" (سجدہ ع ۲)
پوچھتے ہیں کہ فتح یعنی فیصلہ کا دن کب آئے گا۔ سو کہہ دے کہ
فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان کچھ نفع نہیں دے گا، اور
انہیں ڈھیل دی جائے گی، ہر چیز کی ایک حد ہے، فرعون کو
عرصہ تک ایمان کے لئے ترغیب و ترہیب دلائی جاتی رہی۔ لیکن
جب اس کی ہلاکت کا وقت آ گیا اس کا ایمان اس کے کام نہ آیا
اسی طرح بار بار مخالفین رسول اللہ کو سمجھایا جاتا رہا۔ کہ ہلاکت کے
لئے جلدی نہ کرو اور بات کو سوچا کرو مگر جب وہ وقت آئے

گئی، جنہوں نے ظلم کیا ہے سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے
ان آیات میں ساعۃ کے معنی بیان کئے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سابقہ زمانوں میں
رسولوں کے بھیجنے پر خدا لوگوں کو عذاب میں گرفتار کرتا رہا، تاکہ وہ سرکشی سے باز
آئیں، لیکن جب وہ باز نہ آئے اور انہوں نے انتباہ کی پرواہ نہ کی، تو خدا نے
ان پر آسائش کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی فرحت (خوشحالی) پر اترانے
لگے، تو اچانک عذاب میں گرفتار ہو گئے، اور ظالموں کی جڑ کاٹ دی۔ ساعۃ میں اور عذاب
میں یہ فرق ہے کہ عذاب وہ ہے جو وہ پہلے زمانے میں خدا کی طرف متوجہ کرنے کے لئے
آتا ہے اور ساعۃ وہ آخری گرفت ہے جس سے ظالموں کا بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ اور
یہ دونوں قسم کے عذاب پے در پے آیات مذکورہ بالا میں بیان ہو رہے ہیں۔ جیسے کہ
حضرت نوح کی قوم کے متعلق فرمایا ہے۔ مما خطیئاتھم اغرقوا فادخلوا
نارا۔ کہ اپنی خطاکاریوں کے باعث غرق کئے گئے اور آگ میں داخل کئے گئے
یہ نہیں کہ فنا کے عالم کے بعد آگ میں داخل ہوئے، بلکہ جب غرق ہوئے اسی
وقت داخل ہو گئے۔ یہ قوم نوح کی ساعۃ تھی۔ سورہ ہود میں اس کا نام
عذاب یوم الیم۔ عذاب مقیم لا عاصم الیوم من
امر اللہ مذکور ہیں، یعنی دردناک دن کا عذاب، ٹھہرا ہوا عذاب، وہ دن جس
میں اللہ کے عذاب سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔

اسی طرح قوم ہود کی ساعۃ کے نام عذاب غلیظ اور عذاب یوم عظیم
ہیں۔ قوم لوط کی ساعۃ کے نام عذاب غیر مردود۔ یوم عصیب اور
عذاب یوم عظیم ہیں۔ قوم صالح کی ساعۃ کے نام عذاب قریب، وعد
غیر مکذوب۔ عذاب یوم عظیم اور رجفہ ہیں۔ قوم شعیب کی
کی ساعۃ کے نام عذاب یوم محیط اور صیحہ ہیں (دیکھو سورہ ہود، اعراف

فرماتا ہے۔
قل ارأيتكم ان اتاكم عذاب
الله او اتتكم الساعة اغير الله
تدعون ان كنتم صادقين ۔
بل اياه تدعون فيكشف ما
تدعون اليه ان شاء و
تنسون ما تشركون ۔ ولقد
ارسلنا الى امم من قبلك
فاخذناهم بالبأساء والضراء
لعلهم يتضرعون فلولا اذ
جاءهم بأسنا تضرعوا و
لكن قست قلوبهم وزين
لهم الشيطان ما كانوا
يعملون فلما نسوا ما
ذكروا به فتحنا عليهم ابواب
كل شيء حتى اذا فرحوا بما
اوتوا اخذناهم بغتة
فاذا هم مبلسون فقطع
دابر القوم الذين ظلموا
والحمد لله رب العالمين
(انعام - ۴۵)

کیا تم نے غور کیا ہے، اگر خدا کی طرف
سے عذاب یا قیامت کی گھڑی
(ساعت) آجائے تو سچ بتاؤ کہ کیا اس
وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے
ہو؟ وہ اگر چاہے تو تمہاری اس
تکلیف کو دور کر دیتا ہے، جس کی
وجہ سے تم اسے پکارتے ہو، اس
وقت تم شرک بالکل بھول جاتے
ہو۔ ہم نے تجھ سے پہلی قوموں میں
رسول بھیجے، تو ہم نے ان کو دکھ اور
تنگی میں مبتلا کیا، تاکہ وہ عاجزی
کریں۔ کاش عذاب آنے پر وہ عاجزی
کرتے، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔
اور شیطان نے ان کے کام ان کی نظر
میں خوبصورت کر کے دکھائے۔ جب
وہ سب ہی نصیحتوں کو بھول گئے، تو
ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے
کھول دیئے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے
جو انہیں دیا گیا، خوش رہنے لگے۔ تو ہم
نے ان کو اچانک آلیا۔ تو وہ مایوس
ہو گئے۔ اس طرح اس قوم کی جڑ کٹ

فلاں کی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، جیسے کہ اہل امم کے ضمن میں متعدد آیات سے دکھایا جا چکا ہے۔ تو پھر وہ کونسا فیصلہ باقی ہے، جو فنائے عالم کے بعد کی مفروضہ قیامت میں ہونا ہے۔ پیغمبر کے مخالفوں کی تباہی اور پیغمبر کی کامیابی کا دن جو اسی دنیا میں آجاتا ہے، وہی یوم الدین اور یوم الفصل بھی ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا ہے

(ا) فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذا ھم ینظرون وقالوا یا ویلنا ھذا یوم الدین ھذا یوم الفصل الذی کنتم بہٖ تکذبون ۝
(صافات ع ۱)

ایک ہی ڈانٹ سے انہیں نظر آنے لگے گا اور کہیں گے، افسوس یہ تو جزا و سزا اور فیصلہ کا دن ہے، جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

(ب) وما انزلنا علی قومہ من بعدہ من جند من السماء وما کنا منزلین ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم خامدون۔
(یٰس ع ۲)

اور ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں، وہ فقط ایک چیخ تھی، جس سے ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔

(ج) ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین ۝ ما ینظرون الا صیحۃ

کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو عذاب جس کا وعدہ دیتے ہو، کیوں نہیں آتا۔ یہ صرف ایک چیخ کا انتظار رہے ہیں

(الشعراء)

ان ناموں کا ذکر میں نے اس لئے کیا ہے کہ عام طور پر یہ تمام قیامت کے نیچے جاتے ہیں، جو فنائے عالم کے بعد مانی جاتی ہے، حالانکہ بروئے قرآن ان ناموں والی قیامت اسی دنیا میں کئی بار قائم ہو چکی ہے۔

ان ربك ليحكم بينهم يوم القيمة فيما كانوا فيه يختلفون ۝ (نحل ع ۱۰)	تیرا رب انکے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن میں کرتا ہے

اس آیت میں یحکم پر لام تاکید ہے، اور مضارع پر جب لام تاکید آتا ہے، تو اسے حال کے لئے خاص کر دیتا ہے۔ جیسے انی لیحزننی ان تذھبوا بہ (یوسف ع ۲) اس لئے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ فنائے عالم کے بعد اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ اللہ ظہور محمدی میں جو قیامت کا دن ہے، فیصلہ کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ آیۂ کریمہ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین لیحکم بین الناس فیما اختلفوا پہلے آ چکی ہے۔ جو قاعدہ کلیہ کے طور پر بتاتی ہے کہ خدا نبیوں کو اسی غرض سے مبعوث کرتا ہے، کہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ اسی دنیا میں کر دے۔ جب ایک طرف فیصلہ قیامت میں ہوتا ہے، اور دوسری طرف فیصلہ اسی دنیا میں رسول کے ذریعہ ہو جاتا ہے، تو اس سے پایا گیا کہ قیامت وہی وقت ہے کہ جب رسول ظاہر ہو کر خدا کا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ فیصلہ جب اسی دنیا میں پیغمبر کے ظہور پر ہو جاتا ہے، بلکہ نافذ بھی ہو جاتا ہے، مکذب ذلت وہلاکت کے جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں، اور مومن دینی اور دنیوی

حاضر ہوں گے، تو انہیں کہا گیا کہ یہ جزا و سزا کا روز ہے، جس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہیں ہوگا؛ چونکہ ان آیات میں مردوں کے قبروں سے اُٹھنے کا ذکر ہے، ہمارے مفسر مردوں کے زندہ ہونے سے جو الہامی کتابوں کا منشا ہے، اُسے معلوم کرنے کی کوشش کئے بغیر اپنے خیال کے تابع ان آیات کو فنائے عالم کے بعد مزعومہ قیامت پر لگاتے ہیں۔ جس میں وہ سمجھتے ہیں کہ قبریں کھلیں گی اور مردے اپنے پرانے عنصری جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ مردوں کے زندہ ہونے کا بیان آگے آتے گا۔

سردست میں ناظرین کرام کی توجہ آیت (ب) کی طرف دلانا چاہتا ہوں جس میں یہ ہی الفاظ ہیں جو اس آیت میں ہیں۔ (ان کانت الا صیحۃ واحدۃ) سابقہ زمانہ میں کسی مکذب قوم کے ہلاک ہونے کا ذکر کیا ہے، اور اس ذکر سے مدعا آنحضرتؐ کے مخالفوں سے جو سلوک ہونے والا تھا، اُسے سابقہ مثال سے واضح کرنا تھا۔ یہ مسلم ہے کہ آیت ب، والی صیحۃ سابقہ زمانہ میں اسی دنیا کے اندر واقع ہو گئی۔ جس سے مکذب قوم ہلاک ہو گئی؛ نہ یہ کہ فنائے عالم کے بعد واقع ہو گی جب زمین کی قبروں سے مردے برآمد ہوں گے، جب اس کو اس صیحہ کے لئے جو آنحضرتؐ کے مخالفوں پر واقع ہونے والی تھی، بطور مثال بیان کیا گیا تو ہمارا فرض ہے کہ یہاں اس صیحہ میں بھی آنحضرتؐ کے مخالفوں کی اسی دنیا میں ہلاکت مراد لیں، نہ کہ فنائے عالم کے بعد جسمانی طور پر مردوں کا قبروں سے نکلنا۔

آیت ج کے آخر پر بتایا ہے کہ وہی دن جس میں یہ چیخ واقع ہوئی روز جزا و سزا ہے، جس چیز کو آیت ج میں ایک چیخ کہا ہے، اُسی کو آیۃ الف میں ایک ڈانٹ کہا ہے۔ جیسے آیت ج میں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

واحدة تأخذهم وهم
يخصمون۔ فلا يستطيعون
توصية ولا إلى أهلهم يرجعون
ونفخ في الصور فإذا هم من
الأجداث إلى ربهم ينسلون
قالوا يا ويلنا من بعثنا من
مرقدنا هذا ما وعد الرحمن
وصدق المرسلون، إن كانت
إلا صيحة واحدة فإذا هم
جميع لدينا محضرون فاليوم
لا تظلم نفس شيئا ولا
تجزون إلا ما كنتم تعملون
(یٰس - ع ۳-۴)

جو ان کو آ پکڑے گی، جب کہ یہ جھگڑ رہے
ہوں، اور وصیت کرنے یا اپنے اہل
کی طرف لوٹنے کی فرصت نہ پائیں گے
اور بگل بجایا گیا تو وہ فوراً اپنی
قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف
بھاگنے لگے۔ انہوں نے کہا، افسوس
ہم کو قبروں سے کس نے اٹھایا یہ تو
وہی ہے جس کا رحمان نے وعدہ
کیا تھا۔ رسولوں کی بات سچ نکل آئی
نہ تھی وہ مگر ایک چیخ، جس سے وہ
آن کی آن میں سب ہمارے پاس حاضر
ہو گئے۔ آج کے دن کسی پر کچھ ظلم
نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں صرف تمہارے
اپنے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔

آنحضرتؐ کے مخالف جس وعید کا انتظار کرتے تھے، اور بار بار پوچھتے تھے کہ وہ کب آئے گی، اُسے آیات ۴۹ میں صیحۃ واحدۃ (ایک چیخ) کہا ہے۔ آگے اس کا واقعہ ہونا بیان کیا ہے، کہ رب کے حضور پیش کئے [illegible] بگل بجایا گیا۔ پس وہ قبروں سے اٹھ کر بیٹھے ہوئے رب کے حضور بھاگنے لگے کہ ہائے افسوس یہ تو وہی حالت پیش آئی جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا، اور بتلا بھی دیا ہے کہ یہی نرسنگا (بگل) وہ ایک چیخ تھی جس کے واقع ہوتے ہی آن کی آن میں وہ سب خدا کے حضور حاضر ہو گئے۔ آگے فرمایا کہ جب وہ

اور زندے سے مردہ نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے، بے حساب دیتا ہے۔ (آل عمران ع ٣)

پہلی آیت میں کافر کو صاف طور پر مردہ کہا ہے اور ایمان لانے کو زندہ ہونا جب ایک کافر ایمان لاتا ہے، تو خدا کہتا ہے کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ دوسری آیت میں قومی حیات اور موت کا بیان کیا ہے، یعنی جو قوم برسر اقتدار ہے اس کے ذلیل ہو جانے کا نام اس کی موت رکھا ہے، اور ذلیل قوم کے برسر اقتدار آنے کو مردہ قوم کا زندہ ہونا کہا ہے۔

٣- وقالوا أإذا كنا عظاماً و رفاتاً أإنا لمبعوثون خلقاً جديداً اولم يروا ان الله الذي خلق السموات والارض قادر على ان يخلق مثلهم وجعل لهم اجلاً لا ريب فيه فابى الظالمون الا كفوراً۔ (بنی اسرائیل ع ١١)

وہ کہتے ہیں کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے، تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے۔ کیا ان کو پتہ نہیں کہ جس خدا نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا، وہ ان جیسوں کو پیدا کر سکتا ہے، خدا نے ان کی ایک میعاد رکھی ہے، جس میں کوئی شک نہیں، مگر ظالموں کے حصہ میں صرف ناشکرگذاری ہے۔

جب وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا ہماری بوسیدہ ہڈیوں کو پھر زندہ کیا جائے گا تو جواب میں یہ نہیں کہا گیا، بلکہ یہ کہا ہے کہ تمہاری ہلاکت کا وقت مقرر ہے۔ تم تباہ ہو جاؤ گے، خدا تم جیسے اور پیدا کرے گا، یہ ان جیسی اور مخلوق کون ہے؟ یہی خلق جدید۔ مسلمان قوم ہے، جو مردوں کے زندہ ہونے سے پھر دنیا میں آئی اور سب پر کیونکر چھا گئے اور زندہ

ہم پر افسوس یہ تو وہی وقت آگیا جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا۔ اسی طرح آیت دین ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر افسوس یہ تو یوم الدین یعنی جزا و سزا کا روز اور یوم الفصل یعنی فیصلہ کا دن ہے۔ پس ان لوگوں کے فیصلہ اور جزا و سزا کا روز بھی فتح مکہ کا روز ہی تھا۔

مردوں کا زندہ ہونا

قرآن میں ہے :-

(۱) اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمات لیس بخارج منها کذلک زین للکافرین ما کانوا یعملون (انعام - پ ۸)

کیا وہ جو مردہ تھا۔ پس ہم نے اُسے زندہ کیا اور اس کے لئے نور بنایا۔ جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ اس کے برابر ہے؟ جو تاریکیوں میں پڑا ہے اور ان سے نکل نہیں سکتا۔ اسی طرح کافروں کے عمل ان کے لئے خوبصورت بنائے گئے۔

(۲) قل اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر ۰ تولج اللیل فی النهار وتولج النهار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر

کہہ کہ اے اللہ تو بادشاہت کا مالک ہے۔ جسے چاہتا ہے بادشاہت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور مردہ سے زندہ

ويأتيه الموت من كل مكان
وما هو بميت ومن ورائه
عذاب غليظ۔ مثل الذين
كفروا كرماد اشتدت به
الريح في يوم عاصف۔
لا يقدرون مما كسبوا على شيء
ذلك هو الضلال البعيد۔
ألم تر أن الله خلق السموات
والأرض بالحق إن يشأ
يذهبكم ويأت
بخلق جديد

(ابراہیم ع)

اور مشکل سے اُسے گلے سے اتارے گا۔ ہر طرف سے اُسے موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں اور سامنے اس کے سخت عذاب ہوگا۔ کافروں کے اعمال کی شان اس راکھ کی طرح ہے جسے آندھی کے دن تیز ہوا اُڑا لے گئی۔ یعنی ان کی کوششیں رائگاں جائیں گی۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا نے زمین و آسمان کو حق و حکمت سے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے۔ اور نئی مخلوق لے آئے۔

ان آیات میں فرمایا ہے کہ جیسے خدا سابقہ زمانوں میں ظالموں کو ہلاک کرکے پیغمبروں کے پیروؤں کو ان کے جانشین بناتا رہا۔ اسی طرح زمانۂ نزولِ قرآن میں ہوگا۔ موجودات کا وجود حق سے ہے، اور حق ظالموں کے ہاتھوں برباد نہیں ہو سکتا۔ اگر ظالم باز نہ آئے۔ تو خدا انہیں لے جائے گا۔ اور نئی مخلوق ان کی جگہ لے آئے گا۔ کہاں لے جائے گا؟ جہنم جو ان کے سامنے انتظار میں کھڑی ہے۔ اس کی نذر کر دے گا۔ ان کی مخالفانہ کوششیں اس طرح اُڑ جائیں گی جیسے تیز آندھی کے سامنے راکھ، اور ناکامی و حسرت کی موت ہر آن اُن پر آئے گی۔ اور وہ مریں گے بھی نہیں

کیونکر ہوئے؟ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کافر مردہ ہوتا ہے، جب ایمان لاتا ہے زندہ ہو جاتا ہے۔

تو خدا نے فنائے عالم کے بعد مردے زندہ کرنے کا وعدہ نہیں کیا، بلکہ اسی وقت انہیں میں سے ان کی آنکھوں کے سامنے کافروں کو جو مردہ تھے، نورِ ایمان سے زندہ کرنے کا وعدہ کیا اور وہ وعدہ اسی وقت پورا بھی کر دیا اچھی طرح غور کرکے دیکھو تو کافروں کو بجائے زندہ کرنے کے ہلاکت کا وعدہ دیا ہے: ہاں ان میں سے جو ایمان لائیں انہیں ہلاک شدہ قوم کا جانشین بنانے کا وعدہ کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی پورا کر دیا گیا۔ اس مفہوم کو بنی اسرائیل کی مثال سے بھی جو ساتھ ہی آگے آتی ہے واضح کر دیا ہے۔ فاذا جاء وعد الآخرۃ جئنا بکم لفیفا کہ جب ان کا وقت آگیا، ہم نے ان کی صف کو لپیٹ دیا۔

(۱۴) فاوحی الیہم ربہم	خدا نے ان کو وحی کی کہ میں ظالموں
لنہلکن الظالمین ولـ	کو ہلاک کر ڈالوں گا، اور تم کو زمین
نسکننکم الارض من	میں آباد کروں گا۔ یہ انعام اس کے
بعدہم ذلک لمن خاف	لئے ہے جو میرے حضور جواب دہی
مقامی وخاف وعید۔	اور میری دھمکی سے ڈرتا ہے۔ اور
واستفتحوا وخاب کل جبار	انہوں نے فیصلہ چاہا۔ اور ہر ظالم سرکش
عنید من ورائہ جہنم	ناکام ہوئے ہیں، اس کے سامنے جہنم ہے
ویسقی من ماء صدید	اور وہ گندہ پانی پلایا جائے گا۔
یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ	گھونٹ گھونٹ کرکے پئے گا۔

زندہ ہونا چاہئے نہیں، ظاہر ہے کہ کسی ہلاک شدہ بستی کے نظارہ میں مردوں کے زمانۂ عالم کے بعد بھی اُٹھنے پر کوئی دلیل نہیں۔ کہ یہ کہا جائے کہ یہ لوگ ہلاک شدہ بستی کو دیکھنے کے باوجود قیامت فرموصہ میں مُردوں کے بھی اُٹھنے کو نہیں مانتے؛ ظاہری طور پر مُردوں کے جی اُٹھنے پر ایک ہلاک شدہ بستی کا زندہ ہونے دیکھنا تو دلیل ہو سکتا ہے۔ لیکن محض ایک بستی کی ہلاکت کا نظارہ مردوں کے جی اُٹھنے پر کوئی دلیل بھی نہیں بنتی تھا۔ اس نظارہ سے اگر کوئی دلیل پیدا ہوتی ہے تو یہ پیدا ہوتی ہے کہ اگر ان لوگوں نے اپنا رویہ نہ بدلا۔ تو یہ بھی اسی بستی کی طرح ہلاک ہو جائیں گے اور یہی مراد ہے۔ جیسے کہ فرمایا کہ یہ لوگ زندگی کے نہیں ہلاکت کے منتظر ہیں، ورنہ اگر زندگی کے خواہاں ہوتے تو ہلاکت سے بچ سکتے تھے۔ اور زندگی پا سکتے تھے۔ چنانچہ آخری الفاظ میں ان کی ہلاکت کی پیش گوئی بھی کر دی ہے۔

۱۳ اَمَّن یَّھدِیکُم فِی ظُلُمٰتِ البَرِّ وَالبَحرِ وَمَن یُّرسِلُ الرِّیٰحَ بُشرًا بَینَ یَدَی رَحمَتِہٖ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشرِکُونَ - اَمَّن یَّبدَؤُا الخَلقَ ثُمَّ یُعِیدُہٗ وَمَن یَّرزُقُکُم مِّنَ السَّمَآءِ وَالاَرضِ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قُل ھَاتُوا بُرھَانَکُم اِن کُنتُم صٰدِقِینَ - قُل لَّا یَعلَمُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ

کون ہے جو خشکی و تری کی تاریکیوں میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے۔ اور کون اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو بطور خوشخبری بھیجتا ہے۔ کیا کوئی معبود اللہ کے سوا ہے؟ اللہ کی شان اس سے بالا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔ بھلا بتاؤ، تو خلق کو پیدا کون کرتا ہے، اور واپس کون بلاتا ہے اور تم کو زمین و آسمان سے رزق کون دیتا ہے

نئی مخلوق کرنی ہے۔ (مسلمان قوم) ان آیات میں خلق جدید یا مردہ زندہ ہونے کے معنی یہ بتائے ہیں کہ ظالموں کو ہلاک کرکے پیغمبر کے پیروؤں کو زمین میں بسا دوں گا۔ یعنی انہیں استحکام و تمکنت بخشوں گا۔ اور ان کے مخالفین کو ذلیل و خوار کردوں گا۔ جہاں جہنم کی کیفیت بھی بیان کردی ہے کہ وہ تنگی اور عذاب کی زندگی ہے، جو موت سے بدتر ہے۔ بد حال انسان پر ناکامی و حسرت کی موت آتی رہتی ہے، لیکن اس کی جان بھی نہیں نکلتی جان نہ نکلنے کا یہ مطلب نہیں کہ مرتا ہی نہیں، مطلب یہ ہے کہ زندگی بھر ذلت و حسرت سے نجات نہیں ملتی اور موت پر بھی چونکہ جہنم سا تھ ہی چلی جاتی ہے، تو وہاں بھی چھٹکارا نہیں ہوتا۔

(۵) ولقد اتوا علی القریۃ التی امطرت مطر السوء افلم یکونوا یرونہا بل کانوا لا یرجون نشورا ..... وسوف یعلمون حین یرون العذاب من اضل سبیلا۔ (فرقان ع۴)

اور یہ لوگ اس بستی سے گزرتے رہے ہیں، جس پر عذاب کی بارش برسائی گئی، کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہے؟ بلکہ دوبارہ جی اٹھنے کی امید نہیں رکھتے .... اور وہ ضرور جان لیں گے، جب عذاب دیکھیں گے، کہ گمراہ کون تھے۔

یہ آیت دوبارہ جی اٹھنے (نشور) کی کیفیت کو خوب واضح کرتی ہے پہلے کہا کہ یہ لوگ اس بستی سے گزرتے رہے ہیں، جسے ہلاک کیا گیا، تو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہے؟ دیکھتے تو رہے ہیں۔ اور اگر وہ چاہتے تو اس بستی کے بد انجام سے عبرت حاصل کرکے اپنی بدکرداری و بدحالی کی موت سے چھٹکارا پاکر از سرِ نو زندگی حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ مردہ

غیب کی خبر ہے جس کا سوائے خدا کے کسی کو علم تک نہیں۔ مشرکانے دونوں کو زندہ کیا کرتا ہے۔ ان کو یہ بھی سوجھ نہیں کہ وہ خود کب اٹھائے جائیں گے روحانی زندگی یہ دوسری زندگی ان کی علمی دسترس سے باہر ہے۔ بلکہ وہ اس کے وجود سے ہی شک میں ہیں۔ اور اس کی طرف سے اندھے ہیں۔ اس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ زندگی سے فقط جسمانی و حیوانی زندگی ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دوسری (روحانی) زندگی کے ذکر پر حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں گے۔ تو ہم پھر زندہ کئے جائیں گے۔ یا پھر کہتے ہیں ایسا وعدہ ہم سے پہلے ہمارے آباء سے بھی ہوتا رہا۔ لیکن پورا کبھی نہیں ہوا۔ یہ پرانی کہانیاں ہیں۔ ان سے کہو کہ زمین پر پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔ جو وعدہ ہو کیا جاتا رہا یا اب کیا جاتا ہے۔ وہ یہ تھا اور یہی ہے کہ اگرچہ تم ایک حیوان کی حیثیت سے زندہ ہو۔ انسانیت تمہارے اندر سے مر چکی ہے یا تم دوسری ہی بار اس وقت سے اپنے اندر نئے سرے سے انسانی و اخلاقی زندگی پیدا کرو یا تم کو مٹا دیا جائے گا۔ تاکہ تم زندگی کے خواہشمندوں کی راہ میں روک نہ بنو۔ سو تم زمین پر سفر کر کے دیکھ سکتے ہو کہ سابقہ قوموں میں جنہوں نے روحانی زندگی پانے سے انکار کر دیا۔ حسب وعدہ ان کو مٹا دیا گیا اور یہی حال تمہارا ہوگا۔

اگر یہ تشریح قبول نہ کی جائے۔ اور کہا جائے کہ فی الواقع جو لوگ جسمانی طور مر گئے ہیں وہ زندہ کئے جائیں گے۔ تو کفار کا یہ کہنا صحیح ٹھہرے گا کہ "یہ وعدہ ہمیشہ ہوتا رہا۔ لیکن پورا کبھی نہیں ہوا"۔ اس قول کا یہ کوئی جواب نہیں کہ "چل پھر کر دیکھو۔ مجرموں کا کیا انجام ہوا"؟ جواب تو یہ ہونا چاہیے کہ فلاں فلاں جگہ دیکھ لو۔ مردوں کے ظاہری قبروں سے زندہ نکل کھڑے

الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون بل ادّٰرک علمہم فی الاخرۃ بل ہم فی شک منہا بل ہم منہا عمون وقال الذین کفروا ءاذا کنا ترابا وآباؤنا ائنا لمخرجون لقد وعدنا ہذا نحن وآباؤنا من قبل ان ہذا الا اساطیر الاولین قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المجرمین (نمل ع ۵-۶)

کہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے! کہہ اگر تم سچے ہو تو ثبوت پیش کرو۔ کہہ کہ زمین و آسمان میں سوائے اللہ کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ دوسری زندگی ان کی علمی دسترس سے باہر ہے۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔ کافر کہتے ہیں کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہوں گے تو کیا ہم نکال کھڑے کئے جائیں گے، ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو اس کا وعدہ دیا جاتا رہا ہے، یہ صرف پرانی داستانیں ہیں کہہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟

مطلب یہ ہے کہ خدا نے تاریکیوں میں حیران اور حق کے پانی کے بغیر پیاسی ہوئی مخلوق کو نئے سرے سے زندہ کرنے اور جسمانی اور روحانی رزق دینے کا انتظام فرمایا ہے۔ جب مرتی ہوئی مخلوق کو از سر نو زندہ کرنے میں خدا کا قدم بٹانے والا کوئی نہیں تو استحقاق عبادت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے؟ اگر مشرک اپنے دعوی میں سچے ہیں تو خلق جدید کے کام میں شرکا کا حصہ دکھائیں۔ یہ بات کہ مخلوق از سر نو زندہ ہونے والی ہے، اس دستا

تو عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ کیا ہم پہلی خلق سے تھک گئے ہیں، نہیں، بلکہ یہ لوگ خلق جدید کے بارہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

کافر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے؟ پھر زندہ کئے جائیں گے؟ جواب ملتا ہے کہ یہ لوگ سچائی کو جھٹلاتے ہیں اور غلط بحث کر رہے ہیں وہ زندگی جو مرنے پر جزو زمین بن جاتی ہے ہم اس کا ذکر نہیں کرتے ہم اس زندگی کا ذکر کرتے ہیں جس کا مادہ ہماری کتاب میں محفوظ ہے، آگے اس کی مثال بیان فرماتی ہے کہ جیسے ظاہری بارش سے ظاہری حیات کا سامان بہم پہنچتا ہے، اسی طرح روحانی بارش سے جو وحی الہی ہے، اخلاقی اور روحانی حیات کا سامان پیدا ہوتا ہے، پھر اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے مختلف اقوام کی مثالیں دی ہیں کہ انہیں بھی ہم نے کہا تھا کہ اے مردو! زندہ ہو جاؤ۔ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور وحی الہی کے پانی سے زندہ ہونے سے انکار کر دیا۔ تو عذاب کا وعدہ پورا ہو گیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سابقہ زمانوں میں جو عذاب کی دھمکی پوری ہوئی، وہ مخالفین پیغمبر کی تباہی تھی۔ نہ کہ ان کا زمینی قبروں سے نکل کھڑا ہونا۔ دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے مخالفوں کے سامنے کیا چیز پیش کی گئی تھی، جسے انہوں نے جھٹلایا۔ آیا انہیں یہ کہا گیا تھا کہ تم مرنے کے بعد زمینی قبروں سے نکال کھڑے کئے جاؤ گے۔ یا یہ کہ تم اخلاقی طور سے مردے ہو، پیغمبر کی تعلیم سے زندہ ہو جاؤ؟ اگر پہلی بات کہی گئی تھی، تو سابقہ قوموں کے عذاب سے تباہ ہو جانے اور ان کی جگہ نئی قوموں کے پیدا ہوتے رہنے کا ذکر برمحل نہیں۔ اگر دوسری بات تھی تو بے شک اس ذکر میں ان کے لئے درس عبرت ہے۔ آگے جو فرمایا ہے کہ کیا ہم پہلی خلق سے تھک گئے ہیں، یعنی کیا اب ان کو مٹا کر ان کی جگہ نئی مخلوق پیدا نہیں کر سکتے۔ اس سے بھی یہی

ہونے کی نشانیں ملتی ہیں۔

۲۔ ءاذا متنا وکنا ترابا
ذلك رجع بعيد - قد علمنا
ما تنقص الارض منهم و
عندنا كتب حفيظ - بل
كذبوا بالحق لما جاءهم
فهم في امر مريج ......
ونزلنا من السماء ماء
مباركا فانبتنا به جنات
وحب الحصيد والنخل باسقات
لها طلع نضيد - رزقا
للعباد واحيينا به بلدة
ميتا - كذلك الخروج
كذبت قبلهم قوم نوح
واصحاب الرس وثمود
وعاد وفرعون واخوان
لوط واصحاب الايكة وقوم
تبع، كل كذب الرسل
فحق وعيد - افعيينا بالخلق
الاول - بل هم في لبس
من خلق جديد (ق)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو
جائیں گے، پھر لوٹنا بعید از عقل ہے
بے شک ہم جانتے ہیں جو زمین ان
سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس
حفاظت کرنے والی کتاب ہے۔ بلکہ
انہوں نے سچائی کو جھٹلایا جب وہ
ان کے پاس آئی اور اس کے مفہوم
کو بگاڑا ...... اور ہم بادل
سے برکت والا پانی اتارتے ہیں۔
پھر اس سے باغ اور غلہ پیدا
کرتے ہیں اور بلند کھجور کے درخت
جن کو تہ بہ تہ خوشے لگتے ہیں
جو بندوں کے لئے رزق ہے، اور
اس سے ہم مردہ بستی کو زندہ کرتے
ہیں، مردوں کے زندہ ہونے کی
یہی کیفیت ہے، ان سے پہلے قوم
نوح اور اصحاب رس اور ثمود نے
جھٹلایا اور عاد، فرعون۔ لوط
کے بھائیوں، اصحاب ایکہ اور قوم
تبع سب نے رسولوں کو جھٹلایا

بڑے دن کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے، اس کا جواب دیتے ہیں اگر پھر اس عذاب کو کس چیز نے روک رکھا ہے۔ حالانکہ جب وہ عذاب آئے گا، اسے ٹالنے کی کوشش کریں گے، لیکن وہ ٹلے گا نہیں اور چاروں طرف سے انہیں گھیرے گا، یہ بات خدا کی طرف سے قطعی علم پر مبنی ہے اور کتاب موسیٰ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی فرعون نے جب روحانی و اخلاقی زندگی پانے سے انکار کر دیا اور پیغمبر کو جھٹلا کر اپنی تباہی کے عذاب کا طالب ہوا، تو آخر فرعون کو اس کی ہلاکت نے آلیا، سو انسانی جماعتوں میں سے جو کوئی اس سچائی کا انکار کرے، اس کا ٹھکانا آگ ہے، عنقریب ان لوگوں کی اپنے رب کے حضور پیشی ہوگی۔ اور ان کے خلاف گواہ اٹھ کھڑے ہوں گے، ان ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور اس کے ٹیڑھے پن کی تلاش کرتے ہیں۔ یعنی دوسری زندگی سے اخلاقی اور روحانی زندگی پا لینے کی بجائے زمینی قبروں سے مردوں کا نکال کھڑا کرنا مراد لے کر اس کی ہنسی اڑاتے ہیں، اللہ کی پھٹکار ہے۔

٩- تلك الجنة التي نورث
من عبادنا من كان تقيا.
...... رب السموات
والارض ......
فاعبده واصطبر لعبادته
..... ويقول الانسان
ءاذا ما مت لسوف
اخرج حيا- اولا

یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم
اپنے بندوں میں سے متقی لوگوں
کو بناتے ہیں ....
وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے
..... پس اس کی عبادت کر اور
اس کی عبادت پر مضبوطی سے
قائم رہ ....
انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر

...... اولئك يعرضون على ربهم ويقول الاشهاد هؤلاء الذين كذبوا على ربهم، الا لعنة الله على الظالمين الذين يصدون عن سبيل الله و يبغونها عوجا وهم بالآخرة هم كافرون۔

(هود - ع ۲۰۱)

اور اس کی پیروی کرتا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت ہے وہ سب اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو جماعتوں میں سے اس کا انکار کرتا ہے۔ اس کے لئے آگ کی سزا ہے ...... وہ سب خدا کے سامنے ...... پیش کئے جائیں گے، اور گواہ کہیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا، یاد رکھیو، کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ جو لوگ خدا کے راستے سے روکتے ہیں اور اس کے مفہوم کو بگاڑنا چاہتے ہیں، اور آخرۃ کے منکر ہیں۔

فرمایا ہے کہ میں بشارت دینے اور ڈرانے والا ہوں، بشارت یہ ہے کہ خدا نے جو زندگی کے پانی پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور اس سے مردہ قوموں کو زندہ کرتا رہتا ہے، تاکہ آزمائے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے۔ زندگی کے پانی کا رخ تمہاری طرف پھیرا ہے، اور اب تم اس مردگی سے جو تم پر طاری ہے، زندہ کئے جانے والے ہو۔ مخالف اس سیدھی بات کو، جو روحانی اور قومی زندگی کی خوش خبری ہے۔ بگاڑ کر یوں پیش کرتے ہیں، کہ تو اب یہ مردوں کو زندہ کرنے لگا ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ تو پھر جادو ہوا، اور جو انہیں

ویکونوا علیهم ضدا - کلا سیکفرون
بعبادتهم .....
فلا تعجل علیهم انما نعد لهم
عدا - یوم نحشر المتقین
الی الرحمن وفدا ونسوق
المجرمین الی جهنم وردا -
لا یملکون الشفاعة الا
من اتخذ عند الرحمن
عهدا -

(مریم ع ۴ - ۶)

اس وقت جان لیتے ہیں کہ کون
برے حال میں ہے، اور کس کا
جتھا کمزور ہے، ہدایت پانے
والوں کی خدا مزید راہنمائی کرتا ہے
اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے
رب کے نزدیک بدلہ اور انجام کے
لحاظ سے بہتر ہیں ..... انہوں نے
خدا کے علاوہ معبود بنائے تاکہ
وہ ان کے لئے عزت کا سبب ہوں، ہرگز نہیں، وہ عنقریب
ان کی عبادت کا انکار کریں گے،

..... پس تو جلدی نہ کر ہم ان کے لئے خوب تیاری کر رہے ہیں، اس دن ہم متقیوں کو بارگاہ رحمٰن میں عزت کے ساتھ جمع کریں گے۔ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف ہانکیں گے۔ وہ شفاعت کے مجاز نہ ہوں گے۔ سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ہو گا۔

دہریہ دوسری زندگی کا انکار کرتا ہے، اور اس کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسے دکھائی نہیں دیتی۔ اس کا علاج ایک ہی ہے کہ اسی زندگی میں انسان کو دوسری زندگی نظر آ جائے۔ اور درحقیقت مومن جو اس کا اقرار کرتا ہے، تو وہ اسے یہاں ہی دیکھ جاتا ہے، اور کافر اس سے نابینا رہتا ہے۔ سو اس دنیوی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہی دنیاوی حالت ... بہیمیت پر مشتمل ہو وقبل ان تموتوا موتوا کر دی ... کی روحانیت بیدار ہو گئی اور اسے یہاں ہی دو حالی

يذكر الانسان انا
خلقناه من قبل ولم
يك شيئا فوربك لنحشرنهم
والشياطين ثم لنحضرنهم
حول جهنم جثيا .....
وان منكم الا واردها
كان على ربك حتما
مقضيا ثم ننجي الذين اتقوا
ونذر الظالمين فيها جثيا
..... وكم اهلكنا قبلهم
من قرن ..... قل من كان
في الضلالة فليمدد له الرحمن
مدا - حتى اذا رأوا
ما يوعدون اما العذاب
واما الساعة فسيعلمون من
هو شر مكانا واضعف جندا
ويزيد الله الذين اهتدوا
هدى والباقيات الصالحات
خير عند ربك ثوابا وخير
مردا ...... واتخذوا
من دون الله آلهة

جاؤں گا تو میں زندہ کرکے نکالا
جاؤں گا ؟ کیا انسان یہ یاد
نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے
پیدا کیا ، اور وہ کچھ بھی نہ تھا
پس تیرے رب کی قسم ہے ، ہم
ان کو اور شیطانوں کو اکٹھا
کر لیں گے ، پھر ان کو دوزخ کے گرد
حاضر کریں گے ، وہ آگ کے گرد
گھٹنوں پر گرے ہوئے ہوں گے ،
..... تم میں سے کوئی نہیں جو
اس میں وارد نہ ہوگا ، یہ تیرے رب
پر لازم ہے ، جس کا فیصلہ ہو چکا
پھر ہم متقیوں کو نجات دیں گے ۔
اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں پر
گرے ہوئے چھوڑ دیں گے ....
. ان سے پہلے کتنی ہی جماعتیں ہم
نے ہلاک کر ڈالیں ۔ کہہ کہ جو گمراہ
ہے ، خدا اسے گمراہی میں مہلت
دیتا ہے ، یہاں تک کہ جس کا وعدہ
ان کو دیا گیا وہ ان کے سامنے آ
جاتا ہے ، عذاب ہو یا ساعت ،

والے ہیں جو ورک سے دور ہو جائے گی۔ قرون سابقہ میں یہی سنت اللہ رہی ہے۔ اور اب بھی ویسا ہی عمل ہوگا۔ جب ہی ان کی تباہی کا وعدہ آپہنچے گا، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ خیال کرتے ہیں اور لاؤ و لشکر کے لحاظ سے کمزور کون ہے۔ ہدایت پانے والوں کو خدا کامیاب کرے گا اور ایسے کام کرنے کی توفیق دے گا، جو باقی رہنے والے ہیں۔ مخالفوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنایا ہے کہ ان کا غلبہ اور قوت بحال رہے، ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ عنقریب یہ اپنے جھوٹے لیڈروں کی پیروی اور باطل معبودوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے۔

پچھلے دن کی بابت کہ ہم متقیوں کو رحمٰن لانے والے وفدوں کی صورت میں جمع کر دیں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے، شفاعت کا کسی کو اختیار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی نے رحمٰن سے عہد لیا ہوگا۔ یعنی مسلمانوں کی ساری قوم ہوگی، تو رحمت لی، ورنہ سب سرکش سزا پائیں گے۔

یہ سب کچھ واقع ہو چکا اور حضرت محمدؐ کے زمانہ میں اسلام کے غلبہ کے ساتھ روحانی زندگی پانے میں جو رکاوٹیں تھیں، دور ہو جانے سے سارے کا سارا جزیرہ عرب روحانی طور پر زندہ ہو کر دوسری زندگی کا اسی زندگی میں مشاہدہ کرنے کے قابل ہو گیا، پس خدا نے اسی دنیا میں مردوں کو زندہ کر کے مردوں کے زندہ ہونے سے جو اپنا منشا تھا وہ واضح کر دیا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال

زندگی حاصل ہو گئی۔ اس کو جب وہ اس جہاں سے کوچ کرتا ہے رہا
سے جاتا ہے۔ جس کی ہیبت غالب اور روحانیت خفتہ رہی۔ وہ اندھا
رہا، اور اپنا اندھاپن ساتھ لے گیا۔ اگر اندھا کہے کہ سرخی و سیاہی کا وجود
کوئی نہیں تو بیچارہ ٹھیک کہتا ہے۔ جیسے اندھے کو سرخی و سیاہی بتلانے
کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اندھاپن دور ہو تاکہ وہ سرخی و سیاہی کا
مشاہدہ کر سکے۔ اسی طرح ایک دہریہ کو دوسری زندگی کا یقین دلانے
کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر وہ حس بیدار ہو جس سے وہ دوسری
زندگی محسوس کر سکے۔ ایک اندھے کو سزا دینا کہ تو کیوں سرخی و سیاہی
کا اقرار نہیں کرتا، لاحاصل ہے۔ البتہ اس کی آنکھوں پر عمل جراحی کرنا
یا دوسری طرح علاج کرنا صحیح ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خود نفس
علاج دار پریشاں ہی ہوتا کہ وہ اس زندگی میں دوسری زندگی کا
مشاہدہ کر کے اس کے انکار سے باز آسکے۔

آیات زیر غور میں متقیوں کو جنت کا وعدہ دے کر اور استقلال سے
کام لینا کہے۔ پہلے کی تحقیق کرنے کا ذکر کا اعتراض نقل کیا ہے کہ کیا جب
میں مر جاتا ہوں۔ تو اس کے بعد زندہ کیا جاؤں گا؟ قرآن اس کے
انکار کی علت سے باخبر ہے۔ فرماتا ہے کہ عنقریب انسانوں کی آنکھیں
پانے میں جو روک ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے سب منکروں کو مع ان کے
لیڈروں کے جمع کروں گا۔ سب جہنم پر وارد کئے جائیں گے۔ مومنوں کو اس سے
نجات دیدوں گا اور مخالفت کے لیڈروں کو اسی میں چھوڑ دوں گا،
یعنی ظالم اپنی بھڑکائی ہوئی جنگ کی آگ میں بھسم ہو جائیں گے اور مسلمان
قوم نجات پا کر ان کی وارث ہو جائے گی، اور یوں دشمنوں کے ایمان

کہ فیصلہ کی تاریخ مقرر ہے۔ اُس دن بگل بجا کر قیامت کی جائے گی، تو تم گروہ در گروہ خدا کے حضور حاضر ہو جاؤ گے۔ یہ دم بدر میں بگل بجایا گیا، تو مسلمانوں اور کافروں کے گروہ میدان کے گروہ حاضر ہو گئے۔ مسلمان دینی اور دنیوی فلاح کی جنت کا انعام پانے کے لئے اور کافر ذلت و رسوائی کا جہنم کا لقمہ بننے کے لئے۔ سورۃ انعام رکوع ۹ میں ہے۔ وھو الذی الیہ تحشرون وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض بالحق ویوم یقول کن فیکون۔ قولہ الحق، ولہ الملک یوم ینفخ فی الصور عالم الغیب والشھادۃ (ع ۹)

یعنی خدا نے زمین و آسمان کو کلمہ کُن سے جو قول حق ہے پیدا کیا ہے۔ جب خلق سے سچائی کی روح مر جاتی ہے، اُسے نئے سرے سے قول حق سے زندہ کرنے کے لئے صور میں طلب کرنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ بگل بجایا جاتا ہے۔ اور خلق کی طبعی ہوتی ہے، پھر وہ بادشاہ ذی اقتدار ارادہ کرتا ہے کہ خلق سچائی کی روح سے نئے سرے سے زندہ ہو جائے۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ کلمہ کُن سے مراد ارادہ ہی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔ کہ جب وہ ایک چیز کا ارادہ کرتا ہے کہ ہو جائے۔ تو کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے۔ آیت زیر غور میں بتایا ہے کہ یہ ارادہ یا کُن کا لفظ جس میں اتنی تاثیر ہے۔ قول حق یعنی سچائی ہے۔ سو خلق جدید جو خدا کے حکم سے پیغمبر کے ہاتھ پر پیدا ہوتی ہے، سچائی کا پیدا وار ہوتی ہے اور سچائی ہی اس کی جان ہوتی ہے۔ جس سے وہ قائم رہتی ہے۔ اب جب خدا پیغمبر میں، پچھ دم جو حق ہے پھونکتا ہے، تو اس پھونکنا سے۔ جو خدا

نفخ صور

سورۂ یٰسین کی آیات مذکورہ صفحہ ۵۱ تا ۵۳ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مجرمین جو آنحضرتؐ کے مخالف تھے انتظار کرتے تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ وہ کب آئے گی۔ اس کا وقوع اس طرح ہوا کہ رب کے حضور پیشی کے لئے بگل بجایا گیا۔ تو وہ قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی طرف بھاگے۔ صرف ایک ہی چیخ یعنی بگل کی ایک ہی آواز سے سب کے سب خدا کے حضور حاضر ہو گئے۔ اسی طرح سورۂ ق میں ہے:-

"ونفخ فی الصور ذلک یوم الوعید وجاءت کل نفس معها سائق وشهید"

کہ یوم وعید میں بگل بجایا گیا تو ہر نفس اپنے ہانکنے والے اور گواہ کے ساتھ خدا کے حضور حاضر ہو گیا۔ بگل بجایا گیا یعنی طلبی ہوئی یوم وعید یعنی سزا کے لئے پیشی کی تاریخ۔ ہانکنے والا یعنی پولیس کا سپاہی جو ملزم کو گرفتار کر کے لے جاتا ہے۔ ملزم خود جانا نہیں چاہتا۔ اس واسطے اُسے ہانکنے کی ضرورت ہے۔ گواہ یعنی گواہان مستغاثہ جو ملزم کے خلاف ارتکاب جرم کی شہادت دیں۔ آنحضرتؐ کے مخالفوں کی پیشی کی تاریخیں یوم بدر۔ یوم احد۔ یوم فتح وغیرہ کے دن تھے۔
جب بگل بجایا گیا اور ان کی طلبی ہوئی اور وہ اپنی سزا کے لئے خدا کے رسول کے حضور میں جو خدا کے قائم مقام کی حیثیت سے کرسی عدالت پر بیٹھا، حاضر ہو گئے۔ سورۂ نبا میں ہے:-

"ان یوم الفصل کان میقاتا یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا"

بالخاطئة فعصوا رسول ربهم فاخذهم اخذة رابية - اذا لما طغا الماء حملناكم في الجارية لنجعلها لكم تذكرة وتعيها اذن واعية فاذا نفخ في الصور نفخة واحدة وحملت الارض والجبال فدكتا دكة واحدة فيومئذ وقعت الواقعة .... وانا لنعلم ان منكم مكذبين وانه لحسرة على الكافرين وانه لحق اليقين - (الحاقة)

پیچھے لوگوں اور زیر و زبر کی ہوئی بستی والوں نے جرم کیا، اور خدا کے رسول کو نہ مانا، تو خدا نے شدید گرفت کی، جب سیلاب آیا، تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار کیا، تاکہ ہم اسے تمہارے لئے درس عبرت بنائیں اور کان اسے یاد رکھیں، جب بگل بجایا جائے گا، تو اس کی ایک ہی آواز سے زمین اور پہاڑوں میں زلزلہ بپا ہوگا، پہاڑ گر جائیں گے اور زمین ہموار ہو جائے گی۔ اس روز وہ بڑی مصیبت جو یقیناً واقع ہونے والی ہے، واقع ہو جائے گی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں جھٹلانے والے ہیں، یقیناً وہ کافروں کے لئے حسرت ہے، اور یقیناً وہ حق ہے۔

یقیناً آج عبرت والی مصیبت یہ ہے: سورۃ کے آخری الفاظ میں خود بتایا ہے، کہ تم جو رسولوں کی تکذیب کر رہے ہو، یاد رکھو! یہ تمہارے لئے باعث حسرت بن جائے گی۔ اور اس کا تمہارے لئے مقام حسرت بن جانا قطعی نہ ہوگا بلکہ یقینی ہے۔ اسی کو شروع میں الحاقۃ کہا ہے، اور اس کو آگے چل کر واقع ہونے

کے حضور حاضری کے لئے دل زندہ رہتی ہے۔ اس نے تجربہ میں نیک بخت اور بدبخت دونوں کے حصے بتا دیے ہیں۔ سعید فلاح کے لئے اور سچائی کی زندگی اور جنت پانے کے لئے اور شقی مخالفت کے لئے اور جہنم کا ایندھن بننے کے لئے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ "انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی" کہ میں ہی مردوں کو کھڑا کرنے والا یا مردوں کو زندہ کرنے والا ہوں۔ جس کے قدموں پر لوگ محشور ہوتے ہیں۔ چنانچہ قبل بھی انکے ذریعے ہی ہوگیا اور حشر بھی آنحضرت کے قدموں پر آپ کے زمانہ میں ہی ہوگیا۔ سورہ الحاقہ میں ہے۔

الحاقۃ ما الحاقۃ وما
ادراك ما الحاقۃ كذبت
ثمود وعاد بالقارعۃ۔
فاما ثمود فاهلكوا
بالطاغيۃ واما عاد
فاهلكوا بريح صرصر عاتيۃ
سخرها عليهم سبع ليال
وثمانيۃ ايام حسوما
فترى القوم فيها صرعى
كانهم اعجاز نخل خاويۃ
فهل ترى لهم من باقيۃ
وجاء فرعون ومن
قبله والمؤتفكات

ترجمہ: ٹھیرنے والی مصیبت، وہ مصیبت کیا ہے؟ اور تجھے کیا بتاؤں کہ وہ مصیبت کیا ہے ثمود اور عاد نے اس بڑی مصیبت کو جھٹلایا، تو ثمود شدید خطر[illegible] زلزلہ سے ہلاک ہوگئے اور عاد آندھی سے جو آٹھ روز تک لگاتار ان پر مسلط رہی، جس سے ان کے آثار بھی مٹ گئے وہ لوگ اس میں کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر کر رہ گئے اور ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔ فرعون اور اس سے

عالم کو کہا جاتا ہے ، اور طاقتور آدمی کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ پہاڑ ہے ،
ہیں سے ایک پہاڑ ہے ۔ خود قرآن شریف میں لفظ جبل کا استعمال ان
معنوں میں آیا ہے ، ولو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہ
خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا
للناس لعلھم یتفکرون ۔ کہ اگر ہم قرآن کو بااثر عقلمند آدمی پر
بھی نازل کرتے ، تو خدا کے خوف سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا ،
اس آیت میں جبل سے مراد پہاڑ نہیں ، کیونکہ خود بتا دیا ہے کہ یہ مثالیں
ہیں جو ہم لوگوں کے غور وفکر کے لئے بیان کرتے ہیں ، اور یہ بھی
بات بھی یہ صحیح نہیں کہ قرآن کو پہاڑ پر رکھ دیا جائے ، تو وہ گر جاتا
ہے ۔ جب لغت کی رو سے بھی جبل کا لفظ قوم کے لیڈر کے لئے استعمال
ہوتا ہے اور قرآن نے بھی تصریح کر دی کہ جبل سے مراد پہاڑ نہیں ، بلکہ
عقلمند اور طاقتور انسان ہیں تو تصریح قرآن کے خلاف خیال سے
ظاہری پہاڑ مراد لینا درست نہیں ۔ اسی طرح مفردات میں ہے کہ جب
زلزلۃ کا لفظ ارض کے لئے آئے ، تو معنے ہوتے ہیں ، سوّی
صعودھا وھبوطھا کہ زمین کے نشیب وفراز کو ہموار کر دیا
، قرآن میں ارض کا لفظ اہل ارض کے لئے بھی استعمال ہوا ہے ، چنانچہ فرمایا
ہے ۔ "افلا یرون انا نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا
افھم الغالبون" ۔ کیا دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں
سے گھٹاتے چلے آتے ہیں ، تو کیا یہ مخالفین غلبہ کے آثار پائیں ؟
اس آیت میں زمین سے مراد وہ باشندگان زمین ہیں جو آنحضرت
کے مخالف تھے ، اور زمین کو گھٹانے سے مراد ان مخالفوں کا روز بروز

رہنے والی بات الحاقہ کیا ہے۔ اور اسی کے اٹل ہونے پر سابقہ مکذب قوموں کے دردناک اور عبرت انگیز انجام کو بطور گواہ پیش کیا ہے، جس کا مقصود یہ ہے کہ جیسے سابقہ قومیں تکذیب کر کے بڑے انجام سے نہ بچ سکیں، اسی طرح وہ بھی نہ بچ سکیں گے۔ آنحضرتؐ کے مخالفوں کا برا انجام جس سے انہیں ڈرایا گیا جسے قطعی اور یقینی بتایا گیا، اور جس کے اٹل ہونے کو کئی مثالوں سے واضح کیا گیا، کب ظہور میں آئے گا؟ فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ، فیومئذ وقعت الواقعۃ، چونکہ ہمارے علماء زیر خط کشیدہ الفاظ سے فنائے عالم مراد لیتے ہیں، اس سے ان کے نزدیک آنحضرتؐ کے مخالفوں کا برا انجام فنائے عالم کے بعد واقع ہوگا۔ اگر یہ صحیح ہے تو جہاں سابقہ مکذب قوموں پر خدا کی گرفت اسی دنیا میں ان کے اپنے زمانوں میں آتی رہی، آنحضرتؐ کے مخالف خدا کے اتنے لاڈلے ہیں کہ ان کو فنائے عالم کی بھی تاریخ ملتی ہے۔ اس صورت میں سابقہ مکذب قوموں کی ہلاکت میں ان کے لئے درس عبرت ہے نہ ان کے سامنے یہ مثالیں پیش کرنے کا موقع محل، جب ان کا معاملہ سابقہ مکذب قوموں کے معاملہ سے بالکل الگ ہے سابقہ قوموں کو تو اسی دنیا میں مواخذہ ہوتا ہے۔ لیکن ان کو مواخذہ فنائے عالم کے بعد ہوتا ہے جو بالکل اور نوعیت کا ہے تو آخر اس سے بیان کا مقصد کیا ہے؟

محاورۂ عرب میں لفظ جبل کا استعمال قوم کے سردار کے لئے بھی ہوتا ہے اور طاقتور انسان کے لئے بھی، چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ الجبل سید القوم وعالمهم اور فلانٌ جبلٌ من الجبال، کہ جبل قوم کے سردار اور

زمت مراد ہے۔ نہ کہ فنائے عام۔

پس آنحضرت کی زندگی میں ہی یہ بھی کیا گیا اور وہ وعدہ عذاب جسے سچ اور واقع ہونے والی بات کہا گیا تھا پورا ہو گیا۔ جیسے کہ سابقہ مکذب قوموں کی صورت میں یہ وعدہ ان کے زمانوں میں اسی دنیا میں پورا ہوتا رہا

میں پہلے بتا آیا ہوں کہ آدم خلیفۃ اللہ سے مراد انسان کامل ہے، جو پیغمبر ہوتا ہے۔ خدا فرماتا ہے "فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" کہ جب میں اس کا تسویہ کر چکوں، یعنی اُسے انسان کامل بنا چکوں اور اس میں اپنا کلام پھونکوں تو اس کے سامنے سب نے سجدہ اطاعت پیش کرنا۔ خدا جب پیغمبر میں اپنا کلام پھونکتا ہے، تو پیغمبر سے خدا کے حضور حاضری کے لئے آواز بلند ہوتی ہے، چونکہ بگل میں بھی پھونک ماری جاتی ہے، تو اس سے حاضری کے لئے آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس مشابہت کی بنا پر نفخ فی الصور سے مراد پیغمبر ہوتا ہے، جو لوگوں کو فیصلے کے لئے نئی زندگی پانے کے لئے یا بصورت دیگر ہلاک ہونے کے لئے خدا کے حضور طلب کرتا ہے۔

بداء و اعادہ | سورہ یونس میں ہے :-

۱:- انہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہ لیجزی

الذین آمنوا وعملوا الصلحت بالقسط والذین کفروا لہم شراب من حمیم وعذاب الیم بما کانوا یکفرون (یونس - ع ۱)	اللہ بے شک خلق کا ابداء اور اعادہ کرتا ہے تاکہ مومنوں اور نیک عمل کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے، منکروں کے لئے گرم پانی پینے کو اور دردناک

کم ہونے والا ہے۔ پس سورۂ حاقہ کی آیت میں جبال سے مراد کفار
کے لیڈر ہیں۔ جو حق کی راہ میں پہاڑوں کی طرح روک بن کر کھڑے
ہو جاتے ہیں۔ اور ارض سے مراد عوام ہیں، جو ان لیڈروں کے
تابع ہوتے ہیں۔ اور پیسے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جب جنگ ہو جائے
گا اور مخالف لیڈروں اور ان کے پیروؤں کو ان کے کفر و ضلالت
کے مقام ہلاکت پر لایا جائے گا۔ پس سورۂ حاقہ اور واقعہ جو یقینی طور پر
واقع ہو کر رہنے والی بات ہے، واقع ہو جائے گی یعنی کافروں کو ان
کے لیڈروں کے ساتھ زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جائے گا، اور اسلام کا راستہ
پہاڑوں جیسی روکوں اور تمام نشیبوں اور فرازوں سے صاف کر دیا
جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام سے جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب
آیا۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو عرب کی زمین رہی نہ
پہلا سا آسمان، سارا نقشہ ہی بدل گیا۔ قرآن نے اس انقلاب کا انہی الفاظ
میں ذکر بھی کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے: یوم تبدل الارض غیر
الارض والسموات وبرزوا للہ الواحد القہار (ابراہیم)
کہ جب زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے، خدا کی نافرمانی کا جہان
فنا ہو جائے گا، اور سب خدا واحد و غالب کے سامنے پیش ہوں گے۔
ایسے محاورات قرآن میں بکثرت آتے ہیں۔ جیسا ہو لا کے اتخاذ ولد
کے عقیدہ پر فرماتا ہے۔ تکاد السموات یتفطرن منہ و
تنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ کہ قریب ہے کہ اس عقیدہ
کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ
ریزہ ہو کر گر جائیں، ظاہر ہے کہ ان الفاظ سے اس خیال کی انتہائی

سکے۔ اسی طرح خدا اسی دنیا میں ابتداء اور اعادہ دونوں کرتا ہے، ورنہ کا
میں سے کوئی نہیں جو یہ کام کر سکے۔ سو منشا یہ ہے، پیغمبر کے عہد پر اسی
دنیا میں خدا کے حضور رجوع خلق ہوتا ہے۔ پیغمبر کے ظہور کو جو بجلی چمکانے
سے تشبیہ دی گئی ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ پیغمبر کے ذریعہ خدا کے
حضور حاضری کے لئے آواز دلائی جاتی ہے، پھر حکم دیا جاتا ہے، کہ خدا
کی فرمانبرداری کرو، جو انکار کرتے ہیں، انہیں ذلت و ہلاکت کی سزا دے
کر جہنم میں بھیج دیا جاتا ہے ... انہیں ... گناہگاری کی زندگی کی
طرف لوٹنا ان پر حرام کر دیا جاتا ہے۔ "حرام علی قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون"
اور جو حکم مانتے ہیں انہیں نئی زندگی عطا ہوتی ہے، تو مومنوں کی جزا ابتداء
کی شکل لیتی ہے، ... کی سزا اعادہ کی۔ غرض نافرمان مخلوق کو
سزا کے لئے واپس بلا لیا جاتا ہے ... فرمانبردار ... قوم بنا کر ان کا
جانشین بنا دیا جاتا ہے۔ پھر جب یہ تازہ قوم رفتہ رفتہ بگڑ کر پہلی قوم کی
طرح اس قابل نہیں رہتی کہ دنیا میں اسے خدا کی نمائندہ قوم کے طور پر
باقی رکھا جائے تو پھر وہی پچھلا عمل دہرایا جاتا ہے اور اس نافرمان قوم کو سزا
کے لئے واپس بلا لیا جاتا ہے اور تازہ فرمانبردار قوم کو ابتداء پیدا کر کے اس کا
جانشین بنا دیا جاتا ہے۔ ہر قوم کی زندگی کا زمانہ وہ وقفہ ہے جو اس کے
ابتداء اور اعادہ کے درمیان ہے۔ جس پر لفظ "ثم" دلالت کرتا ہے
اس طرح خدا کا سچا وعدہ کہ سب کا رجوع اللہ کی طرف ہے، ہر زمانہ
میں پیغمبر کے ظہور پر پورا ہوتا رہتا ہے، یہی فرمایا ہے۔ "الیہ مرجعکم
جمیعاً وعد اللہ حقاً انہ یبدؤ الخلق ثم یعیدہ" کہ سب کا
رجوع اللہ کی طرف ہے، یہ خدا کا سچا وعدہ ہے اور خدا بے شک ہر پیغمبر

عذاب ان کے کفر کے سبب سے ہے۔

(ب) قل ھل من شرکائکم من یبدؤ الخلق ثم یعیدہ فانی تؤفکون۔ قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون ۔ (یونس پ ۱۱)

کہہ کہ کیا ان میں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، کوئی ہے جو خلق کو پیدا کرتا اور واپس بلاتا ہو؟ تم کس گمراہی میں پھنسے ہو، کہہ کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہو اور جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کرانے کا حقدار ہے یا وہ جو یہی راہنمائی نہیں کرتا بلکہ خود راہنمائی کا محتاج ہے۔ تم کو کیا ہو گیا اور تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

آیت (ا) سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سب لوگوں کو مر کر اور پھر قیامت کے روز قبروں سے اٹھ کر خدا کے حضور اچھا یا برا بدلہ پانے کے لئے لوٹنا ہے۔ آیت (ب) سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اسی دنیا میں ابتدا بھی کرتا ہے اور اعادہ بھی۔ اگر خدا بھی اعادہ اس دنیا میں نہیں کرتا بلکہ فنائے عالم کے بعد قیامت کے روز کرے گا جب قبروں سے مردوں کو اٹھائے گا تو شرکاء سے یہ مطالبہ کرنا کہ کیا تم ابتدا اور اعادہ کر سکتے ہو بالکل برمحل نہیں، چنانچہ اگلے فقرے میں خدا کے پیغمبر بھیج کر اسی دنیا میں راہنمائی کرنے اور شرکاء سے یہ کام نہ ہو سکنے سے اس بات پر دلیل قائم کی ہے کہ فرمانبرداری کا حق دار خدا ہی ہے۔ پس جیسے خدا تو اسی دنیا میں حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے لیکن شرکاء یہ نہیں کر

غلط فہمی کی وجہ

اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قیامت ظہورِ پیغمبر کا نام ہے تو لوگوں کو کیونکر یہ غلط فہمی ہوئی کہ ظہورِ پیغمبر کو قیامت سمجھنے کی بجائے فنائے عالم کے بعد قیامت کا انتظار کرنے لگے۔ اس کی دو وجہیں ہیں:-

(۱) اس میں کچھ شک نہیں کہ قیامت کے معنی قیامِ حق ہیں، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر پیغمبر کے ذریعہ حق قائم ہوتا رہا ہے، لیکن ہر پیغمبر کے ذریعہ قیامِ حق صرف ایک حصہ نسلِ انسانی میں ہوتا رہا ہے، اگرچہ پیغمبر کو نہ ماننے والے بھی اس کی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور یوں عالم کی عمومی ترقی ہوتی رہی ہے تاہم ہر پیغمبر کے ہاتھ پر قیامِ حق کا جو کام ہوتا رہا وہ ایک حصہ نسلِ انسانی تک محدود تھا، اور پیغمبر کے بعد بلحاظ زمانہ گزرنے پر وہ حصہ بھی جس میں پیغمبر حق کو قائم کر جاتا رہا بگڑ جاتا رہا، پس دنیا بھر میں اور ہمیشہ کے لئے قیامِ حق کا کام جو مقصود ہے ابھی ہونا باقی ہے۔ یہ کام پیغمبروں کی تدریجی تربیت کے نتیجے میں آخر پر ہونا مقدر تھا۔ اور سارے پیغمبر اس پیغمبر کے زمانہ کی خبر دیتے رہے ہیں، جس کے عہد میں دنیا بھر میں حق قائم ہو جائے گا، گویا کام جو پیغمبروں کے زمانہ میں ہوا وہ ان کی منزلِ مقصود کی طرف ایک ایک قدم تھا، اور بالآخر عالم بھر میں قائم ہونے والے حق کا ہی جزوی ظہور تھا، پس پیغمبروں کے ظہور پر جو قومی قیامتیں قائم ہوتی رہیں وہ قیامت کا نمونہ اور اس کی گواہ تھیں، اور پوری قیامت جس میں عالم بھر میں ہمیشہ کے لئے قیامِ حق ہونا تھا آئندہ آنے والی تھی، سو لوگ قیامت کا جو آئندہ انتظار کرتے رہے ہیں اس میں وہ غلطی پر نہیں، ہاں غلطی

کی اطاعت اور پیروی پر، اور مومنوں کے تمام اعمال پر بنفسِ نفیس شاہد ہوتا ہے۔ اور اپنی تربیت عالم کی سکیم کو کامیاب بنانے کے لئے زمین اور آسمانوں کے ذرہ ذرہ پر کڑی نظر رکھتا ہے۔ اپنے دوستوں یعنی مومنوں کی ہر خوف و حزن سے نجات کا متکفل ہوتا ہے، ان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی بشارت دیتا ہے، اور کوئی مخالف اس کے کلمہ کو پورا ہونے سے روک نہیں سکتا۔ تمام قیامت یا تازہ کلام کا نزول تو خلق اللہ کو اس فوزِ عظیم پر فائز کرنے کے لئے ہوتا ہے، پھر یہ لوگ کس غلط فہمی میں پھنس کر قیامت میں تازہ کلام کی نعمت عظمیٰ کو رد کر رہے ہیں؟

ان آیات میں قرآن نے خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ لوگ قیامت کو کیا سمجھتے ہیں اور در واقع میں وہ کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ وہ خدا کے فضل کا مظاہرہ ہے، اس میں خدا مومنوں کی حفاظت کرتا ہے، انہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرتا ہے اور انہیں مخالفوں کے ہاتھوں مٹنے نہیں دیتا، بلکہ مخالفوں کو مٹا دیتا ہے، جیسے یہاں فرمایا ہے کہ خدا رسول اور مومنوں کے حالات کا خود شاہد رقیب ہے، ویسے ہی حضرت موسیٰ کو فرمایا "فانک باعیننا" کہ میں تجھ پر نظر رکھوں گا، کہ تجھے کوئی شر نہ پہنچے۔ پس قیامت خدا کے ظہور کا نام ہے جو مجدد کے ذریعہ ہوتا ہے، گویا خدا اپنے خلیفہ کے ذریعے قیام فرماتا یا کھڑا ہوتا ہے، اور لوگوں کو حق پر قائم ہونے کے لئے بلاتا ہے جو حق پر قائم ہو جاتے ہیں ان کی حفاظت کرتا ہے اور جو نہیں ہوتے انہیں مٹا دیتا ہے اور حق پر قائم ہونے والوں کو ان کا جانشین بنا دیتا ہے یہی قیامت کے وہ معنی ہیں جو آیات مذکورہ میں قرآن نے خود بتائے ہیں یہاں نظام شمسی کی فنا اور زمینی قبروں سے مردوں کے برآمد ہونے کا کوئی ذکر نہیں البتہ غلبہ حق حامیانِ حق کی کامیابی اور دشمنانِ حق کی ناکامی کا ذکر ہے۔

اور منکر اپنی جہنم۔ گویا دنیا اور آخرت دونوں میں جزا سزا کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ یس ان کی صورت میں قیامت سے جس میں انہیں جزا سزا ملنے کا وعدہ دیا جاتا ہے وہی قیامت مراد ہوتی ہے جو پیغمبر وقت کے ظہور پر قائم ہوتی ہے اور اس قیامت کا دور دوسرے پیغمبر کے ظہور تک ہوتا ہے یعنی پیغمبر وقت کی تعلیم اس کے دور میں معیار حق ہوتی ہے، جس سے لوگوں کی سچائی اور نیکی کو ناپا جاتا ہے۔ پیغمبر کے ساتھ معجزات یا ملکوں کے تو نئے کا زلزلہ نازل ہونے سے یہی معنے ہیں (ب) باقی رہے آئندہ زمانے میں واقع ہونے والے وعدے تو ان کی صورت میں مومنوں سے مراد اس زمانے کے مومن ہوتے ہیں، جو آئندہ دور میں اس زمانے کے پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں اور منکروں سے مراد وہ منکر ہوتے ہیں جو پیغمبر وقت کے منکر ہوتے ہیں، جیسے خدا قیامت میں خواہ چھوٹے پیمانے پر ہو خواہ بڑے پر، خواہ ماضی میں خواہ حال میں خواہ مستقبل میں، خواہ ایک قوم میں یا دوسری میں، فرق نہیں کرتا، اسی طرح وہ سب مومنوں کو خواہ کسی زمانہ اور وطن کے ہوں اور کسی رسول کے ذریعہ ایمان لائے ہوں، ایک سمجھتا ہے اور سب زمانوں اور قوموں کے منکروں کو خواہ انہوں نے کسی رسول کا انکار کیا ہو ایک قرار دیتا ہے، چنانچہ فرماتا ہے :-

(۱) واذ وعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظالمون (بقرہ ع ۶)

(۲) قالوا ان اللہ عہد الینا الا نؤمن لرسول حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینات وبالذی قلتم فلم قتلتموہم ان کنتم صادقین (آل عمران ع ۱۹)

یہ ہے جو قیامت منتظرہ کی نوعیت کو بدل ڈالتے ہیں یعنی اُسے قیامت کے ان نمونوں سے جو پیغمبروں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے رہے، بالکل نرالی چیز مانتے ہیں۔ مثلاً نمونہ کی قیامتوں میں تو عالم کے فنا ہونے اور نیا عالم پیدا ہونے سے انقلاب مراد لیتے ہیں۔ جس سے بدی کا نظام تباہ ہو کر نیکی کا نظام قائم ہوتا رہا۔ اور مردوں کے زندہ ہونے سے جاہل پرستوں کا نورِ ایمان اور سچائی کی روح سے زندہ ہونا مراد لیتے ہیں۔ لیکن قیامت میں جس کے وہ منتظر ہیں فنائے عالم سے نظام شمسی کی فنا مراد لیتے ہیں۔ اور مردوں کے زندہ ہونے سے قبروں سے جسم عنصری کے ساتھ مردوں کا نکل کھڑا ہونا مراد لیتے ہیں۔ اگر قیامت کے نمونوں اور قیامت میں واقعی نوعیت کا اختلاف ہے تو نہ وہ قیامت کے نمونے ہیں، نہ اُس کے گواہ اور ثبوت، اور جس کی کوئی شہادت و ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا اس کو ماننے کا مطالبہ تکلیف ما لا یطاق ہے۔

(۲) دوسری وجہ غلط فہمی کی یہ ہے کہ قرآن میں ایسے ذکر بکثرت ہیں کہ خدا قیامت کے روز مومنوں کو نیک بدلہ دے گا۔ اور کافروں کو سزا دے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جو قیامت کے روز سے پہلے مر چکے ہوں گے اگر زندہ نہ کئے جائیں گے تو انہیں جزا و سزا کیونکر ملے گی؟ سو واضح رہے کہ ایسے وعدے دو وعدوں پر مشتمل ہیں۔ (۱) جہاں تک اس وعدہ کو تعلق زندہ منتقلہ سے ہے تب وعدہ اسی زمانہ میں پورا کر دیا جاتا ہے۔ یعنی مومن جو حق کے حامی ہوتے ہیں فتح و عزت سے مالا مال ہو جاتے ہیں اور دشمنانِ حق ناکامی اور ذلت کے جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں مومن دنیا سے جاتا ہوا اپنی سچائی اور اطمینان کی جنت ساتھ لے جاتا ہے

اس سے متاثر ہونے والی طبیعت بھی ایک ہی، نشانات کا مقصد سچائی کو واضح کرنا ہوتا ہے، اور یہ کام ہر زمانہ کا پیغمبر کامل طور پر کر دیتا ہے اگرچہ منکر ایک زمانہ میں ایک اعتراض کریں، اور دوسرے میں دوسرا، ان کے اعتراضوں کی نوعیت اور ان کی طبیعت ہمیشہ ایک ہوتی ہے، اور ان کی طبیعت کی کجی، سرکشی اور ہٹ دھرمی ایک ہوتی ہے، اسی طرح مومن جو ایمان لاتے ہیں، ان کی ذہنیت، ان کا نقطۂ نظر اور ان میں فرمانبرداری کی روح ایک ہوتی ہے۔ اس لئے خدا تمام زمانوں کے مومنوں کو ایک قرار دیتا ہے، اور تمام زمانوں کے منکروں کو ایک۔

قیامت کبریٰ کے متعلق قرآن کا اپنا بیان آگے آئے گا۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ غلط فہمی کی وجہ کیا ہے۔ مسلمانوں کے آئندہ رسول سے انکار کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہیں قیامت کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی، جب سنتے ہیں کہ اسلام تا قیامت رہے گا، تو چونکہ وہ قیامت کے معنی فنائے عالم کرتے ہیں، آئندہ دنیا میں رسول کے آنے سے انکار کر بیٹھتے ہیں، حالانکہ قیامت کے معنی رسول کا ظہور ہیں، اگر قیامت کے معنی ذہن نشین ہو جائیں، تو ساری بحث کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قیامت کے آنے کے تو مسلمان قائل ہیں، جس قیامت کے وہ منتظر ہیں، واقعہ میں وہ آئندہ رسول کا ظہور ہے۔

(۳) ولقد جاءکم یوسف من قبل ..... حتی اذا هلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا (مومن ع ۴)

(۴) ربنا وآتنا ما وعدتنا علی رسلک ۔ (آل عمران ع ۲۰)

پہلی آیت میں بنی اسرائیل کو جو آنحضرت کے سامنے تھے، مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا۔ حالانکہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا، وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے لوگ تھے، جو انیس سو سال پہلے ہو گزرے تھے۔ اور آنحضرت کے وقت ان میں سے کوئی باقی نہ تھا۔ دوسری آیت میں ان کے اس قول کا ذکر کرکے کہ ہم رسول کو تب مانیں گے، جب وہ سوختنی قربانی کا نشان لائے۔ فرمایا ہے کہ تمہارے پاس وہ رسول بھی آئے جو سوختنی قربانی کا نشان اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ انہیں تم نے کیوں قتل کیا؟ حالانکہ آنحضرت کے زمانہ کے یہودیوں نے ہرگز کسی رسول کو سوختنی قربانی کا نشان لانے پر قتل نہ کیا تھا۔ آیت سوم میں حضرت موسیٰؑ کے عہد کے ایک شخص کا ذکر ہے جو مصریوں کو کہتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ فوت ہوئے تو تم نے کہا، اب ان کے بعد ہرگز خدا کوئی رسول مبعوث نہیں کرے گا، حالانکہ حضرت یوسفؑ کے بعد جن لوگوں نے یہ بات کہی، ان میں سے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں کوئی باقی نہ تھا۔ چوتھی آیت میں مسلمانوں کی زبان سے کہلوایا ہے کہ اے رب ہمیں وہ چیز عطا کر جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے کیا تھا، حالانکہ سابقہ رسولوں کے وقت میں نہ وہ لوگ موجود تھے، نہ ان رسولوں نے ان سے کوئی وعدہ کیا تھا۔

چونکہ [illegible] الفاظ ایک [illegible] ہیں۔

وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعًا حسنًا الی اجل مسمّٰی۔

(ھود – ع ۱)

(ڈرانے) والا اور بشارت دینے والا ہوں، اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم کو ایک مقررہ میعاد تک اچھا فائدہ پہنچاتا رہے گا۔

اس آیت میں رسول اللہ کے مخاطبوں سے وعدہ کیا ہے، کہ اگر وہ خدا کی طرف رجوع کریں، تو خدا انہیں ایک مقررہ میعاد تک متاع حسن سے متمتع فرمائے گا، ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کے پیغام کو لبیک کہا وہ مسلمان قوم ہے، پس یہاں مسلمان قوم کی اجل مسمّٰی کا ذکر ہے۔ یہ میعاد کتنی ہے؟ اس کا ذکر آگے آئے گا،

مسلمانوں کا باہمی تفرقہ

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءتھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم، یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون۔

(آل عمران – ع ۱۱)

ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے بینات آجانے کے بعد اختلاف اور تفرقہ کیا، اور انہیں عذاب عظیم پہنچا جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے، اور کچھ سیاہ، سیاہ رو لوگوں کو کہا جائے گا، کہ کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے؟ اپنے کفر کے بدلے میں عذاب چکھو۔

(۱) واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا

اللہ سے جو تم نے عہد کیا ہے اسے پورا کرنا، اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد

مسلمانوں کا تنزل

سلسلہ رسالت کی غرض اور اس کا عالمگیر ہونا، رسولوں کی بعثت کا عام قانون، ہر امت کی میعاد مقرر ہونا اور اس کے خاتمہ پر رسول کا آنا، اس کے اختلافات کا فیصلہ کرنا، اس پر موت وارد کرنا، مردوں کو زندہ کرکے نئی قوم پیدا کرنا اور گزشتہ مردہ قوم کا جانشین بنانا، ہر زمانہ میں بقدر ضرورت کلام الٰہی کا نازل ہونا اور ہر زمانہ کے لئے جداگانہ کتاب ہونا، رسولوں کے سلسلہ کو ختم سمجھنے کی انتہائی مذمت اور قیامت کے معنے ہم قرآن سے دیکھ چکے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا قرآن شریف نے یہ ذمہ داری اٹھائی ہے کہ مسلمان قوم قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہے، نہ یہ بگڑے گی، نہ اس کی کوئی میعاد مقرر ہے، نہ آئندہ کے لئے سنت اللہ بدل گئی ہے؟ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں مسلمان قوم کے قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہونے اور سنت اللہ کے بدلنے کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں، بخلاف اس کے مسلمانوں کے بگڑ جانے اور دوسری قوم کے لئے جگہ خالی کر دینے کا ذکر کئی مقامات پر ہے، جن میں سے بعض پیش کئے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کی اجل مسمیٰ

انی لکم منہ نذیر و بشیر

میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے

پہلی آیت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تفرقہ کرکے عذابِ عظیم کا شکار ہونے سے بچو ، ایک وقت آنے والا ہے کہ تم میں سے بعض کے چہرے روشن ہوں گے اور بعض کے سیاہ ، جو سیاہ رو ہوں گے ، انہیں کہا جائے گا کہ پہلے تو تم ایمان لائے تھے ، اب انکار کرتے ہو ! سو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھو ۔

سورۂ نحل کی ۲ آیات میں پھر مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کی تاکید کی حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ عہد توڑنے کی مثال ایسی ہے ، جیسے ایک عورت نے اپنا محنت سے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ، یہ بھی بتا دیا ہے کہ مسلمان اپنا سوت اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کریں گے کہ خود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کئی فرقے بن جائیں گے ، ہر ٹکڑا خود غرض ہوگا ، اور اپنی بڑائی چاہے گا ، عہد و پیمان کو نبھانے کا کوئی خیال نہ ہوگا ، اس سے باہمی فسادات رونما ہوں گے ، اور اس طرح مسلمان عروج کو پہنچ کر پھر گر جائیں گے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنے کی پاداش میں عذاب عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے
جناب مولانا محمد علی صاحب اپنی تفسیر بیان القرآن میں ان آیات کے تحت لکھتے ہیں . صاف پتا چلتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ذکر ہے کہ ان کا قدم جم کر پھر باہمی فسادات سے پھسل جائے گا ۔ . . . . . . کیا آج اسی حکم کی خلاف ورزی کی سزا تو ہم پر نہیں ؟

مسلمانوں سے بنی اسرائیل کا سا سلوک	واذکروا نعمۃ اللہ علیکم و میثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا و اطعنا و اتقوا اللہ ان اللہ علیم
بذات الصدور ۵	اللہ کی نعمت کو جو اس نے تم پر کی ،

وقد جعلتم الله عليكم كفيلا ۔ ان الله يعلم ما تفعلون ۔ ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا تتخذون ايمانكم دخلا بينكم ان تكون امة هي اربى من امة انما يبلوكم الله به وليبينن لكم يوم القيمة ما كنتم فيه تختلفون ولو شاء الله لجعلكم امة واحدة ولكن يضل من يشاء ويهدي من يشاء ولتسئلن عما كنتم تعملون ولا تتخذوا ايمانكم دخلا بينكم فتزل قدم بعد ثبوتها وتذوقوا السوء بما صددتم عن سبيل الله ولكم عذاب عظيم ۔

(النحل رکوع ۱۳)

تو توڑنا ہے کہ تم نے اللہ کو اپنا کفیل بنایا ہے۔ خدا جانتا ہے جو تم کرتے ہو، اور اس کی طرح نہ ہو جس نے اپنے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد توڑ ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو باہمی فساد کی وجہ بناتے ہو، تاکہ ایک جماعت دوسری سے بڑھ جائے۔ خدا اس سے تم کو آزماتا ہے اور بیان کرے گا قیامت کے دن ان امور کو جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ اگر خدا چاہے تو تم کو ایک ہی جماعت بنائے۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور ضرور تم سے تمہارے کئے کی بابت پوچھا جائے گا اور اپنی قسموں کو باہمی فساد کی وجہ مت بناؤ تاکہ ایسا نہ ہو کہ قدم ثابت ہو جانے کے بعد لغزش کھائے۔ اور تم کو خدا کے راستے سے روکنے کے باعث دکھ اور دردناک عذاب میں مبتلا ہونا پڑے۔

بنی اسرائیل اور نصاریٰ کے عہد توڑنے اور ان کی سزا کے ذکر سے مدعا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر انہوں نے عہد توڑا، تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا، جو ان سے پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا۔

حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے اس ذکر میں اگر ایک طرف مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ان راہوں سے بچیں، جن پر بنی اسرائیل چل کر برباد ہوئے، تو دوسری طرف مسلمانوں کی تاریخ بھی اس میں آجاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے صاف طور پر فرمایا:

لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم قیل یا رسول الله الیهود والنصاریٰ قال فمن متفق

علیہ (مشکوٰۃ - باب تغیر الناس)

یعنی تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے قدم بقدم چلوگے، یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے، تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ، کیا پہلے لوگوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا اور کون؟

مسلمانوں سے خلافت کا چھینا جانا

(۱) وعد الله الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضیٰ لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا یعبدوننی لا یشرکون

اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں جانشین بنائے گا، جیسے کہ ان

یا ایھا الذین امنوا کونوا
قوامین للہ شھداء بالقسط
.... ان اللہ
خبیر بما تعملون .....
ولقد اخذ اللہ میثاق
بنی اسرائیل ....
فبما نقضھم میثاقھم لعنٰھم
.... ومن الذین
قالوا انا نصٰری اخذنا
میثاقھم فنسوا حظا مما
ذکروا بہ فاغرینا
بینھم العداوۃ والبغضاء
الی یوم القیٰمۃ

(مائدہ ۲ ع ۳/۲)

اور اس عہد کو جو اس نے تم سے لیا
ہے یاد رکھنا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سُن
لیا اور اطاعت قبول کی، خدا سے
ڈرتے رہنا، اللہ دل کی باتوں کو جانتا
ہے، اے مومنو! اللہ کے لئے عدل و
انصاف کو قائم رکھنا ....
بے شک اللہ تمہارے کئے سے باخبر ہے...
.... خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا،
پھر بوجہ ان کی عہد شکنی کے ان کو
راندۂ درگاہ کر دیا ..... اور نصاریٰ
سے ہم نے عہد لیا، وہ اس کا ضروری
حصہ جس کے یاد رکھنے کی ان کو تاکید کی
گئی تھی بھول گئے، تو ہم نے ان کے درمیان
قیامت تک بغض و عداوت ڈال دی۔

ان آیات میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی تھی کہ تم نے جو فرمانبرداری کا عہد خدا سے باندھا ہے، اُسے اچھی طرح یاد رکھنا، خدا تمہارے عمل کا نگران رہے گا، کہ تم عہد کو نبھاتے ہو کہ نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ایسا ہی عہد ہم نے بنی اسرائیل سے لیا تھا، جب انہوں نے اُسے توڑا تو خدا نے ان کو راندۂ درگاہ کر دیا اور ایسا ہی عہد نصاریٰ سے لیا تھا، جب وہ اُسے بھول گئے، تو ان کے درمیان باہمی عداوت رونما ہو گئی، جس سے وہ اس وقت تک نجات نہیں پا سکتے، جب تک وہ پیغمبر وقت پر ایمان لا کر حق پر قائم نہ ہوں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ خدا کی نافرمانی سے بچنا۔ اگر وہ دیکھے گا کہ تمہارا اور یہ نسل بخش نہیں تو تمہاری صف لپیٹ دے گا اور دوسرے لوگوں کو تمہارا جانشین بنا دے گا جیسے کہ وہ سابقہ نافرمان قوموں کو مٹا کر دوسروں کو ان کی جگہ لاتا رہا۔

سورہ محمد ع ۴ میں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ اگر تم خدا سے منہ پھیر لو گے تو وہ تم سے اپنی نیابت اور خلافت واپس لے کر دوسری قوم کو دے گا جو تمہاری طرح خدا سے منہ پھیرنے والی نہیں بلکہ اس پر ایمان لانے والی ہوگی۔

ان تسمع الا من یؤمن
بایاتنا فہم مسلمون ۔ واذا
وقع القول علیہم اخرجنا
لہم دابۃ من الارض تکلمہم
ان الناس کانوا بایاتنا
لا یوقنون ۔ ویوم نحشر
من کل امۃ فوجا ممن
یکذب بایاتنا فہم یوزعون
حتی اذا جاءو قال
اکذبتم بایاتی ولم تحیطوا
بہا علما اماذا کنتم تعملون
ووقع القول علیہم بما ظلموا
فہم لا ینطقون ۔ الم یروا

(اے رسول) تو صرف اسے سنا سکتا
ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتا ہے اور
وہ مسلمان ہیں اور جب ان پر
قول واقع ہو جائے گا تو ہم ان کے
لئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں
گے جو ان سے کلام کرے گا کیونکہ
لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہ کرتے
تھے اور جس دن ہم تمام قوموں
سے آیات اللہ کو جھٹلانے والے
گروہوں کو اکٹھا کریں گے پھر وہ روکے
جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ
آئیں گے خدا ان سے کہے گا کہ
تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا حالانکہ

بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون

(نور ع ۷)

سے پہلے لوگوں کو بناتا رہا ہے اور ان کے دین کو مکنت بخشے گا، جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن میں بدل دے گا میری عبادت کریں اور میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں۔ اور جو اس کے بعد انکار کرے گا وہ عہد شکن ہوگا۔

ان آیات میں صاف بتایا ہے کہ مسلمان قوم کو ایسے ہی خلافت ارضی دی جائے گی، جیسے ان سے پہلی قوموں کو دی گئی۔ یعنی جب مسلمان قوم بگڑے گی اور خلافت کی اہل نہ رہے گی، تو یہ مقام ان سے چھین لیا جائے گا، جیسے پہلی قوموں سے چھینا گیا۔ یہ صرف اشارہ ہی نہیں بلکہ آیت مذکورہ کے آخری ٹکڑے میں صراحت ہے کہ جب مسلمان قوم انکار کرے گی تو وہ خود عہد کو توڑنے والی ہوگی، اس وقت ان سے خلافت چھن جائے گی، ذمہ داری خدا پر نہیں بلکہ اس قوم پر ہوگی جو عہد شکن ہوگی۔

(۲) ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ وان تکفروا فان للہ ما فی السموات وما فی الارض ...... ان یشأ یذھبکم ایھا الناس ویأت بآخرین وکان اللہ علی ذلک قدیرا۔ (نساء ع ۱۹)

ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو وصیت کی اور تمہیں بھی ہم کہتے ہیں، کہ خدا سے ڈرو، اگر تم انکار کرو گے، تو زمین و آسمان میں سب کچھ خدا کا ہے ...... اے لوگو! وہ اگر چاہے گا تو تم کو لے جائے گا۔ اور اور لوگوں کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور خدا اس امر پر قادر ہے۔

بگڑ جائیں گے، اور عنقریب کے عتاب کے نیچے آ جائیں گے۔

اگر دابہ مذکورہ کی حقیقت کو معلوم کرنا ہو تو سورۂ سبأ کی آیت کی طرف رجوع کریں، جو حضرت سلیمان کی حکومت کے زوال کے بارے میں آئی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ فلما قضینا علیہ الموت ما دلہم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ، کہ ہم نے سلیمان پر موت وارد کرنے کا فیصلہ کیا، تو اس کا وقوع ایک زمینی جانور کے ہاتھوں ہوا جو حضرت سلیمان کے عصا کو گھن کے کیڑے کی طرح کھا گیا۔ منساۃ سونٹے کو کہتے ہیں، جس سے چرواہا جانوروں کو قابو میں رکھتا ہے۔ یہاں سونٹے سے مراد طاقت حکومت ہے، جس سے رعایا کو قابو میں رکھا جاتا ہے۔ سورہ سبأ والی آیت اور آیت زیر بحث متوازی ہیں، جیسے کہ ذیل کے مقابلے سے عیاں ہو گا:۔

	آیت زیر بحث	آیت سورہ سبأ
پہلا ٹکڑا	واذا وقع القول علیہم	فلما قضینا علیہ الموت
دوسرا ٹکڑا	اخرجنا لہم دابۃ من الارض	ما دلہم علی موتہ الا دابۃ الارض
تیسرا ٹکڑا	تکلمہم	تاکل منساتہ

قضی ایک چیز کے خدا کے علم میں ہونے کو کہتے ہیں، اور قضا اس کے نفاذ یا وقوع کو۔ تکلمہم کے معنی ہیں تجرحہم۔ جیسے کلم زخم کو بھی کہتے ہیں، اور جراحت اسی سے ہے، اور جرح تنقیدی گفتگو کو بھی کہتے ہیں۔ پہلے ٹکڑے میں واذا فلما کے اور وقع قضینا کے مقابل ہے

انا جعلنا الیل لیسکنوا فیہ والنہار مبصرا ان فی ذلک لآیات لقوم یومنون ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الا من شاء اللہ وکل اتوہ داخرین وتری الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر مر السحاب ۃ

(نمل رکوع ۶)

تمہیں ان پر احاطہ علمی حاصل نہ تھا یہ تم نے کیا کیا؟ انسان کے ظلم کے سبب ان پر قول واقع ہو جائے گا، پھر وہ بات نہ کریں گے۔ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے رات کو اس لئے بنایا ہے کہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن بنایا ہے۔ اس میں بیشک ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں نشانیاں ہیں اور جب نرسنگا پھونکا جائے گا تو زمینوں اور آسمانوں والے سب گھبرا اٹھیں گے مگر جسے اللہ چاہے گا، (کہ وہ محفوظ رہے) اور سب بے بس ہو کر اس کے پاس آئیں گے، اور تو دیکھے گا کہ پہاڑ جن کو تو جمے ہوئے سمجھتا ہے بادل کی طرح گذرے جائیں گے۔

ان آیات کی بنا پر یہ مسلمہ ہے کہ جب مسلمان اللہ کی آیات کو نہ مانتے ہوں گے اور اس باعث سے مستوجب عذاب ہوں گے، تو دابۃ الارض نکلے گا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "یہ دابہ آخری زمانے میں لوگوں کے فساد کے وقت نکلے گا، جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ترک کر دیں گے، اور دین حق کو تبدیل کر دیں گے"

اور بیان القرآن میں ہے کہ "اس آیت کا تعلق مسلمانوں کی حالت بگڑ جانے سے ہے۔ اس باب میں اتنا ہی دکھانا مقصود ہے کہ برطبق قرآن شریف مسلمان قوم پر ایسا وقت آنے والا ہے جب نہ

مطلب ہوگا کہ آیات اللہ پر غور کرنے اور ان کی تہ تک پہنچنے کے بغیر خود ساختہ طور پر تم نے اپنے جو ل تصنیف کر لئے ہیں وہ سب ہوا ہو جائیں گے۔ اور ان پر مہر لگ جائے گی۔ ان سے کہا جائے گا کہ ساتوں آرام و سکون کے سبب نہ کہ فتنہ و فساد کے۔ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ ظلم و ستم کی سیاہ رات جو تمہارے فتنہ و فساد سے دنیا پر چھا گئی، ہمیشہ رہے گی اور اس کو ختم کرنے کا کوئی اقدام نہ کیا جائے گا؟ اس وقت بگل بجایا جائے گا، اور چھوٹے بڑے سب گھبراہٹ میں مبتلا ہو جائیں گے، سوائے ان کے جنہیں خدا محفوظ رکھے گا، اس وقت تمام سرکشیاں ختم ہو جائیں گی، اور سب نے پیکر فرمانبرداری اختیار کریں گے، اس وقت اے مخاطب! تو دیکھے گا کہ سچائی کے راستے میں جو مشکلات کے پہاڑ تھے اور جنہیں تو خیال کرتا تھا کہ کبھی ہلنے والے نہیں، بادل کے گذرنے کی طرح گذر جائیں گے، اور مطلع صاف ہو جائے گا۔ بادل جب انسان میں اور آفتاب میں حائل ہو جاتا ہے تو انسان نہ آفتاب کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اس کی روشنی اور حرارت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پیغمبر آفتاب صداقت ہوتا ہے اور دنیا کے ہوا و ہوس اور بدکاریوں کے بادل دنیا میں اور اس میں حائل ہو جاتے ہیں، اللہ کے بادلوں میں آنے کے یہی معنی ہیں۔ جیسے کہ فرمایا۔ ھل ینظرون الا ان یاتیہم اللہ فی ظلل من الغمام ۵ (بقرہ ع ۲۵)

قرآن کا اٹھایا جانا اور اسلام کا باقی نہ رہنا

سورۂ مومنون میں ہے:۔ وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکنّٰہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ لقادرون ۵ کہ ہم بادل سے بقدر

قول جس سے مراد عذاب یا ہلاکت ہے۔ موت کے مقابلہ پر ہے۔ دوسرے ٹکڑے میں دونوں جگہ دابۃ الارض کا ذکر ہے، فرق یہ ہے کہ سورہ سبا کی آیت میں دابۃ الارض کہا ہے، جس کے معنی ہیں زمین کا ایک جانور اور آیت زیر بحث میں دابۃ من الارض کہا ہے، جس کے معنی ہیں زمین سے نمودار ہونے والا جانور، یعنی سورہ سبا والی آیت میں دابۃ ایک فرد ہے اور آیت زیر بحث میں اسم جنس، جس میں اس جنس کے سارے جانور شامل ہیں تیسرے ٹکڑے میں تکلمھم بمعنی تجرحھم ہے، جو تاکل منساتہ کے مقابل ہے۔ تکلمھم کا لفظ لانے میں یہ حکمت ہے کہ ایک طرف دابہ مذکورہ کے انسانوں میں سے ہونے پر دلالت کرے، کیونکہ کلام انسان کا خاصہ ہے، اور دوسری طرف اس بات پر کہ دابہ مسلمانوں کو گھائل کر دے گا۔

غرض جس طرح حضرت سلیمان کی سلطنت و حشمت ان کے ناخلف جانشین کے ہاتھوں سے اس کی پستی فطرت کی وجہ سے زمینی جانور کہا گیا ہے، برباد ہوئی اسی طرح مسلمانوں کی قوت و حشمت ناخلف جانشینوں کے ہاتھوں برباد ہوگی، جن میں وہ خلافت کو چاک کرنے والے حکمران بھی شامل ہیں اور علماء سو بھی، جو ... نازل شدہ آیات کا تو عملاً انکار کرنے ہی لگے، اور ان کی زبان حال بتا رہی ہوگی کہ سابقہ نازل شدہ قرآنی آیات پر بھی ان کو کوئی یقین باقی نہیں رہا، وہ تفرقہ و فساد کے تیر سے مسلمانوں کی قومی زندگی کو زخم کاری لگا کر ناکارہ اور ناقابل رفتار کر دیں گے، اگلی آیت میں بتایا ہے کہ جس زمانے میں مسلمان انکار آیات اللہ کی وجہ سے زیر عذاب ہوں گے، باقی قوموں کے مجرموں کو بھی جنہوں نے آیات منزلہ کو جھٹلایا ہوگا اکٹھا کیا جائے گا، اور بازپرس کے لئے روکا جائے گا، ان سے جواب

گا اور مسلمان کہ اسلام سے سوائے نام کے اور قرآن سے سوائے اس کے حروف
کے کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔ جانے غور ہے کہ رسول اللہ تو فرما رہے ہیں کہ اسلام
اور قرآن دونوں نے ایک وقت تک رہنا ہے۔ اس کے نتیجے نہ اسلام
باقی رہے گا نہ قرآن اور مسلمان یہ دعویٰ کریں کہ جب تک کرۂ ارض
قائم ہے اسلام اور قرآن باقی رہیں گے۔ ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

سورۂ اعلیٰ میں ہے:- سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ
اے رسول ہم تمہیں قرآن پڑھائیں گے، سو تو اسے نہ بھولے گا، مگر
اس میں سے جو کچھ اور جب اللہ چاہے گا تو بھول جائے گا۔ یہی ما
ننسخ من آیۃ او ننسہا کے تحت بتایا گیا کہ سابقہ کتاب کی
بنیادی تعلیم کی کتاب میں منتقل ہو جاتی ہے، اور اس کا وہ حصہ جو
وقتی تھا فراموش کرا دیا جاتا ہے۔ سورہ اعلیٰ کی آیت کا منشا یہ ہے
اے رسول تو قرآن کو نہ بھولے گا، ان خدا ننسہا کے تحت اس
کا جو حصہ جب چاہے گا فراموش کرا دے گا، یعنی آئندہ زمانے میں اس کا
یہ حصہ مسلمانوں کے ذہن سے نکل جائے گا، اور دوبارہ رائج نہ ہو سکے
گا۔ بعض علمائے کاتبی عذر نے یہ لکھ دیا ہے کہ الا ما شاء اللہ
سے قرآن کے علاوہ دوسری باتیں مراد ہیں، جن میں سے کوئی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بتقاضائے بشریت بھول بھی جایا کرتے
تھے۔ حالانکہ الا حرف استثنا ہے، ما شاء اللہ مستثنیٰ ہے اور لا
تنسیٰ جس کا مفعول قرآن محذوف ہے، مستثنیٰ منہ ہے۔ پس ما شاء اللہ
ان کے بھولنے کے متعلق وہی ہو سکتا ہے جو کہ قرآن کے سوا دوسری

ضرورت پانی آتا رہتے ہیں اور اُسے زمین پر پھیلاتے ہیں اور ہم اُسے اُٹھا لے جاتے چراغ سا رکھتے ہیں۔ قرآن شریف میں وحی الٰہی کو بار بار بارش سے تشبیہ دی ہے۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ ہم نے جو روحانی بارش قرآن کی شکل میں برسائی ہے، جب چاہیں گے، اسے اٹھا لے جائیں گے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں اس مضمون کو بالکل صاف کر دیا ہے۔

ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک ثم لا تجد لک به علینا وکیلا۔ کہ جب ہم چاہیں گے، قرآن کو جو ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اُٹھا لے جائیں گے، اور اس وقت تجھے تیری قوم کوئی مددگار نہ پائے گی، جو ہمیں اسے اُٹھا لے جانے سے روک سکے۔

جب قرآن نازل ہوا، اور خدا نے اُسے زمین پر قائم کرنے کا ارادہ فرمایا، تو مخالفوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ یہ جڑ پکڑنے اور رائج ہونے نہ پائے، لیکن خدا کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ وہ خود تباہ ہو گئے اور قرآن قائم ہو گیا۔

اسی طرح جب خدا اپنی مصلحت سے نیا پروگرام دینا چاہے گا، قرآن لوگوں کے علم و عمل سے نکل جائے گا، اور مسلمان اس کے شرائع اور احکام کو دوبارہ رائج نہ کر سکیں گے۔ اس وقت مسلمان جو قرآن کو خود چھوڑ چکے ہوں گے، تو محض ضد کے طور پر کہتے کہیں گے کہ شریعت اسلام کے جملہ احکام باقی رہیں گے لیکن ان کا اپنا عمل ان کے دعوے کو جھٹلاتا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے:-

لا یبقیٰ من الاسلام الا اسمه ولا من القرآن

پھینے رسول بھیجے تم کو ایک شریعت پر قائم کیا جو امر ہے۔ پس شریعت موسوی بھی امر تھا اور شریعت اسلامی بھی امر ہے۔

آیۃ یُدبّر الامر میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ شریعت اسلام کی تدبیر یعنی امر کا نزول، احکام اور تفصیلات، یہ تدبیر امر کا انتہا تین سو سال کا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جسے آنحضرت نے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم فرمایا کہ بہترین زمانہ میرا ہے، پھر تابعین کا پھر تبع تابعین کا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ فیج اعوج یعنی کجی کا زمانہ ہے۔ اور اس کجی کے زمانے کے آخر پر وہ وقت ہے، جس کے متعلق فرمایا کہ سوائے نام کے اسلام سے کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے اسلام کی تدبیر کے بعد اور اس کے بعد فیج اعوج یا زوال اسلام کا زمانہ ہے جس کی میعاد صادق مصدوق آیۃ مذکورہ میں ایک ہزار سال بتائی ہے، یہی مضمون حدیثوں پر ہے۔ چنانچہ سورہ طٰہٰ میں شروع زوال اسلام سے ہزار سال ہیں۔ اور سورہ فجر میں ابتدائے اسلام سے تیرہ صد سالہ بعد قیام مدت مذکور ہے، جیسا کہ آگے مفصل ذکر آئے گا۔

باتوں کو بھولنے کے متعلق۔ علاوہ ازیں جب یہ بات کہ آنحضرتؐ بتقاضائے بشریت کوئی بات کبھی بھول بھی جاتے تھے، تو اس فقرہ میں آگیا کہ ہم تمہیں قرآن پڑھائیں گے اور ہمارے پڑھانے کی تاثیر یہ ہوگی کہ جہاں کوئی دوسری بات آپ کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ قرآن کو نہ بھولیں گے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آنحضرتؐ کبھی کوئی حصہ قرآن کا نہیں بھولے۔ پس آیت زیر غور کے معنی سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتے کہ آئندہ زمانے میں جب کہ جب اور جو حصہ قرآن کا خدا چاہے گا ننسہا کے تحت فراموش کرا دے گا۔

قرآن اور اسلام کے باقی نہ رہنے کا وقت

نہ صرف قرآن کا ایک زمانہ میں مرفوع ہو جانا ہی لکھا ہے بلکہ اس کے مرفوع ہونے کا وقت بھی لکھا ہے، چنانچہ فرماتا ہے یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔ کہ خدا تدبیر امر کر رہا ہے۔ تدبیر امر مکمل ہو چکنے کے بعد ہزار سال کے عرصہ میں یہ امر خدا کی طرف چڑھ جائے گا۔ امر سے مراد شریعت ہے، جیسے فرمایا ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتب والحکم والنبوۃ .... وآتیناھم بینات من الامر .... ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر (جاثیہ ع ۲) کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کی ...... اور انہیں امر کی بینات دیں ......

دنیا میں مسلمانوں کے اختلافات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ
ما انزل اللہ قوموں کے فیصلے خدا نے ہمیشہ رسول بھیج کر کئے۔ ... اور ... رسول
... ہر قوم کی قیامت قائم ہوتی رہی ہے۔ مسلمان قوم کی قیامت
... اسی دنیا میں ہی قائم ہونے والی ہے جس سے مراد ان کے اختلاف
فیصلہ کے آئندہ رسول کا ظہور ہے۔ آگے چل کر انہیں آیات میں ذکر
... اے مسلمانو! اس وقت تم خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنے کی پاداش
... عذاب کا مزہ چکھو گے اور عذاب عظیم میں گرفتار ہو گے۔ یہ فقرہ کہ تم
... لوگوں کو روکنے کی پاداش ... عذاب ... ہو گے، نہایت
... اور قابل غور ہے۔ یہ کونسی اللہ کی راہ ہے جس سے مسلمان قوم اس وقت
لوگوں کو روکتی ہے ... مسلمانوں کی ... لوگوں کو مسلمان ہونے سے ... قرآن
... اس کی کوئی مثال تاریخ میں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی راہ جس
... اس وقت مسلمان قوم لوگوں کو روکتی ہوگی، نئے پیغمبر کا مذہب ہے جو
... قیامت اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے ظاہر ہوگا۔ سوائے اس کے
... کوئی معنی اس فقرے کے سمجھ میں نہیں آتے۔ اور یہ آیات آئندہ رسول کے ظہور
... واضح ہیں۔
... آیت استخلاف ... ہے کہ مسلمانوں کو اسی طرح خلافت الٰہی دی جائے
... جیسے ... قوموں کو دی جاتی رہی۔ آخر پر فرمایا ہے "ومن کفر بعد
ذٰلک فاولئک ھم الفاسقون"۔ پھر جو کفر کرے گا وہ عہد شکن
... کفر سے آئندہ رسول کا انکار مراد ہے نہ کہ اسلام سے ارتداد
... والی آیت میں "ان تکفروا" ... الف لام اور سورہ ... ثانی
... آیات متواتر کے الفاظ ... اور روگردانی کا ذکر ہے۔

آئندہ رسول

مسلمانوں کے تنزل کے باب میں جو آیات اوپر نقل ہو چکی ہیں ان پر مکرر نظر ڈالیں :-

۱- سورۃ آل عمران کی آیت میں مسلمانوں کو تفرقہ سے باز رہنے کی نصیحت کر کے متنبہ کیا گیا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے، جب تمہیں کہا جائے گا، کہ پہلے تو تم ایمان لاتے تھے، اب انکار کرتے ہو؟ آنے والا وقت آئندہ رسول کے ظہور کا وقت ہے۔ جو مسلمان قوم کی تباہ حالت ہے۔ پہلے ایمان لانے سے حضرت محمدؐ پر ایمان لانا مراد ہے اور ایمان کے بعد تفرقے۔ آئندہ رسول کا انکار۔ آیت کے پہلے حصے سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام سے مرتد نہیں۔ بلکہ کفر سے مراد ارتداد عن الاسلام نہیں۔ یہ آخری زمانے کے برائے نام مسلمان ہیں، جو پہلی قوموں کی طرح تفرقہ کر چکے ہیں۔ اور ان کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے سنت اللہ کے مطابق نیا رسول آتا ہے جس کا یہ انکار کرتے ہیں۔ اس وقت انہیں کہا جاتا ہے۔ کہ تم وہ قوم ہو جو اس وقت تک ظاہر ہونے والے سارے رسولوں کو مانتے رہے ہو۔ کیا اب اس رسول کو ترک کر کے آئندہ رسول کا انکار کرتے ہو؟ اچھا اگر تم کفر سے باز نہیں آتے تو اس کا نتیجہ بھگتو۔

فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون ؛

۲- سورۃ نحل کی آیات میں یہ بتایا گیا کہ مسلمان قوم کیونکر باہمی تفرقہ اور اختلافات کے باعث اپنا کاتا ہوا سوت خود توڑ دے گی۔ نیز یہ کہ

لنے کا ذکر بھی ہے اور بگل بجایا جانے، تمام منکروں کے گرفتار شروع ہونے
اجزی سے فرمانبرداری اختیار کرتے اور حق کے راستے سے مشکلات کے تمام
ہونے دور ہو جانے کا بیان بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت
یغمبر ظاہر ہوگا، اگر پیغمبر نہ ہوگا تو آیات حق کو جھٹلانے کی وجہ سے مسلمانوں
ور باقی تمام قوموں کو سزا دی جائے گی، کس ذریعے سے نازل ہوں گی؟
تمام حجت کیونکر ہوگا۔ اور عذاب کا وعدہ کون دے گا؟ جب وعدہ
ی نہ دیا گیا تو پورا کیا ہوگا وعدہ، کونسا قول مسلمانوں اور باقی قوموں پر
اقع ہوگا؟ اگر یہ کہا جائے کہ آیات سے مراد آیات قرآنی ہیں، تو
س زمانے میں جب مسلمان جو حامل قرآن تھے، خود زیر عتاب ہوں گے،
ور قرآن ان کے اپنے علم و عمل سے نکل چکا ہوگا، اسے پیش کون کرتا ہوگا
ر کہ جھٹلانے کی نوبت آتی، ہاں خدا کی تمام کتابیں بنیادی طور پر ایک ہی ہیں
ور کسی ایک کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے۔ سو یہ صحیح ہے کہ تازہ نازل ہونے
ی آیات کے انکار کا سبب بھی قرآن پر سے ایمان و ایقان کا اٹھ جانا ہی
وگا، اس طرح انکار آیات میں قرآن کی آیات کا انکار بھی شامل ہے۔
ور اس زمانے میں نازل ہونے والی آیات کا بھی۔

غرض نفخ صور، نزول آیات، مکذبین سے بازپرس، مومنین اور منکروں
اپنے اپنے اعمال کا بدلہ ملنے، حق کا راستہ صاف ہو جانے اور سب
لوگوں کے عاجزی اور فرمانبرداری اختیار کرنے سے عیاں ہے کہ اس زمانہ میں
ظیم الشان پیغمبر کا ظہور ہوگا۔

۔ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶ میں ہے:-

وان من قرية الا نحن مهلكوها قبل يوم القيامة

(۴۸) یہ آئندہ رسول کے [illegible] بھی [illegible] ہے [illegible] اب مسلمان قوم کی بجائے [illegible] حضرت [illegible] سے حبیب اللہ [illegible] رسول کا [illegible] ان سے جھگڑنے پر آئے [illegible] وعدے خدا کی [illegible] کا عہد توڑ ڈالتے ہیں [illegible] تمام حجت ہو چکنے کے بعد اُن سے خلافت چھین لی جاتی ہے اور دوسری قوم ان کا جانشین [illegible] سابقہ قوموں کی صورت میں ہوتا رہا ہے سابقہ قوموں [illegible] بھیجے بغیر چھینی گئی۔ مسلمانوں کی خلافت رسول بھیجے بغیر چھینی جائے گی [illegible] آیات آئندہ رسول کے ظہور کو [illegible] تباہی [illegible] آیت کے نیچے جناب علامہ مولوی [illegible] صاحب کی تفسیر میں حسب ذیل درج ہے :-

"[illegible] امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ ...... اگر تم سب کے سب [illegible] سے پھر جاؤ تو اللہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو کھڑا کر دے گا۔ روح المعانی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں، جن کا یہاں ذکر ہے۔ تو آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا یہ اور اس کی قوم اور پھر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر ہو تو فارس کے کچھ لوگ سے واپس لائیں گے"

(۴۹) سورہ نمل کی آیت میں جہاں [illegible] پر آیات اللہ کے انکار کی وجہ [illegible] قوموں کا [illegible] کا ذکر ہے [illegible] قوموں [illegible] سے بھی [illegible] کو جھٹلانے کے [illegible] نزدیک ہونے اور ان پر قول واقع ہونے [illegible]

بعد میں آئے گا ۔ "بات دیکھ لو اور سمجھ لو" یہ سارا انقلاب دو تین
ایسے ہوگا جو اہل ارض کے فائدے کے لئے کی جاتی ہیں ، دیکھئے تب
قیامت کا ذکر کیا ہے ۔ سورۃ طہٰ میں بھی ذکر کیا ہے ۔ اس وقت وحی
ہی ہوگا اور وہ یہ ہے کہ وحی پیغمبر کے ذریعہ ہی بھیجی ہے ۔ واضح ہے کہ اوحی لها
فرمایا ہے اوحی الیہا نہیں فرمایا ۔ اس لئے اس کے معنی یہ نہیں ہو سکتے ہیں کہ خدا زمین کو
وحی کرے گا ، بلکہ یہ معنی ہیں کہ خدا اہل زمین کے فائدہ کے لئے وحی کرے
گا ۔ پس قیامت میں پیغمبر زندگی ہی کی سر تا پا بنتی ہے ۔

وقد آتیناک من لدنا
ذکرا ۔ من اعرض عنه
فانه یحمل یوم القیامة
وزرا ۔ خلدین فیه
وساء لهم یوم القیمة
حملا ۔ یوم ینفخ فی الصور
ونحشر المجرمین یومئذ زرقا
یتخافتون بینهم ان
لبثتم الا عشرا ۔ نحن
اعلم بما یقولون اذ
یقول امثلهم طریقة ان
لبثتم الا یوما ۔ ویسئلونک
عن الجبال فقل ینسفها ربی
نسفا ۔ فیذرها قاعا

ہم نے تجھے اپنے پاس سے ذکر عطا
کیا ہے جو اس سے منہ پھیرے گا ،
وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے
گا ۔ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ، اور قیامت
کے دن ان کا بوجھ برا ہوگا ۔ (۳) اس
دن بگل بجایا جائے گا اور ہم مجرموں
کو اس دن اندھے محشور کریں گے وہ
آپس میں سرگوشیاں کریں گے کہ تم
صرف دس دن ٹھیرے ہو ۔ ہم خوب
جانتے ہیں جو وہ کہیں گے ، جب کہ
ان میں سب سے زیادہ اچھا ہوگا کہ تم
صرف ایک دن ٹھیرے تھے ۔ تجھ سے پہاڑوں
کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ کہ خدا ان کو جڑ
سے اکھاڑ کر بکھیر دے گا ۔ اور ان کو

او معذبوها عذابا شديدا اور رکوع ۲ میں ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ پہلی آیت میں قرب قیامت میں ہر بستی کو ہلاک کرنے یا سخت عذاب دینے کا وعدہ ہے اور دوسری آیت میں سنت اللہ بیان فرمائی ہے کہ جب تک رسول بھیج کر اتمام نہ کر لیا جائے، خدا عذاب نہیں دیا کرتا۔ ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے قطعی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں رسول ظاہر ہوگا۔

(۴) سورہ زلزال میں ہے:-

اذا زلزلت الارض زلزالها واخرجت الارض اثقالها وقال الانسان ما لها یومئذ تحدث اخبارها بان ربک اوحی لها یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالهم

جب زمین بہ شدت ہلائی جائے گی، اور وہ اپنے بوجھ باہر نکال دے گی اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی بوجہ اس کے کہ رب نے اس کو وحی کی اور اس دن لوگ اپنے اپنے عمل کا بدلہ پانے کے لئے نکل پڑیں گے

ان آیات میں زلزلۂ قیامت کا ذکر ہے، جس سے زمین اپنے دفینے نکال دے گی، اور علم طبقات الارض کے ذریعہ اپنی کہانی بھی کہہ سنائے گی اور اہل زمین کے دل و دماغ میں بھی ایسی بیداری پیدا ہو گی، اور علوم اس قدر ترقی کر جائیں گے کہ انسان کہہ اٹھے گا

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اس وقت سب لوگ اپنے عمل کا بدلہ پانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، یہ مادی، علمی اور روحانی انقلاب جو دنیا کو نئی دنیا بنا دے گا، کیونکہ

اچھی طرح غور کرکے دیکھ لیں [illegible] سے ہزار سال بعد آنے والے
زمانہ کا نہ صرف نام ہی [illegible] تبصرہ رکھا ہے ۔ بلکہ [illegible] بجایا جانا ۔ مجرموں کو
اکٹھا کرنا، پہاڑوں کا [illegible] ۔ زمین کا ہموار چٹیل میدان بن جانا ۔
آوازوں کا خدا کے حضور دھیما پڑ جانا [illegible] شفاعت کا [illegible]
[illegible] قیامت کب ہے اور صفت یہ ہے کہ جس اس روز بھی خدا کی طرف
بلانے والے رسول اور اس کی تعلیم القرآن کا مہیا ہونے کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا
جب خدا کہتا ہے کہ [illegible] سال بعد قیامت [illegible]
میں رسول ظاہر ہوگا ۔ تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ یہ کہے کہ رسول آنے والا
آخری نبی [illegible] اور قیامت [illegible] کے بعد آئے گی ؟

۸ ۔ سورۂ فجر میں ہے :-

والفجر و لیال عشر ، والشفع والوتر	قسم ہے فجر [illegible]
واللیل اذا یسر ، هل فی ذلک قسم	[illegible] جب چلی جائے
لذی حجر	. . . . [illegible]
کلا اذا دکت الارض دکا دکا	[illegible]
وجاء ربک والملک صفا	[illegible]
صفا وجیئ یومئذ بجہنم	[illegible] جہنم [illegible] . . . .
. . . . . یا ایتها النفس	. . . [illegible] اپنے رب
المطمئنۃ ارجعی الی ربک	کی طرف [illegible]
راضیۃ مرضیۃ ۔ فادخلی	[illegible]
فی عبادی وادخلی جنتی	[illegible]
(فجر)	[illegible]

صفصفاً لا ترى فيها عوجاً
ولا امتاً ۔ يومئذ يتبعون
الداعي لا عوج له وخشعت
الاصوات للرحمن فلا
تسمع الا همساً ۔ يومئذ
لا تنفع الشفاعة الا من
اذن له الرحمن ورضي
له قولا ۔
(طٰهٰ - ع ۶)

ہموار میدان کر دے گا۔ تو تُو
اس میں کوئی کجی دیکھے گا نہ بلندی و
پستی۔ اس دن دعوت دینے والے
کی پیروی کریں گے جس میں کوئی
کجی نہیں اور رحمان کے سامنے آوازیں
دھیمی ہو جائیں گی۔ تو صرف ہلکی
آواز سنے گا۔ اس دن شفاعت کوئی
فائدہ نہ دے گی، سوائے اس کے جس کے
لئے رحمن اجازت دے اور اپنی حضور میں
اس کا بولنا پسند فرمائے۔

ان آیات میں بتایا ہے کہ قیامت کے روز جب بگل بجایا جائے گا، مجرموں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ وہ آپس میں گفتگو کریں گے کہ ہم صرف دس صدیاں ٹھہرنے پائے ہیں کہ قیامت قائم ہو گئی ہے۔ اس کا جواب دیا ہے۔ کہ تم ایک دن یعنی ہزار سال کی میعاد جو بروئے آیۂ کریمہ ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون تمہارے لئے مقرر تھی، پوری کر چکے ہو۔ تمہارا گمان فضول ہے۔ اس کے آگے ساتھ ہی یوم قیامہ میں بلانے والے رسول اور اس کی عظیم الشان کامیابی کا ذکر ہے، کہ جو سخت مشکلات کے پہاڑ عالمگیر دعوتی احیاء کے راستہ میں ہیں۔ وہ ریزہ ریزہ کر کے صاف کر دیا جائے گا۔ اس وقت خدا کی طرف بلانے والے کی پیروی کریں گے، ساری سرکشی دور ہو کر آوازیں رحمن کے حضور دھیمی پڑ جائیں گی۔ اور اس وقت خدا کے اذن کے سوا کسی کی شفاعت کام نہ آسکے گی۔

ترجمہ۔ یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذٰلک یوم الخروج ۔" کہ منادی کرنے والے کی آواز سننے کے لئے کان لگائے رہنا، جو مکان قریب سے ندا بلند کرے گا۔ جس دن وہ سچائی کی آواز سنیں گے۔ یہی مردوں کے جی اٹھنے کا دن ہے۔ اس آیت میں مکان قریب سے مراد بیت المقدس بتایا گیا ہے اور منادی کرنے والے سے جبرئیل جو قیامت بپا کرنے کے لئے وہاں سے آواز بلند کرے گا۔ سورۂ آل عمران میں ہے ربنا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان آمنوا یعنی کہ ہم نے منادی کرنے والے کو سنا جو یہ منادی کرتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ یہاں منادی کرنے والے سے مراد پیغمبر ہے۔ پس سورۂ ق والی آیت میں بھی منادی کرنے والے سے پیغمبر ہی مراد ہے، جو روز قیامت میں مبعوث ہوگا۔ اور ایمان کی دعوت دے گا۔

پیغمبر کی آواز بھی جبرئیل کی آواز ہی ہوتی ہے، کچھ شک نہیں کہ اس آیت میں بیت المقدس کے قریب رسول کے ظاہر ہونے اور حشر بپا ہونے کا ذکر ہے۔

بیت المقدس کے ماحول میں پیغمبر ظاہر ہونے کا پتہ آیات ذیل سے بھی لگتا ہے:-

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا -

(بنی اسرائیل ع۱)

پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے بیت المقدس کو راتوں رات لے گیا، جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا تاکہ اسے اپنی آیات دکھلائیں۔

داخل ہونے کے معنی یہ بیان کئے ہیں۔ رب کے آنے سے مراد ظہور پیغمبر
ہے، جو مظہر ظہور الٰہی ہوتا ہے۔ جہنم اور جنت مسلمہ طور پر احوال قیامت میں
سے ہیں۔ خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے مراد ایمان لا کر پیغمبر کی جماعت
میں داخل ہونا ہے اور یہی خدا سے راضی ہونا ہے، کیونکہ جو خدا کے حکم سے
جو پیغمبر کے ذریعہ آتا ہے راضی ہوتا اور اسے پسند کرتا ہے۔ وہی ایمان دار
ہے، جب بندہ خدا سے راضی ہو کر اور ایمان لا کر پیغمبر کی جماعت میں داخل
ہوتا ہے۔ تو خدا اس سے راضی ہو کر اس کی بندگی کی وجہ سے اسے جنت
میں داخل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز صرف جنت میں
داخل ہی نہیں ہونا ہے کہ عام خیال ہے، بلکہ اس روز پیغمبر مبعوث ہوتا
ہے خدا کے بندوں میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے، پھر جو اس دعوت
کو قبول کرتا ہے پیغمبر کی جماعت میں داخل ہوگا، اس نے جنت میں داخل ہونا
ہے۔ پس یہ مضمون سورہ فجر کے مضمون سے ملتا ہے، وہاں بتایا ہے کہ قیامت
شریعہ زوال اسلام سے ہزار سال بعد قائم ہوگی، تو یہاں شفع اور وتر اور دس
راتوں کے بعد آنے کے باب۔ بتایا قیامت قائم ہونے، مظہر ظہور الٰہی کے مبعوث
ہونے، [illegible] جہنم پیدا ہونے اور ایمان لانے والوں کو
جنت میں داخل کرنے کا ذکر ہے۔ پس کچھ شک نہیں کہ شفع اور وتر سے پیغمبر
اسلام کی [illegible] صدیاں اور دس راتوں سے زوال اسلام کی دس صدیاں مراد
[illegible] جہت [illegible] بات [illegible] عالمگیر پیغام پر روحانی احیا
[illegible] ذکر ہے۔ غرض قیامت کو ابتداء اسلام سے قریباً تیرہ صدیاں
[illegible] ہونا ہے یعنی چودھویں صدی کا [illegible] قیامت ہے
۹۔ سورۃ ق میں ہے۔ واستمع یوم ینادی المناد من مکان

جبریلؑ اور ظہور پیغمبر کی وجہ سے بیت المقدس کے ماحول کو بنی اسرائیل والا نہ ہونے دیا گیا ہے۔ ورنہ بیت المقدس کو جو برکت حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے دی گئی تھی وہ تو یہودیوں کے بگڑ جانے اور بیت المقدس کے برباد ہو جانے سے (ولیدخلوا المسجد کما دخلوه اول مرة ولیتبروا ما علوا تتبیرا (بنی اسرائیل ع ۱ پ ۱۵) چھین لی گئی تھی۔ ماسوائے اس کے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت میں بیت المقدس کے ماحول کو برکت دینے کا ذکر ہے نہ کہ خود بیت المقدس کو۔ آنحضرتؐ کے وقت میں مکہ معظمہ کو برکت دی گئی تھی جہاں خدا کا رسول تھا نہ کہ بیت المقدس یا اس کے ماحول کو۔ صرف بیت المقدس کے ماحول کے لیے اس وقت بارکنا کا لفظ استعمال کرنے اور آنحضرتؐ کو اپنی آیات دکھانے کے لئے وہاں لے جانے کا مطلب یہی تھا کہ بیت المقدس کے ماحول میں آپ کے بعد ایک زمانہ میں جبریلؑ کا نزول اور پیغمبر کا ظہور ہونے والا تھا جس کے ظہور سے زوال قیامت قائم ہونی تھی۔ اور نسل انسانی کو جنت میں داخل ہونا تھا۔ یہی پیغمبر سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

۱۰۔ مسلمانوں کا پرانا عقیدہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے قریب منارہ دمشق پر نزول فرمائیں گے۔ اور وہ قیامت کا نشان ہوں گے یعنی ان کے ساتھ ہی قیامت برپا ہوگی۔ اور اس عقیدہ کی بنیاد قرآن کی اس آیت پر ہے۔

ولما ضرب ابن مریم مثلا	کہ جب ہم نے ابن مریم کو بطور
اذا قومک منہ یصدون	مثال بیان کیا۔ تو تیری قوم چلا
۔۔۔۔۔۔ ان ھو الا	اٹھی ۔ ۔ ۔ وہ صرف ایک
عبد انعمنا علیہ وجعلناہ	بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا

ولقد رآه نزلة اخرى عند سدرة المنتهى عندها جنة المأوى۔ اذ يغشى السدرة ما يغشى۔ ما زاغ البصر وما طغى۔ لقد رأى من آيات ربه الكبرى

(نجم ع ۱)

اور آپ نے دوسری دفعہ نازل ہوتے بھی سدرۃ المنتہی پر اس کو دیکھا اس کے پاس جنت ہے جو ماویٰ قرار ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نہ آنکھ پھری نہ حد سے بڑھی بے شک آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

پہلی آیت میں ذکر ہے کہ خدا رسول اللہ کو شب معراج میں بیت المقدس لے گیا جس کے ماحول کو خدا نے برکت دی ہے۔ تاکہ آنحضرت کو اپنی آیات دکھائے۔

سورہ نجم میں یہ بتانے کے بعد کہ رسول اللہ کو جبرئیل نے تعلیم دی ہے (علمہ شدید القویٰ) جسے آنحضرت نے افق اعلیٰ پر دیکھا (وھو بالافق الاعلیٰ) آیات زیر بحث میں فرمایا کہ آنحضرت نے جبرئیل کو دوسری بار یعنی جو آنحضرت پر جبرئیل کا نزول ہوا۔ اس کے علاوہ سدرۃ المنتہی کے پاس نازل ہوتے دیکھا۔ جس کے پاس جنت ہے، اور کہ آنحضرت کو اس میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی قرار دی تھی۔ آنحضرت نے جبرئیل کو دوسری بار نازل ہوتے دیکھا ہے اور اسی نزول میں اپنے رب کے بڑے بڑے نشان دیکھے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل اور سورۂ نجم کی دونوں آیتوں میں خدا کی آیات دکھانے کا ذکر ہے، اور یہ آیات جبرئیل کے نزول ثانی کی آیات ہی ہیں، جو آپ کے بعد بیت المقدس کے ماحول میں ظاہر ہونے والے پیغمبر پر نزول ہے۔ اسی نزول

یعنی ایسا انقلاب عظیم ہوگا۔ جو یہاں تک ذات سب سے فرشتوں کو بھی سمجھ آ گئی پس اس آیت کی رو سے جو مسلمانوں کے پرانے عقیدہ کی رو سے جو قیامت کے آنے کے دنوں کا جب مسیح کی آمد ثانی کہا جاتا ہے ظہور ہوتا ہے۔

۱۱۔ قیامت بڑی کب اور کیوں کر قائم ہوگی؟

فاذا جاء وعد ربی جعله دکاء وکان وعد ربی حقا ۰ وترکنا بعضهم یومئذ یموج فی بعض ونفخ فی الصور فجمعنهم جمعا ۰ وعرضنا جهنم یومئذ للکفرین عرضا ۰ الذین کانت اعینهم فی غطاء عن ذکری وکانوا لا یستطیعون سمعا ۰ (کہف ع ۱۱)

پس جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو وہ ہموار کر دیا جائے گی اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ اس روز ہم ان میں سے بعض کو بعض میں موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور بگل بجایا جائے گا۔ اور ان کو اکٹھا کیا جائے گا اور کافروں کے سامنے جہنم پیش کر دی جائے گی۔ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے اندھی اور کان نا شنوا تھے۔

ان هذه امتکم امة واحدة وانا ربکم فاعبدون ۰ وتقطعوا امرهم بینهم ۰ کل الینا راجعون ۰ فمن یعمل من الصلحت وهو مؤمن فلا کفران لسعیه ۰ وانا

یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری عبادت کرو۔ لوگوں نے اپنے امر کو اپنے درمیان ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تمام کو ہمارے حضور حاضر ہونا ہے۔ جو نیک کام کرتا ہے اور مومن ہے

مثلاً لبنی اسرائیل - ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ فی الارض یخلفون وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا واتبعون ؕ

(زخرف ع ۶)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا۔ اور اگر ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے پیدا کر دیں جو زمین میں تمہارے جانشین ہوں۔ اور وہ (ابن مریم) ساعت کا نشان ہے پس ساعت کے بارہ میں مت جھگڑو۔ میری پیروی کرو۔

مسلمان تیرہ سو سال سے مانتے آئے ہیں کہ ان آیات میں حضرت مسیحؑ کے نزول ثانی کا ذکر ہے، جس کے ساتھ ہی قیامت قائم ہوگی، اور یہ کہ حضرت مسیح قیامت کا نشان ہیں۔ اب بعض علماء نے یہ معنی کرنا شروع کئے ہیں کہ اس قیامت سے مراد بنی اسرائیل کی قیامت تھی، جو حضرت عیسیٰؑ کے پہلے ظہور پر قائم ہوئی، اور جس پر بنی اسرائیل کے کفر کی وجہ سے خلافت الٰہی ان سے چھین دی گئی۔ اگرچہ یہ بات بجائے خود درست ہے، آیت زیر بحث کا مطلب یہ نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ یہ لفظ ہیں کہ قیامت کے بارہ میں جھگڑا اور شک نہ کرو۔ اور ان الفاظ کا مخاطب رسول اللہ کا [illegible] ہے۔ جو ہونے والی قیامت میں شک کرتی ہے، نہ حضرت عیسیٰ کے پہلے ظہور، اور اس کے نتائج میں، جو ماضی میں واقع ہو چکے تھے۔ پس اصل بات یہی ہے کہ حضرت مسیح کی آمد قیامت کبریٰ کا نشان ہے جس کے مسلمان منتظر ہیں۔ نیز اس آیت میں فرشتے پیدا کرنے کا جو ذکر کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے نزول ثانی میں نسل انسانی عدل و انصاف [illegible] محبت کا پتلا بن کر فرشتوں [illegible] خصلت [illegible]

يوم كم الذى كنتم توعدون
يوم نطوى السماء كطى السجل
للكتب ، كما بدأنا اول
خلق نعيده ، وعدا
علينا ، انا كنا فاعلين
ولقد كتبنا فى الزبور من
بعد الذكر ان الارض
يرثها عبادى الصالحون ،
ان فى هذا لبلاغا لقوم
عابدين ،

(انبیاء - ع ۷)

يا ايها الناس اتقوا ربكم
ان زلزلة الساعة شئ
عظيم ، يوم ترونها تذهل كل
مرضعة عما ارضعت وتضع
كل ذات حمل حملها وترى
الناس سكارى وما هم
بسكارى ولكن عذاب الله
شديد ، . . . . . .
يا ايها الناس ان كنتم فى
ريب من البعث فانا خلقنا
من تراب ثم من نطفة

حسب پسند ہو گی، بڑی گھبراہٹ
انہیں غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے ان
سے ملاقات کریں گے، یہ وہ دن ہے
جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا، اس روز
ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے، جس طرح
منشی اپنا دفتر لپیٹ لیتا ہے جیسے ہم نے
پہلی مخلوق کو پیدا کیا، اسے واپس لے لیں گے
یہ وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ہم پر فرض ہے۔
ہم کرنے والے ہیں اور زبور میں ہم نے
ذکر کے بعد لکھا کہ زمین کے وارث میرے صالح
بندے ہوں گے، اس میں زاہد عبادت گزاروں
کے لئے پیغام ہے۔

اے لوگو! خدا سے ڈرو، ساعت کا زلزلہ
بڑی خوفناک چیز ہے، جس روز تم اسے دیکھو گے
ہر دودھ پلانے والی اپنے بچے کو بھول جائے گی
اور ہر حمل والی اپنا
حمل رکھ دے گی، اور تو لوگوں کو نشے میں
دیکھے گا، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے
لیکن خدا کا عذاب سخت ہو گا ......
اے لوگو! اگر تم اٹھنے سے شک
میں ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر
نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کے
ٹکڑے سے جو کبھی پورا بنتا ہے اور کبھی پورا

لہٗ کاتبون ۝ وحرام علیٰ
قریۃٍ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون
حتی اذا فتحت یاجوج و
ماجوج وھم من کل حدب
ینسلون ۝ واقترب الوعد
الحق فاذا ھی شاخصۃ
ابصار الذین کفروا یٰویلنا
قد کنا فی غفلۃ من ھٰذا
بل کنا ظٰلمین ۝ انکم وما
تعبدون من دون اللہ
حصب جہنم ۝ انتم لھا
واردون ۝ لو کان
ھٰؤلاء الھۃ ما وردوھا
وکل فیھا خالدون ۝ لھم فیھا زفیر وھم
فیھا لا یسمعون ۝ ان الذین
سبقت لھم منا الحسنٰی
اولٰئک عنھا مبعدون ۝
لا یسمعون حسیسھا وھم فی
ما اشتھت انفسھم خالدون ۝
لا یحزنھم الفزع الاکبر
وتتلقاھم الملٰئکۃ ۝ ھٰذا

اس کی کوشش کی ناشکری نہیں کی
جاتی، اور ہم اسے لکھ لیتے ہیں اور
جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں،
اس پر حرام ہے کہ وہ اپنی پہلی حالت
پر لوٹ آئے یہاں تک کہ جب یاجوج
و ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی
سے نکل پڑیں گے، اور سچا وعدہ قریب
آ جائے گا، تو کافروں کی آنکھیں خیرہ
ہو جائیں گی، (کہیں گے) ہائے افسوس
ہے ہماری، ہم اس سے غفلت میں
تھے بلکہ ہم ظالم تھے، (انہیں کہا جائے گا)
کہ تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت
کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس
پر وارد ہونے والے ہو، اگر یہ لوگ
معبود ہوتے تو اس پر وارد نہ ہوتے
اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
(وہاں) ان کے لیے چیخنا چلانا ہے، اور
وہ کچھ نہیں سنتے، جن لوگوں کو نیکی
کی توفیق ملی — وہ اس سے دور
رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ
بھی نہ سنیں گے، اور ہمیشہ ان کے

وما قدروا الله حق قدره
والارض جميعا قبضته يوم
القيمة والسموت مطويت بيمينه
سبحنه وتعلى عما يشركون ؕ
ونفخ في الصور فصعق من في
السموت ومن في الارض
الا من شاء الله ثم نفخ
فيه اخرى فاذا هم قيام
ينظرون واشرقت الارض بنور ربها ووضع
الكتب وجاىء بالنبين
والشهداء وقضي بينهم بالحق
وهم لا يظلمون ووفيت
كل نفس ما عملت وهو اعلم
بما يفعلون ۰ وسيق الذين
كفروا الى جهنم زمرا حتى اذا
جاءوها فتحت ابوابها
وقال لهم خزنتها الم ياتكم
رسل منكم يتلون عليكم
ايت ربكم وينذرونكم
لقاء يومكم هذا قالوا
بلى ولكن حقت كلمة العذاب
على الكفرين قيل ادخلوا
ابواب جهنم خلدين فيها

اور مشرکوں نے خدا کی کما حقہ قدر نہیں کی ، اور قیامت کے روز ساری زمین خدا کے قبضہ اقتدار میں ہوگی ، قیامت کے روز سوائے خدا کے کسی کو کچھ اختیار نہ ہوگا اور عالمگیر انقلاب ہو چکا ، وہ پاک برتر ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں اور بگل بجایا جائے گا ، تو زمین اور آسمانوں والے سب بے ہوش ہو جائیں گے ، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے گا ۔
پھر دوسری بار بگل بجایا جائے گا ، تو وہ کھڑے دیکھتے ہوں گے ، اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی ، اور کتاب رکھ دی جائے گی ، اور نبیوں اور شہیدوں کو لایا جائے گا ۔ اور لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا ، ان پر کچھ ظلم نہیں ہوگا ، اور ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ، اور مشرکوں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا ، یہاں تک کہ جب اس تک پہنچیں گے اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے ، اور جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے کیا تمہارے پاس تم میں سے خدا کے

ثم من علقة ثم من مضغة
مخلقة وغير مخلقة لنبين
لكم ، ونقر في الارحام ما
نشاء الى اجل مسمى ثم نخرجكم
طفلا ثم لتبلغوا اشدكم ج
ومنكم من يتوفى ومنكم
من يرد الى ارذل العمر لكيلا
يعلم من بعد علم شيئا وترى
الارض هامدة فاذا انزلنا
عليها الماء اهتزت وربت
وانبتت من كل زوج بهيج
ذلك بان الله هو الحق و
انه يحيي الموتى وانه على كل
شيء قدير وان الساعة
اتية لا ريب فيها وان
الله يبعث من في القبور ۞
.... ان الذين
امنوا والذين هادوا والصابئين
والنصارى والمجوس والذين
اشركوا ان الله يفصل بينهم
يوم القيامة ، ان الله على
كل شيء شهيد ۞
(حج ۶ ½)

ہیں بنتا ہے تاکہ تمہارے لئے کھول کر بیان
کردیں ، اور ہم رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں ، جو
چاہتے ہیں مقررہ وقت تک ، پھر تم کو
بچہ کی صورت میں نکالتے ہیں ، پھر نشو ونما
دیتے ہیں تاکہ تم اپنے کمال کو پہنچو ، اور تم
میں سے کوئی وفات پاتا ہے ، اور تم میں
سے کوئی نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ
وہ سارا سیکھا ہوا بھول جائے ، اور تو
زمین کو بے آب وگیاہ دیکھتا ہے ، جب
ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہاتی ہے
اور نشو ونما پاتی ہے ، اور ہر قسم کی خوشنما
نباتات اگاتی ہے ، یہ اس لئے کہ خدا حق
ہے اور مردوں کو زندہ کرتا ہے ، اور ہر شے پر
قادر ہے اور ساعت آنے والی ہے اس میں
کچھ شک نہیں ، اور خدا ان کو جو قبروں میں
ہیں اٹھائے گا ....
..... جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی
ہوئے ، اور صابی اور نصاری اور مجوس
اور مشرک ، سب کے درمیان خدا قیامت
کے دن فیصلہ کرے گا ، اور اللہ ہر چیز
پر گواہ ہے ۔

ویوم تقوم الساعة یقسم المجرمون، ما لبثوا غیر ساعة کذلک کانوا یؤفکون ۝ وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لا تعلمون ۝

(روم ع ۶)

اور جب ساعت بپا ہوگی، مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے، کہ وہ ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں ٹھہرے، یہ پہلے بھی ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتے تھے، اور اہل علم و ایمان کہیں گے۔ کہ خدا کی کتاب کے مطابق تم یوم بعث تک ٹھہرے ہو یہی تو یوم البعث ہے لیکن تم بے علم ہو۔

سورۂ کہف میں فرمایا ہے، کہ جب خدا کے وعدہ کا وقت آجائے گا۔ دیوار یاجوج ماجوج گر جائے گی، بگل بجایا جائے اور لوگوں کو خدا کے حضور حاضری کے لیے اکٹھا کیا جائے گا، ذکر سے اندھوں بہروں کے سامنے جہنم پیش کردی جائے گی، سورۂ انبیاء میں یہ ذکر زیادہ مفصل ہے، وہاں حضرات موسیٰ ابراہیم، لوط، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسمٰعیل، ادریس، ذاالکفل، یونس، ذکریا، عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر کرکے یہ کلیہ اخذ کیا ہے، کہ تمام پیغمبر ایک جماعت ہیں، اور سب کے ذریعہ خدائے واحد کی عبادت کا ایک ہی حکم دیا جاتا ہے، تاکہ لوگ ایک خدا کے ایک حکم کی پیروی کرکے ایک ہو کر رہیں، انہیں حکم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہیں یعنی تفرقہ کرکے خود ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں تو ان کی خدا کے حضور پیشی ہوتی ہے جو عمل کرتے ہیں، ان کی کوشش رائیگاں نہیں جاتی، اس سے عالم کا تدریجی ترقی ہوتی رہتی ہے، جو قومیں انکار کرتی ہیں انہیں مٹا دیا جاتا ہے اور دوبارہ وہ اٹھنے نہیں پاتیں، قوموں کا اس طرح نافرمانی کرکے ہلاک ہو جانا اور دوبارہ زندہ نہ ہوسکنا ہمیشہ کے لیے نہیں، یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ یاجوج ماجوج نہیں کھلتے، اور خدا کا وعدہ نہیں آپہنچتا جونہی کہ وہ وقت آپہنچتا ہے، خدا کے حکم کا انکار کرنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو

فبئس مثوى المتكبرين ○ وسيق الذين اتقوا ربهم الى الجنة زمرا - حتى اذا جاءوها وفتحت ابوابها وقال لهم خزنتها سلام عليكم طبتم فادخلوها خالدين ○ وقالوا الحمد لله الذى صدقنا وعده واورثنا الارض نتبوا من الجنة حيث نشاء ، فنعم اجر العاملين ○ وترى الملائكة حافين من حول العرش يسبحون بحمد ربهم ، وقضى بينهم بالحق ، وقيل الحمد لله رب العالمين ○

(زمر ع ۸)

رسول نہ آئے۔ جو تمہیں تمہارے رب کی آیات سناتے اور آج کے دن سے ڈراتے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ لیکن کافروں کے خلاف عذاب کا حکم ثابت ہو کر رہا، کہا جائے گا۔ جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے، متکبروں کا ٹھکانا بُرا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کو جماعتوں کی صورت جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ جب اس تک پہنچ جائیں گے، اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور جنت کا دربان ان سے کہیں گے، تم پر سلامتی ہو اور خوش رہو، اس میں زندگی بسر کرو، وہ کہیں گے شکر ہے، اللہ کا جس نے اپنا وعدہ ہم سے پورا کیا اور زمین کا وارث بنایا۔ اب اس جنت میں ہم جہاں چاہتے ہیں، مکان بناتے ہیں۔ کیا اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا، اور فرشتے عرش کے گرد حلقہ باندھے ہوں گے، وہ اپنے رب کی تعریف میں مشغول ہوں گے اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا گیا۔ اور سب تعریفیں خدا کی طرف منسوب کی جائیں گی۔

قال رب فانظرنى الى يوم يبعثون ○ قال فانك من المنظرين ○ الى يوم الوقت المعلوم ○

(حجر ع ۳)

شیطان نے کہا مجھے ان کی بعثت کے روز تک مہلت دیجیے۔ خدا نے فرمایا تم کو اس مقررہ وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔

طرف اور سورۂ زمر کے بیان کا دوسری طرف ملاحظہ فرمائیے :-

نمبر شمار	سورۂ کہف یا سورۂ انبیاء میں ہے	سورۂ زمر میں ہے
۱	بگل بجایا جائے گا	بگل بجایا جائے گا۔
۲	ذکر نازل ہوگا	کتاب نازل ہوگی
۳	آسمان لپیٹ لیا جائے گا	آسمان لپیٹ لیا جائے اور زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی۔
۴	نافرمانوں کا فزع اکبر میں گرفتار ہونا اور جہنم کا ایندھن بننا	نافرمانوں کا حواس باختہ ہونا اور داخل جہنم ہونا
۵	مومنوں کا فزع اکبر سے محفوظ رہنا	مومنوں کا حواس باختگی سے محفوظ رہنا
۶	بے ایمانی کی موت سے ہلاک شدہ نسل انسانی کا زندہ ہو جانا	سب مخلوق کا اکٹھا کھڑا ہونا اور بینا ہو جانا
۷	صالح بندوں کا زمین کا وارث بننا اور حسب دلخواہ زندگی بسر کرنا۔	صالح بندوں کا زمین کا وارث بن کر اسی زمینی جنت میں رہائش کے لئے حسب دلخواہ کوٹھیاں بنانا۔
۸	زمین کا بدی سے پاک ہو کر اور صالح بندوں کی وراثت میں آ کر امن و اطمینان کی جگہ بن جانا۔	زمین کا نور خدا سے چمک اٹھنا
۹	وعدہ جس کا پورا کرنا خدا کے ذمہ چلا آتا تھا پورا ہو جانا	مومنوں کا شکر کرنا کہ خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔
۱۰	پیغام یعنی پیغمبر اور ان کے عبادت گزار پیروؤں کا مقصد بر آنا۔	نبیوں اور شہیدوں کا ان کی منزل مقصود پہ پہنچایا جانا۔

ہو جائیں گی، اور انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا، اس میں وہ چیخیں گے
اور چلائیں گے، لیکن سنیں گے نہیں، سابقہ زمانوں میں تو ایک وقت ایک قوم
ہلاک ہوتی تھی، تو دوسری زندہ ہو کر اس کی جگہ لیتی تھی اور دوسرے وقت میں
دوسری قوم ہلاک ہوتی تھی تو تیسری زندگی پا کر اس کی جانشین بنتی تھی مگر
لیکن اس وقت ایسا عالمگیر انقلاب ہوگا کہ دنیا بھر سے نافرمانوں کو ہلاک کر کے
بے دخل اور ہر قوم کو زندہ کر دیا جائے گا، گویا پہلی نافرمان مخلوق کو کلیتہً واپس
بلا کر نیا جہاں بپا ہوگا، صالح بندوں کو عالم بھر کی زمین کا وارث بنا دینے کا
وعدہ جو خدا کے ذمہ چلا آتا تھا، اور جو پیغمبروں کے پیغام کا منتہائے نظر تھا،
اس روز پورا ہو جائے گا۔

۲۔ اگر یہاں فرمایا ہے کہ قوموں کا نافرمانی کر کے ہلاک ہوتے رہنا اور پھر زندگی
کی طرف نہ لوٹ سکنا ہمیشہ کے لئے نہیں، ایک مقررہ وقت تک ہے تو سورہ الحجر
کی آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان کو ایک مقررہ وقت تک مہلت ملی ہوئی ہے، جو نسل
انسانی کے روحانی طور پر جی اٹھنے کا وقت ہے، اس وقت شیطان کا خاتمہ
ہو جائے گا، آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے دجال کے قتل
ہونے سے بھی یہی مراد ہے، کہ اس وقت شیطان کی مہلت پوری ہو جائے گی،
اور دجل فریب، بے ایمانی ہر قسم کی بدی کا دنیا بھر سے ناس ہو کر ست جگ نیکی
سچائی کا جہان بپا ہوگا، شیطان یا دجال کے خاتمہ اور نسل انسانی کے روحانی طور
زندہ ہونے کا وہی وقت ہے، جس کا ذکر سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء میں ہے، اور
جس میں ساری ہلاک شدہ قوموں کا زندہ ہو جانا بتایا ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ
انبیاء کے ذکر کو جاری رکھتے ہوئے سورہ حج میں صاف طور پر بتا دیا ہے کہ یہی
زلزلہ ساعت ہے یہی یوم بعث ہے اور یہی قیامت ہے، جس میں خدا مسلمانوں
یہودیوں، صابیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور تمام مشرکوں کا فیصلہ کرے گا۔

۳۔ یہی بیان سورۂ زمر میں ہے، سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کے بیان کا ایک

ہیں، اور صاحب کتاب کے پیغمبر ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، لوگ کہتے ہیں، کہ کتاب سے ہر شخص کا اعمال نامہ مراد ہے، یہ صحیح ہے، لیکن اعمال نامہ ولی کی کتاب بھی وہی کتاب ہوتی ہے، جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے، اس میں مجرموں کے جرائم کی پوری فہرست ہوتی ہے، اور اسی فہرست کی رو سے فرد جرم لگ کر ان کے لئے ذلت اور شکست کا حکم صادر ہوتا ہے، چنانچہ سورہ بقرہ کے پہلے حصہ میں بنی اسرائیل کی بابت بتایا گیا ہے کہ تم نے بچھڑا پوجا، پیغمبروں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا، تم نے احکام شریعت کو توڑا، اپنے لوگوں کو قتل کیا اور انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا وغیرہ۔ اسی طرح نیک لوگوں کے اعمال نامہ کا کوئی ورق دیکھنا منظور ہو تو سورہ مؤمنون کا آغاز اور سورہ فرقان کا آخری رکوع دیکھیں۔ کتاب جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے اس میں ہر شخص اور ہر جماعت کے اعمال اور ان کی جزا و سزا درج ہوتی ہے ہر شخص اپنا اعمال نامہ اس میں دیکھ سکتا ہے اور اپنا حساب خود کر سکتا ہے،

اقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا ؕ

اب جب کہ ثابت ہو گیا کہ قیامت کبریٰ سے مراد یاجوج ماجوج کے زمانہ میں دو پیغمبروں کا ظہور ہے تو قرآن جو قیامت کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں ہر جگہ جہاں قیامت کا ذکر ہے۔ آنے والے پیغمبروں کا ہی ذکر ہے۔ یہ دکھانے کے بعد کہ قیامت یاجوج ماجوج کے کھلنے کے زمانہ میں قائم ہوگی، اب میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ بروئے قرآن شریف اس کا قیام کیسے ہوگا۔

دنیا بگڑ جانے سے مراد ایسے دور کا افتتاح ہے، جس میں انسان کے علم و عمل پر جو روکیں تھیں دور ہو جائیں گی، روکوں کے دور ہونے کا آغاز یورپ سے ہوگا، جہاں یاجوج ماجوج بستے ہیں، پہلے تو یورپین اقوام علوم جدیدہ دریافت کریں گی، پھر نئے وسائل آمد و رفت وغیرہ سے اپنی حدود کو پار کر کے دوسرے ملکوں میں جا پہونچیں گی اور ان پر چھا جائیں گی۔ آخر انہیں

آپ دیکھتے ہیں کہ ان دونوں نقشوں میں سر مو فرق نہیں، یہ تو مسلمہ ہے، کہ سورۂ زمر میں قیامت کبریٰ کا بیان ہے اور یہ بھی مسلمہ ہے، کہ سورۂ کہف اور سورہ انبیاءؑ میں جس وعدہ کے روز کا بیان ہے وہ یاجوج ماجوج کے کھلنے کا روز ہے۔ پس ناقابل تردید قطعیت سے ثابت ہو گیا کہ قیامت کبریٰ نے جس کا قرآن میں ذکر آتا ہے۔ یاجوج ماجوج کے کھلنے کے دن قائم ہونا ہے۔ اگر سورۂ طٰہٰ میں بتایا کہ شروع زوال اسلام سے دس صدیاں گزرنے پر قیامت قائم ہو گی اور سورۂ فجر میں بتایا کہ ابتدائے اسلام سے تیرہ صدیاں گزرنے پر قیامت قائم ہو گی، تو سورۂ کہف اور سورہ انبیاءؑ میں بتایا ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہو گی آخر جب یاجوج ماجوج کھلیں گے۔

پہلے عرض ہو چکا ہے کہ بگل بجنے اور قیامت قائم ہونے سے مراد پیغمبر کا ظہور ہوتا ہے۔ آیات زیر غور میں دو بار بگل بجنے اور قیامت کبریٰ قائم ہونے کا ذکر ہے، پس ایک چھوڑ دو پیغمبروں کا آنا ثابت ہے۔ اور مسلمان مانتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ان کے زمانہ میں زمین عدل اور انصاف سے بھر جائے گی اور شیر بکری ایک گھاٹ پانی پئیں گے، یعنی عداوت دور ہو کر سب قوموں میں اخوت و محبت قائم ہو جائے گی۔ لیکن مانتے ہیں کہ جناب مہدی علیہ السلام پیغمبر نہیں آپ امام ہیں۔ قرآن میں ہے:-
(اذ ابتلیٰ ابراہیم ربہ بکلمٰت فاتمہن قال انی جاعلک للناس اماما)
کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو خدا نے بعض باتوں میں آزمایا اور آپ پورے اترے، تو خدا نے فرمایا میں آپ کو لوگوں کا امام بناؤں گا، اس سے ظاہر ہے، کہ امام مہدی کے امام ہونے سے ان کا پیغمبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اس کے علاوہ ان آیات میں صاف طور پر ذکر نازل ہونے اور کتاب کے رکھ دیئے جانے یعنی زمین پر احکام کے ساتھ قائم ہو جانے کا بیان ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ دونوں صاحب کتاب

جب پیغمبر نے کہا تھا کہ حکومت خدا کی ہی ہے اور سارا اختیار بھی اسی کا ہے، اس کا حکم مانو، اس وقت انہوں نے اسے تکبر کی راہ سے ٹھکرا دیا تھا، اب بے بسی کے عالم میں انہیں دکھائی دینے لگا کہ بڑوں اور چھوٹوں سب کی جان خدا کی مٹھی میں ہے جسے چاہے تو باقی رہنے دے چاہے تو سب کا خاتمہ کر دے۔ اس وقت بڑے بڑے لیڈر اقرار کرنے لگیں گے کہ یہ ہماری پیدا کردہ بےخدا مادی تہذیب کا نتیجہ ہے اگر اب نجات ہو جائے تو آئندہ نظام عالم کی بنیاد مادیات کی بجائے روحانیات پر رکھیں گے۔ فساد پسند عنصر جہنم میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ باقی بچ جائیں گے وہ اپنے تلخ تجربہ سے وحدت انسانی کا سبق نہ بھولیں گے، اور یوں خود غرضی، بغض و عداوت کا جہاں فنا ہو کر عدل و انصاف، محبت و اخوت پر مبنی نیا جہان بپا ہو گا جس میں آدم زاد پورے امن و اطمینان سے ایک کنبہ بن کر رہیں گے، اور حسب دلخواہ زندگی بسر کریں گے، اس وقت تمام پیغمبروں اور شہدا کی کوششیں اور قربانیاں ٹھکانے لگیں گی، اور خدا کا حکم یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ پورا ہو جائے گا اور متحدہ عالم کا چپہ چپہ زبانِ حال سے توحیدِ باری کی گواہی دیتا ہو گا۔

اچھی طرح غور کر کے دیکھ لو کہ قرآن شریف کے مذکورہ مقامات میں جہاں قیامت کا بیان ہے۔ کسی جگہ بھی نہیں لکھا کہ اس وقت نظام شمسی فنا ہو گا بلکہ لکھا ہے کہ دنیا اسی طرح ہو گی جیسے پہلے تھی۔ حاملہ عورتیں بھی ہوں گی، دودھ پلانے والیاں بھی اور لوگ بھی ہوں گے، ہاں شدت مصیبت اور ناقابل برداشت عذاب سے بدحواس ہوں گے۔ لیکن ان کے علاوہ ایسے بھی ہوں گے، جنہیں کچھ خوف و غم نہ ہو گا، یہ مومن ہوں گے انہیں خوف و غم نہ ہونے کی وجہ یہ ہو گی کہ وہ جانتے ہوں گے کہ یہ ساری کارروائی بدی کو مٹانے اور حق کو قائم کرنے کے لیے کی جا رہی ہے جو ان کی منشاء کے عین مطابق ہے۔ سورۂ انبیاء میں جہاں فرمایا ہے کہ آسمان کو لپیٹ لیا جائے گا جیسے منشی دفتر کو لپیٹ لیتا ہے، ساتھ ہی صراحت کر دی ہے کہ ساری نافرمان مخلوق کی صف لپیٹ لی جائے گی۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ جب ان کی ہلاکت کا وقت آ گیا، خدا

علوم و وسائل کی بدولت دنیا بھر سے سمندروں پہاڑوں وغیرہ کی جغرافیائی دیواریں جو مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان روک تھیں، گر جائیں گی، اور سب اقوام میں قلبہ کی انگیٹھیاں پیدا ہو جائیں گی، نئے علوم و وسائل سے جہاں میل ملاپ کی آسانیاں بہم پہنچیں گی، عالمگیر بے پناہ جنگوں کا سامان بھی پیدا ہو جائے گا، چونکہ تہذیب کی بنیاد مادیات پر ہو گی، دنیا تعمیری ذرائع رکھتے ہوئے بھی تخریب کی طرف جا رہی ہو گی، اس وقت پیغمبر ہو گا اور دنیا کو متنبہ کریگا کہ تمہارے ہاتھ میں جو سامان ہے، اس سے زمین بہشت بھی بن سکتی ہے اور دوزخ بھی، تم دوزخ کے درپے ہو، اس سے باز آؤ۔ باہمی بغض و عداوت کو چھوڑ کر متحد ہو جاؤ، اور علوم جدیدہ کو تعمیری کاموں کے لئے حاصل اور استعمال کرو، جب وہ اس نصیحت سے آنکھیں اور کان بند کر لیں گے، تو اپنے ہاتھوں اپنے لئے جہنم پیدا کریں گے، اور آپ اپنی آگ میں بھسم ہو جائیں گے، منکروں کو جہنم کا ایندھن بتانے سے صاف ظاہر ہے کہ خدا نے علیحدہ کوئی جلتا ہوا تنور تیار نہیں کر رکھا، جس میں انہیں کسی سابقہ ناراضگی کی وجہ سے پکڑ پکڑ کر پھینکتا جائے گا۔ بلکہ آگ کا ایندھن تو منکر خود ہیں، اگر وہ نہ ہوں تو نہ آگ بھڑکے نہ جہنم بنے۔ اسی طرح ان الفاظ سے کہ جہنم میں وہ چیخیں گے اور چلائیں گے، لیکن سنیں گے نہیں، یہ بتانا مقصود ہے کہ جہنم عالمگیر جنگ کا نام ہے۔ جس میں ہر قوم دوسری پر ایسی بے رحمی سے ظلم کرے گی، کہ گویا اس کی چیخ و پکار کو سنتی ہی نہیں اور پھر وہ بھی اپنی باری پر ایسا ہی کرے گی۔ اگر جہنمی خود ہی ایک دوسرے کو عذاب دینے والے نہیں تو ان کے سننے یا نہ سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے کی آتشباری سے بچنے کے لئے لوگ تھوڑا تھوڑا بوجھ ساتھ لے کر گھروں سے نکل پڑیں گے، آگے چل کر ایسی حالت پیش آ جائے گی، کہ وہ تھوڑا سا بوجھ بھی پھینک کر جان کے لئے بھاگنے پر مجبور ہوں گے۔ یہاں تک کہ ماں بچہ کو بھول جائے گی، لوگ شدت مصیبت سے ایسے سراسیمہ ہوں گے کہ گویا مدہوش ہیں،

اہل علم و ایمان ہی جانتے ہیں۔ منکرین یوم بعث کے اندر ہو کر بھی نہیں جانتے کہ یہ یوم بعث ہے۔ مومن انہیں بتاتے ہیں کہ یہی تو یوم بعث ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن مردوں کے جی اٹھنے سے وہ مراد نہیں لیتا جو منکر مراد لیتے ہیں۔ ورنہ اگر جیسے کہ منکر سمجھتے ہیں وہ خود یوم بعث میں قبروں سے اٹھ کر آئے ہیں تو وہ مردوں میں سے جی اٹھنے سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ قرآن کی مراد مردوں کے جی اٹھنے سے جیسے کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے، نافرمانوں کو ہلاک کر کے فرمانبرداروں کو ان کا جانشین بنانا ہے۔ قیامت کبریٰ میں اور قومی قیامتوں میں جو پہلے قائم ہوتی رہیں اور قیامت کبریٰ کے نمونے تھیں صرف یہ فرق ہے کہ قومی قیامت میں ایک قوم ہلاک ہوتی اور ایک زندہ ہوتی رہی، یعنی نسل انسانی کے ایک حصہ سے بدی دور ہو کر نیکی قائم ہوتی رہی تو قیامت کبریٰ میں ساری نسل انسانی سے بدی دور ہو کر نیکی قائم ہو جائے گی۔ یاد رہے کہ عالمگیر قیام حق اور روحانی احیاء سے یہ مراد نہیں کہ سب لوگ ایک سطح پر ہوں گے اور عالم وہاں ٹھہر جائے گا۔ قرآن میں ہے کہ جنت میں بھی مدارج ہوں گے، اور اہل جنت مزید ترقیات کے لئے ربنا اتمم لنا نورنا کی دعا بھی کرتے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ نسل انسانی ہمیشہ کے لئے دور حیوانیت سے نکل کر انسانیت میں جنم لے گی اور روز افزوں ترقیات ہوتی رہیں گی۔

آیۂ میثاق

قرآن شریف میں آنے والے رسول کا صرف ذکر ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو اس کے ماننے کے لئے پابند بھی کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے:-

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما
اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم
جاءکم رسول مصدق لما
معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ
قال ءاقررتم واخذتم علی

جب خدا نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں نے
تم کو کتاب اور حکمت دی ہے اب
اگر تمہارے پاس کوئی رسول آئے، جو
تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو
تو اس کو ضرور ماننا اور اس کی مدد کرنا

نے ان کی صف لپیٹ لی (جعلنا بکم لفیفا) جہاں ایک قوم کی ہلاکت کا ذکر مقصود تھا، تو فرمایا
کہ اس قوم کی صف لپیٹ لی گئی۔ جہاں پر کل تا زمان مخلوق کی ہلاکت کا ذکر مقصود تھا، اس کے لئے فرمایا کہ نفخ کا ذکر
لپیٹ لیا ہے۔ جیسے سورہ زمر میں جہاں فرمایا ہے کہ زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان لپیٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ میں
ہوں گے۔ تو اگرچہ یہ مشہور محاورے ہیں، جو نہ صرف عرب ہی استعمال کرتے ہیں بلکہ سب
قومیں استعمال کرتی ہیں۔ پھر بھی ساتھ ہی وضاحت کر دی ہے کہ نفخۂ اولیٰ پر لوگ
بے ہوش ہو جائیں گے، نہ یہ کہ نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا۔ اور بے ہوشی کی
بابت سورۂ حج میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد شدت گھبراہٹ کی وجہ سے حواس باختگی
ہے۔

اسی طرح نفخ ثانی پر لوگ دیکھنے لگتے ہیں یعنی ان کے ہوش و حواس قائم ہونے کا ذکر
ہے، نہ کہ نئے سرے سے نظام شمسی کے وجود میں آنے کا اور زمینی قبروں سے مردے
برآمد ہونے کا، جو لوگ بعث سے ثابت ہیں۔ نہیں سورۂ حج میں توجہ دلائی
ہے کہ انسان کی پیدائش سے بلوغت تک کئی مرحلے ہیں، جو تدریجی طے ہوتے ہیں،
اسی طرح پیغمبر کے ظہور پر روحانی طور پر بعث یا خلق جدید تدریجاً ہوتی ہیں۔ پھر جب
فسق جیسے ارذل عمر تک پہنچ کر جہالت میں عود کر آتی ہے، تو پھر پیغمبر ظاہر ہوتا
ہے، اور وہی عمل دہرایا جاتا ہے۔ بعثت پیغمبروں کی تدریجی تربیت کے نتیجہ میں ساری
نسلِ انسانی پر اس دور سے گذر کر آخر ایک وقت نزدیک آنے والا ہے، جب باطل کا
استیصال کلی ہو جائے گا، اور عالمگیر قیام حق سے روحانی مردے زندہ ہو جائیں
گے۔ پھر فرمایا ہے کہ بارش جب برستی ہے تو زمین جو مردہ تھی، لہلہانے لگتی ہے
اسی طرح وحی الٰہی کی بارش سے دل جو مردہ ہوتے ہیں زندہ ہو جاتے ہیں۔ مردوں
کے زندہ ہونے کی یہ وہی کیفیت ہے، جو ہر پیغمبر کے ہاتھ پر ظہور میں آتی رہی ہے
اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کبریٰ میں بھی مردوں کے زندہ ہونے سے لغویہ
ہی چیز مراد ہے۔ جو قومی زندگی کی صورت میں تھی۔ اسی ضمن میں سورۂ روم کی
آیات فیصلہ کن ہیں۔ جہاں بتایا گیا ہے کہ یوم البعث یعنی مردوں کے جی اٹھنے کے دن کو

عہد نبیوں سے لیا گیا ۔ اس لئے کہ نبی کی ساری کی ساری امت جو اس کے سامنے ہے وہ بھی اور جو پیچھے آنے والی ہے وہ بھی عہد میں شامل ہو جائیگی اور امت میں سے جو شخص اس عہد کو توڑے ، نہ اسے پیغمبر سے کوئی تعلق باقی رہے نہ پیغمبر کو اس سے ۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس آیت کو بار بار اور پوری ذمہ داری سے پڑھے یہ پختہ عہد ہے کوئی معمولی بات نہیں کہ اسے ہلکا سمجھا جائے ۔ عام طور پر مسلمانوں کا یہ خیال ہے ، کہ یہ عہد باقی نبیوں سے حضرت محمدؐ کے حق میں لیا گیا ۔ جس کا منشا یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ تشریف فرما ہوں ، تو سب امتوں کا فرض ہوگا ، کہ آپ پر ایمان لائیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں ہر آئندہ رسول پر ایمان لانا فرض کیا گیا ہے ۔ اور رسولؐ کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ سابقہ کتاب کا مصدق ہوتا ہے چونکہ حضرت محمدؐ رسول اللہ سچے رسول ہیں اور سابقہ کتاب کے مصدق ہیں ۔ اس عہد کی رو سے آپ پر ایمان لانا بے شک سب امتوں کا فرض ہے ۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ یہ عہد باقی نبیوں سے لیا گیا ہے ۔ آنحضرتؐ سے نہیں لیا گیا ۔ سورۃ احزاب والی آیت میں صاف لفظ "منک" موجود ہے ، جس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ سے بھی یہ عہد لیا گیا ہے ، اس موقعہ پر بعض علماؒ کہہ دیتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے باقی نبیوں کی تصدیق کا عہد لیا گیا ہے اور باقی نبیوں سے آپ پر ایمان لانے کا ، لیکن قرآن شریف میں "منک" کے بعد من نوح و ابراہیم و موسیٰ کے الفاظ بڑھا کر صراحت کر دی ہے کہ آنحضرتؐ سے بھی وہی عہد لیا گیا جو باقی نبیوں سے لیا گیا ، اور یہ بھی نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ وہ عہد کیا ہے

آل عمران والی آیت میں سچے رسولؐ کی یہ علامت بیان کی گئی ہے ۔ کہ وہ سابقہ کتاب کا مصدق ہوتا ہے ۔ یہ نہیں کہ صرف ایک رسولؐ سابقہ کتب کا مصدق ہوگا ، اور باقی نہیں ہوں گے ، قرآن میں حضرت مسیحؑ کا قول مصدقا لما بین یدی من التوراۃ مذکور ہے ، اگر یہ صحیح ہے کہ باقی امتوں کا فرض ہے کہ مصدق رسول پر ایمان لائیں ، لیکن مصدق رسول کی امت کا فرض

ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معکم من الشاهدین ۝ فمن تولّٰی بعد ذٰلک فاولٰئک هم الفاسقون

(آل عمران - ع ۹)

پھر پوچھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو، اور اس بوجھ کو اٹھانا اپنے ذمہ لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں، خدا نے کہا کہ اب تم اس کے گواہ ہو اور میں بھی گواہ ہوں، اس کے بعد جو منہ پھیرے گا وہ عہد شکن ہوگا۔

واذ اخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح وابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم واخذنا منهم میثاقا غلیظا

(احزاب - ع ۱)

جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور یہی عہد تجھ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سے لیا - اور یہ ہم نے ان سے بڑا پکا عہد لیا ہے۔

خدا نے تمام انبیا کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جس کام کے لئے میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے وہ ایسا کام ہے کہ اس کے لئے تمہارے بعد بھی تمہاری طرح کام کرنے والوں کو آنا ہوگا، تو تمہارے منصب کے لحاظ سے یعنی اس کام کے مفاد میں جو تم خود کر رہے ہو؛ تم پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہوں کہ آئندہ بھی جو لوگ تمہاری کتاب کے مصدق اور تمہارے مقصد کے لئے کام پر مامور ہوں گے ان پر بھی تمہاری امتیں ایمان لائیں گی؛ اور ان کے کام میں امداد کریں گی۔ کیا تم اپنی اپنی امت کے نمائندہ کی حیثیت سے یہ عہد میرے ساتھ باندھتے اور اس ذمہ داری کو قبول کرتے ہو؟ نبیوں نے کہا کہ ہم اس ذمہ داری اور اس عہد کو قبول کرتے ہیں۔ پھر خدا نے تاکیداً کہا کہ گواہ رہنا کہ تم نے یہ عہد باندھا ہے - اور میں بھی گواہ رہوں گا، یاد رکھنا جو کوئی اس عہد کے بعد اس عہد سے منہ پھیرے گا وہ عہد شکن ہوگا۔

مقصود تو امتوں کو آئندہ پیغمبروں پر ایمان لانے کے پابند کرنا تھا، لیکن

دعا سکھائی جاتی۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن شریف کے بعد اللہ کی آیات نازل ہونے والی تھیں۔ جو بذریعہ آنے والے تھے، مسلمانوں کے لئے ابتلا درپیش تھا، اگر یہ اتنا بڑا ابتلا نہ تھا کہ اس میں پھسلنے سے نہ صرف دعا سکھا دی گئی بلکہ اسے داخل نماز کیا گیا تاکہ مسلمان پنجگانہ نمازوں میں آنے والی ہدایت سے فیضیاب ہونے کی توفیق مانگتے رہیں، اس کا انتظار کرتے رہیں، اسے ماننے کے لئے تیار رہیں اور اس کے انکار و مخالفت کی راہوں سے ہوشیار رہیں۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلعم نے جو مسلمانوں کو آنے والی ہدایت کے انکار سے بچانا چاہا، آج اسی وہ اس میں پھنس گئے۔ اے اللہ ہماری حالت قابل رحم ہے۔ ہم سے وہ نہ کر جس کے ہم حقدار ہیں۔ بلکہ وہ کر جو تیری شان کریمانہ کے شایان ہے۔ اپنے رسول پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی کوششوں اور محنتوں کے صدقہ میں ہمیں بخش عطا فرما۔

نہیں کہ آئندہ رسول پر ایمان لائے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو مصدق توریت ہیں، ان کی امت پر فرض نہیں کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لائیں۔ جو بداہتاً غلط ہے۔

یہ آیت اس قدر صریح اور زوردار ہے، اور اس میں اتنی شدید اور بار بار تاکید ہے کہ اگر قرآن میں اور کوئی آیت بھی رسولوں کا سلسلہ جاری رہنے کے حق میں نہ ہوتی تو یہ اکیلی ہی آیت کافی تھی۔ اس کی رو سے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ نے پختہ عہد کیا ہوا ہے کہ جو کوئی آپ کی امت سے ہوگا، بعد میں ظاہر ہونے والے پیغمبر پر جو مصدق قرآن ہوگا، ایمان لائے گا، اور اس کی امداد کرے گا۔ اب ہم آنحضرتؐ کی امت سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اب کوئی پیغمبر آنے والا نہیں۔ اگر کوئی پیغمبر آنے والا نہ ہوتا، تو آنحضرتؐ سے یہ عہد نہ لیا جاتا۔ اس عہد کے ہوتے ہوئے ہم پابند ہیں کہ آنے والے پیغمبر کے منتظر رہیں۔ اور اس کے ظہور پر اس پر ایمان لائیں۔ اور اس کی امداد کریں۔ ورنہ ہم عہد شکن ہوں گے اور ہمارا کوئی تعلق آنحضرتؐ سے باقی نہیں رہے گا۔

سورۃ فاتحہ کا ایک حصہ پہلے بیان ہو چکا ہے، بقیہ یہ ہے۔ اہدنا الصراط المستقیم ۰ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۰ اس فقرہ میں مغضوب علیہم کی راہ سے بچنے اور انعمت علیہم کی راہ پر چلنے کی دعا ہے۔ سورۃ بقر رکوع سات میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے۔ وباؤ بغضب من اللہ ذلک بانھم کانوا یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق کہ بنی اسرائیل اس وجہ سے مغضوب علیہم ہوئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور نبیوں کو ظلم سے قتل کرتے تھے۔ اگر آنحضرتؐ کے بعد کوئی آیات اللہ نازل ہونے والی نہیں، نہ کوئی پیغمبر ہی آنے والا تھا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو بنی اسرائیل کی راہ پر چلنے، مغضوب علیہم ہونے کا کونسا موقعہ درپیش تھا۔ کہ اس سے بچنے کی

پیش کردہ خدا (یہوواہ) بنی اسرائیل کا قومی خدا تھا۔ قرآن کا پیش کردہ خدا رب العالمین تمام قوموں کا خدا ہے۔ سابقہ پیغمبر اپنی قوم کی طرف مبعوث تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافۃ للناس کی طرف مبعوث ہوئے۔ پس سابقہ مذاہب قومی و وقتی تھے۔ اسلام تمام قوموں اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ اس لئے اب مزید ہدایت نازل ہونے کی ضرورت نہیں۔

قرآن شریف میں ہے:-

(۱) وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس (آل عمران ع۱)

(۲) قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نوراً وھدی للناس (انعام ع۱۱)

(۳) ثم اتینا موسی الکتاب تماماً علی الذی احسن وتفصیلاً لکل شیء وھدی ورحمۃ لعلھم بلقاء ربھم یؤمنون (انعام ع۱۹)

(۴) فخذھا بقوۃ وامر قومک یاخذوا باحسنھا (اعراف ع۱۷)

(۵) ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ (ھود ع۲)

(۶) قل فاتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدی منھما (قصص ع۵)

(۷) واورثنا بنی اسرائیل الکتاب ھدی وذکری لاولی الالباب (مومن ع۶)

(۸) وانہ لفی زبر الاولین (شعراء ع۱۱)

(۹) لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ رسول من اللہ یتلو صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (البینۃ)

(۱۲) واذ اتینا موسی الکتاب والفرقان (بقرہ ع۶)

(۱۰) ھدی للمتقین (بقرہ)

(۱۱) انذر عشیرتک الاقربین۔ (شعراء ع۱۱)

(۱۳) وھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر

وجوہات بندش سلسلہ رشد و ہدایت کا جائزہ

ہم قرآن شریف سے رسولوں کی بعثت اور قوموں کے بننے بگڑنے کا عام قانون دیکھ چکے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ مسلمان قوم اس قانون سے مستثنیٰ نہیں، وہ بھی سابقہ قوموں کی طرح بگڑ جائے گی اور اس کے بگڑنے پر دوسرے پیغمبر آتے رہیں گے، سلسلہ پیغمبر و ہدایت جو ہر وقت اور مقام پر قائم رہ سکتے ہیں؟ اور یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مسلمان قوم کو انہیں ماننے کے لئے بذریعہ معاہدہ میثاق النبیین پابند بھی کیا گیا ہے۔ ان کے ماننے کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ ان کے انکار اور مخالفت سے بچنے کی دعا داخل نماز کر دی گئی ہے۔ اب ہم ان وجوہات پر غور کریں گے۔ جو مانعین [illegible] نے رشد و ہدایت بند ہونے کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں اور جن کا ذکر مقدمہ میں آیا ہے۔ اور دیکھیں گے کہ قرآن شریف میں کہاں تک ان کی تائید ہے اور کون مقاصد ہیں جن کی بنا پر سنت اللہ کو بدلنے اور سلسلہ ہدایت کو بند کرنے کا اعلان کیا گیا ہے اور اس حصہ قرآن کو اس کے دوسرے حصوں سے جن سے کہ اس کتاب میں سلسلہ رشد و ہدایت کا جاری رہنا دکھایا گیا ہے۔ کیونکر تطبیق دی جا سکتی ہے؟ قرآن شریف کے کوئی ایسے معنی قبول نہیں کئے جا سکتے جن سے ایک حصہ قرآن کا دوسرے حصہ سے متناقض ہو جائے۔ سو جب تک بندش سلسلہ کی وجوہات ایک طرف اپنی ذات میں ثابت نہ ہوں اور دوسری طرف آیات مذکورہ کتاب ہذا کا کافی و شافی حل نہ بتائیں۔ انہیں وجوہات صحیح نہیں مانا جا سکتا۔

(۱) توریت ھدی لبنی اسرائیل تھی، قرآن ھدی للناس ہے۔ زردشت کا

کو لفظ آیا ہے، تو گیارہویں آیت میں قرآن کے لئے ھدی للمتقین آیا ہے
اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارھویں آیت میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو
تیرھویں میں مکہ معظمہ اور اس کے حوالی کو، باوجودیکہ ان میں عرب قوم کو
جس کی طرف آپ سے پہلے کوئی رسول نہ آیا تھا، ڈرانے کا حکم دیا گیا ہے۔
جیسے یہ آیات قرآن کے ھدی للناس ہونے کے منافی نہیں، ویسے ہی ھدی
لبنی اسرائیل کا لفظ توریت کے ھدی للناس ہونے سے کچھ کم نہیں کرتا
آیئے ذرا یہ بھی دیکھیں کہ توریت میں کیا تعلیم دی گئی تھی۔ جسے بنی اسرائیل
کے لئے خاص کہا جاتا ہے۔ جو دوسرے لوگوں کے لئے مفید نہ تھی اور جس کی وجہ
سے توریت کو بقول مفسر قرآن مختص القوم اور مختص الوقت مانا جاتا ہے۔
آیت ۱۵۱ سے ظاہر ہے کہ وہ تعلیم جسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا گیا یہ تھی کہ
سوائے خدا کے کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔ یہ تعلیم تو خالص توحید کی تعلیم ہے
جو ہرگز کسی ایک قوم یا زمانہ سے خاص نہیں۔ ہر پیغمبر جو کسی زمانہ میں اور کسی
قوم میں ظاہر ہوا یہی تعلیم دیتا رہا۔ تو پھر اسے ھدی لبنی اسرائیل کیوں کہا گیا؟
بات یہ ہے کہ جس معنی میں قرآن شریف ھدی للناس ہونے کے باوجود ھدی
للمتقین ہے، اسی معنی میں توریت ھدی للناس ہونے کے باوجود ھدی لبنی اسرائیل
تھی۔ قرآن اپنی ذات میں تو ھدی للناس یعنی سب لوگوں کے لئے ہدایت ہے، جو چاہے اس
سے ہدایت لے۔ لیکن واقع میں وہ ہدایت بنا صرف متقین کے لئے ہے جو اس سے
ہدایت یاب ہوتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح توریت اپنی ذات میں گو ھدی للناس
تھی، اس سے فائدہ بنی اسرائیل نے ہی اٹھایا اور اس کا ہدایت ہونا انہی کے حق میں متحقق
ہوا۔ اس واسطے فرمایا کہ توریت کو جو ھدی للناس تھی، بنی اسرائیل کے لئے ہونے
ناتے میں ہدایت بنا دیا (وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل) توریت کا سب لوگوں
کے لئے ہدایت ہونا نہ صرف ھدی للناس کے لفظ سے جو اس کی شان میں آیا، ظاہر ہے

ام القریٰ ومن حولھا۔ (انعام ع ۱۱)

(۱۴) بل ھو الحق من ربک لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلک (سجدہ ع ۱)

(۱۵) وآتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل الا تتخذوا من دونی وکیلا (بنی اسرائیل ع ۱)

پہلی آیت میں توریت اور انجیل دونوں کو ھدی للناس فرمایا ہے۔ دوسری آیت میں توریت کو نور اور ھدی للناس بتایا ہے۔ تیسری آیت میں بتایا ہے کہ تمام اعلیٰ درجہ کی خوبیاں توریت پر ختم ہیں اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور وہ ہدایت اور رحمت ہے، چوتھی آیت میں توریت کو مضبوطی سے پکڑ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ پانچویں میں اسے امام اور رحمت بتایا ہے۔ چھٹی آیت میں توریت کو قرآن کے برابر ہدایت دینے والی کتاب مان کر مخالفوں کو کہا کہ ایسی کتاب تو پیش کرو جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو، ساتویں آیت میں توریت کو ہدایت اور ذکر بتایا ہے۔ آٹھویں آیت میں بتایا ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہی قرآن ہے اور نویں میں بتایا ہے کہ صحف قرآن میں پہلی کتابیں آگئی ہیں، جو کتب قیمہ ہیں یعنی ان کی اصولی تعلیم جو قائم رہنے والی تھی، قرآن میں منتقل ہو گئی ہے۔ جب سب ہی پہلی کتابیں کتب قیمہ ہیں تو لازماً توریت بھی کتب قیمہ ہے۔ بلکہ اہل کتاب جو اس وقت مخاطب تھے وہ تو بنی اسرائیل ہی تھے اور انہی کی کتاب توریت کا نویں آیت میں ذکر ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ توریت و انجیل والے قرآن پر ایمان لا کر کچھ کھوتے نہیں کیونکہ توریت و انجیل کی اصولی تعلیم جو قیمہ ہے قرآن میں آگئی ہے۔ دسویں آیت میں حضرت موسےٰ کو کتاب اور فرقان دینے کا ذکر ہے۔

دوسری طرف اگر توریت کے لئے پندرھویں آیت میں ھدی لبنی اسرائیل

ہے کہ رب العالمین وہ ہے جو زمین سے آسمان تک مشرق سے مغرب تک اور ازل سے ابد تک ساری کائنات کا خالق بھی ہے اور پرورش کرنے والا بھی اور پرورش میں ہدایت خلق بھی شامل ہے۔ اور صفت ہدایت کے تقاضے ہی رسول بھیجا جاتا ہے پس توریت فقط هدی لبنی اسرائیل ہی نہیں بلکہ هدی للناس نور رحمت امام۔ ذکر۔ فرقان۔ قرآن کے برابر ہدایت دینے والی ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے والی، تمام اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرنے والی اور عظیم کتاب بھی ہے۔ اگر مسلمان قرآن کے هدی للناس مفصل، مکمل ہونے کی بنا پر یا اس میں رب العالمین کا لفظ آنے کی وجہ سے اسے آخری کتاب قرار دیتے اور اس کے بعد کتاب آنے کا انکار کرنے میں حق بجانب ہیں۔ تو یہودی آیات ۲:۳۲م خاص کر آیات ۶:۱۵۴ کی رو سے جن میں توریت کو تماما علی الذی احسن کہا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے مضبوطی سے پکڑے رکھنا، توریت کے بعد آنے والی کتابوں کا انکار کرنے میں مسلمانوں سے بڑھ کر حق بجانب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کیا ہم اس کتاب کو جسے مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے چھوڑ کر نئی کتاب کو پکڑیں؟ واضح ہے کہ بعد میں آنے والی کتاب پہلی کتاب کی ہی بنیاد اور جڑ ہوتی ہے، پہلی کتاب میں نئی کتاب آنے کا حکم موجود ہوتا ہے، اور نئی کتاب پہلی کی مصدق ہوتی ہے۔ نئی کتاب کے آنے پر اسے اتنا ہی پہلی کو مضبوطی سے پکڑنا ہے، اس وقت جو نئی کتاب کا انکار کرتا ہے وہی اپنی پہلی کتاب کو چھوڑتا ہے، چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت ہے

ولما جاءهم رسول من عند الله مصدق لما معهم نبذ فريق من الذين أوتوا الكتاب كتاب الله وراء ظهورهم كأنهم لا يعلمون۔

کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آیا، جو ان کی پہلی کتاب کا مصدق ہے، تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو یعنی اپنی سابقہ مسلمہ کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ اس

بلکہ یہود کے واقعات بھی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا حالانکہ فرعون اور اس کی قوم بنی اسرائیل سے نہ تھے۔ ان سے بعض لوگ ایمان بھی لائے اور جو ایمان نہ لائے وہ تکذیب تورات کے باعث ہی ہلاک ہوئے۔ مقصود یہ ہے کہ نہ ھدیٰ للناس کا لفظ ہدایت کے تنگ کرنے والا ہے اور نہ ھدی لبنی اسرائیل ہونے کے باعث تورات ناقص تھی۔

اب میں تورات کے تصور باری کو لیتا ہوں، قرآن میں ہے۔ فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین...... قال فرعون وما رب العالمین۔ قال رب السمٰوٰت والارض وما بینہما...... ربکم ورب آبائکم الاولین...... رب المشرق والمغرب وما بینہما ان کنتم تعقلون۔

خدا حضرت موسیٰ اور ہارون کو حکم دیتا ہے کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں، جب انہوں نے یہ کہا تو فرعون پوچھتا ہے کہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ حضرت موسیٰ جواب دیتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب کا پرورش کرنے والا، تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا پرورش کرنے والا، مشرق و مغرب میں جو کچھ ہے سب کا پالنے والا رب العالمین ہے۔ ایک موقعہ پر جب حضرت موسیٰؑ اور ہارون فرعون کو کہتے ہیں کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں اور اس کا نشان تیرے پاس لاتے ہیں، تو فرعون پوچھتا ہے فمن ربکما یا موسیٰ ؛ اے موسیٰ تمہارا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰؑ جواب دیتے ہیں ربنا الذی اعطیٰ کل شیئٍ خلقہ ثم ھدیٰ کہ ہمارا رب وہ ہے جو ہر چیز کو پیدا کرتا اور ہدایت دیتا ہے۔ یعنی اس نے اپنی صفت ربوبیت کے تقاضا سے ہی ہمیں تیری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ پس یہ بات کہ تورات خدا کو رب بنی اسرائیل کی حیثیت سے پیش کرتی ہے، نہ کہ رب العالمین کی حیثیت سے اسر سر بے بنیاد ہے، تورات خدا کو رب العالمین کی حیثیت سے صرف پیش ہی نہیں کرتی، بلکہ رب العالمین کے معنی بھی کھول کھول کر بیان کرتی ہے، اور بتاتی

سارے زمانوں کے لئے ایک ہی رسول بھیج دیا گیا ہے، بلکہ ذکر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیش گوئی توریت اور انجیل میں موجود ہے۔ آپ کا پیغام صرف مشرکین عرب تک ہی محدود نہیں، جن کے پاس پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، بلکہ مشرکین و توریت والے اور انجیل والے سب آپ کے مخاطب اور سب آپ پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہیں۔ عربی میں جب خطاب کیا جائے گا، جمع خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا، یا ایھا النّاس کہہ کر ہی خطاب کیا جائے گا۔ جیسے ہم کہتے ہیں، اے لوگو! الناس سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو ذہن میں ہوں، خواہ کل خواہ ازل سے ابد تک کے لوگ اس میں نہیں آ جاتے۔ اسی طرح مخاطب خواہ تھوڑے ہوں خواہ بہت، جب انہیں ایک حکم میں جمع کرنا مقصود ہو تو جمیعا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا (نور - ع ۸) کہ مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اس میں کوئی گناہ نہیں۔

سو آیات زیر بحث کا منشا تو فقط اتنا ہے کہ صرف مشرکین ہی آنحضرت کے مخاطب نہیں، مشرکین، توریت والے، انجیل والے سب مخاطب ہیں۔

اب اس جمیعا کے لفظ کو جو اہل کتاب کو بھی آنحضرت کے مخاطبین کے ساتھ جمع کرنے کے لئے آیا تھا اپنے سیاق و سباق سے اڑا کر اپنے پاس سے اس پر یہ عمارت تعمیر کر دی کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کی طرف رسول ہیں، اب آئندہ کو سنت اللہ بدل گئی ہے اور رسولوں کا آنا بند ہو گیا ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ (نساء ع ۷) یعنی فقروں کو اپنے مقامات سے پھیرنے یا محرف کرنے کا مصداق ہے جو مسلمان کی شان کے شایاں نہیں۔

قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم۔ قل ارونی الذین الحقتم بہ شرکاء کلا بل ھو اللہ العزیز الحکیم

کہہ کہ خدا ہم کو اکٹھا کریگا پھر انصاف کے ساتھ ہم سب کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہی فیصلہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

میں نئے رسول اور نئی کتاب کے آنے پر انہیں ماننے کا حکم موجود ہے، کون مسلمان اس بات سے بے خبر ہے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو یہودیوں میں سے جس نے آنحضرتؐ کو مانا، اسی نے توریت اور حضرت موسیٰ کو بھی مانا، جس نے آنحضرتؐ کو چھوڑا، خدا نے اس کو توریت اور حضرت موسیٰؑ کا بھی منکر قرار دیا۔

سورہ اعراف اور سورۂ سبا کی آیات جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ سارے زمانے کے لئے سب انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے اور آئندہ رسول کی حاجت نہیں حسب ذیل ہیں۔۔۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔

جو لوگ نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر ان کے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا ہے جو انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے، پاکیزہ چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔ ان کے بوجھ کو اور طوقوں کو جو ان پر تھے ان سے اتارتا ہے پس وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کی عزت کی اور امداد کی اور اس نور کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا پیروی کی وہی کامیاب ہونے والے ہیں، کہہ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(اعراف - ع ۱۹)

بجائے اس کے کہ ایسا ذکر نہیں کہ بار بار رسول بھیجنے کے سابقہ طریق کو ترک کر کے آئندہ

موافق مخالف اپنے زمانہ کے سب لوگوں کی طرف رسول ہیں۔ لیکن یہ کہاں نکلا کہ آئندہ کو رسول بھیجنے کی سنت اللہ بدل دی گئی، سلسلۂ رسالت ختم کر دیا گیا ہے اور مسلمان قوم جب بگڑ بھی جائے گی اور پھر سے دین کو زندہ کرنے کی ضرورت بھی لاحق ہوگی، اس وقت بھی رسول نہ آئے گا اور خدا مخلوق کو گمراہی میں پڑا ان کے حال پر چھوڑ دے گا۔ اور چپ چاپ بیٹھا تماشہ دیکھتا رہے گا؟

سورہ انبیاء کی آیت مذکورہ زیر بحث آیت کے معاً بعد یہ الفاظ ہیں وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ آپ دیکھئے پہلی آیات میں یہ ذکر ہے کہ صالح بندوں کو زمین کا وارث بنانے کا وعدہ خدا کے ذمہ ہے جسے وہ پورا کر کے رہے گا۔ اور اس کے بعد یہ کہ اس قرآن میں خدا کے عبادت گزار بندوں کے لئے پیغام ہے۔ کیا پیغام ہے؟ یہ پیغام ہے کہ خدا کے وعدہ پر بھروسہ کر کے اس کے ظہور کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ دنیا سے بدی کو دور کرنے اور نیکی کو قائم کرنے کے کام میں لگے رہیں۔ ان کی کوششیں رائگاں نہیں جائیں گی، انہیں بار آور بنانا خدا کے ذمہ ہے۔ اس کے معاً بعد رحمۃ للعالمین والا فقرہ ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ آنحضرت بھی اسی پیغام کے حامل اور اسی مقصد کے لئے کام کرنے والے ہیں، اور چونکہ پیغام عام ہے اس میں ساری نسل انسانی کی بھلائی ہے، اس لئے آپ رحمت للعالمین ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے رحمت للعالمین ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی کو قائم کرنے کا کام آپ کے بعد بھی جاری رہے۔ جب آپ کی قوم بگڑ جائے تو نیا رسول ظاہر ہو کر اور لوگوں کو اس کام پر لگا دے، تاکہ وہ مقصد جس کے لئے آنحضرت کام کرتے رہے اور جس کو سامنے رکھنے کے باعث آپ رحمۃ للعالمین کہلائے پورا ہو، چنانچہ آنحضرت نے فرما بھی دیا کہ جب آپ کی قوم بگڑ جائے گی تو حضرت مسیح علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اور ان کے ذریعہ ساری دنیا میں قیام حق کا کام انجام پائے گا۔ پس یہ آیت آئندہ رسولوں کو روکنے کی بجائے ان کا آنا ضروری قرار دیتی ہے۔

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا ۔ ولكن اكثر الناس لا يعلمون ويقولون متى هذا الوعد ان كنتم صادقين قل لكم ميعاد يوم لا تستاخرون عنه ساعة ولا تستقدمون ۔

(سبا ع)

کہہ کہ مجھے دکھاؤ جنہیں تم نے خدا کے شریک بنا کر اس کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں وہی غالب اور حکمت والا ہے اور ہم نے تجھے سب لوگوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کو بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب ہوگا کہہ کہ تمہاری میعاد مقرر ہے، تم اس سے پل بھر نہ آگے بڑھ سکو گے نہ پیچھے ہٹ سکو گے۔

جہاں ذکر آنحضرت کے پیروؤں اور مخالفوں کو فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا ہے اور مکذب جو پوچھتے تھے کہ ان پر عذاب کب آئے گا؟ اس کا جواب دیا ہے کہ تمہارے لئے میعاد مقرر ہے جس سے نہ تم ادھر ہوگے نہ ادھر۔ ناظرین کرام خود دیکھ سکتے ہیں کہ آیا یہ سیاق سباق ایسا ہے جس میں رسول بھیجنے کے مطابق قادیانی کہتے ہیں کہ سارے زمانوں کے لئے ایک ہی رسول بھیجنے کا اعلان مقصود ہو؟ کافۃ للناس کے لفظ میں جس کے معنی جمیع الناس کے ہیں، اسی جمع کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر یجمع بیننا میں ہوا۔ الغرض یجمع بیننا میں مسلمہ طور پر موافقوں اور مخالفوں کو فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا ذکر ہے۔ جس کی ابتدا یوم بدر میں ہوئی اور انتہا فتح مکہ کے روز۔ پس مطلب یہ ہے کہ اے رسول! ہم نے آپ کو سب لوگوں (موافق مخالف دونوں گروہوں) کی طرف بھیجا ہے کہ تو موافق گروہ کو بشارت دے اور مخالفوں کو عذاب سے ڈرائے، اور سب لوگ یعنی دونوں گروہ دیکھ لیں گے کہ تو خدا کا سچا رسول ہے۔ جس جس کو جو وعدہ تو نے دیا پورا ہو کر رہا۔ نہ مومنوں کو جو کامیابی کی خوشخبری دی اس میں تخلف ہوا، نہ مشرکوں کو جو عذاب کا وعدہ دیا وہ غلط نکلا۔

الغرض یہ تو صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب، یہود و نصاریٰ کی

رسول اللہؐ کے صحابہؓ کی جماعت مراد ہے، چنانچہ دوسری آیت میں بتا دیا ہے کہ یہ وہ جماعت ہے جس کے عقیدہ و عمل کی درستی کے گواہ رسول اللہؐ ہیں۔ رسول کے سامنے جو قوم ہوتی ہے، اسی کا رسول گواہ ہوتا ہے۔ بعد میں آنے والوں کے بارہ میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔ حضرت عیسےٰؑ کا قول قرآن میں منقول ہے وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (المائدہ رکوع آخری) کہ "اے خدا میں تو اسی وقت تک امت کا گواہ تھا، جب تک میں ان کے درمیان رہا۔ جب تو نے مجھے وفات دی تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔"

حدیث میں ہے کہ جب فرشتے آنحضرتؐ کی امت کے ایک حصہ کو دوزخ کی طرف لے جانے لگیں گے، تو آنحضرتؐ فرمائیں گے، اصحابی اصحابی کہ یہ لوگ میری امت کے لوگ ہیں۔ تو فرشتے جواب دیں گے۔ "انک لا تدری ما احدثوا بعدک" کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اس وقت آنحضرتؐ یہی الفاظ دہرائیں گے جو حضرت عیسےٰؑ نے فرمائے اور قرآن میں منقول ہیں۔

اس سے ثابت ہے کہ امت وسطا وہ تھی، جس کے رسول اللہؐ شاہد حال تھے، اور رسول اللہؐ صحابہ کے ہی شاہد حال تھے، پس اس آیت سے مراد صحابہؓ کی وہ جماعت ہے، جو آخر دم تک رسول اللہؐ کے نقش قدم پر چلتی رہی، یہ صحیح ہے، کہ آپ کے بعد بھی جب تک مسلمان من حیث القوم عہد فرمانبرداری پر قائم رہے اس حکم میں شامل ہیں، لیکن جب اس عہد کو توڑ دیا، پھر نہیں،

امت وسط والی آیت تحویل قبلہ کے مضمون میں آئی ہے۔ جہاں بجائے بیت المقدس کے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ لفظ لتکونوا کا مطلب یہ ہے۔ کہ مسلمان قوم حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے نتیجہ میں دجود کی میں

خیر امت

مسلمان قوم کو جماعت وسطا یا خیر امت کہا گیا ہے۔ تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے، انی فضلتکم علی العالمین۔ کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے، سو جیسے بنی اسرائیل کو اپنے زمانہ میں سب قوموں پر فضیلت تھی، ویسے ہی بے شک مسلمان اپنے وقت میں بہترین امت تھے۔ مسلمانوں کو جہاں خیر امت کہا گیا ہے، وہاں اس کے وجوہات بھی بتلائے ہیں، فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ (آل عمران ۱۲) کہ تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے فائدہ کا کام کرتے ہو، نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ سو جب تک مسلمان قوم ان صفات سے موصوف تھی، کچھ شک نہیں کہ بہترین امت تھی۔ لیکن جب تومنون باللہ کی بجائے کانوا بآیاتنا لا یوقنون کے مصداق ہو گئے، یعنی اللہ کی آیات پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجائے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے لگے۔ ربما صدوا لہم عن سبیل اللہ نحل - ۱۳) اور منعم علیہم ہونے کی بجائے ان پر فرد جرم لگ گئی، (واذا وقع القول علیہم) خلافت الٰہی ان سے چھین لی گئی ہے، اس وقت وہ پہلی سی خیر امت والی صورت کہاں باقی رہی؟ اسی طرح امت وسطا والی پوری آیت یہ ہے۔ "وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا" بقرہ - ۱۷، جب تک مسلمان قوم اپنے رسول کی پیروی اور نگرانی میں رہی، اور رسول کے نقش قدم پر چل کر دوسروں کی نگرانی اور تربیت و تعلیم کرتی رہی، بیشک وہ امت وسطا تھی، جب ان کی وہ حالت نہ رہی، امت وسطا بھی نہ رہی یاد رہے کہ ان دونوں آیات میں

کے الفاظ آئے ہیں، وہاں نہ دین کی تدریجی تکمیل کا ذکر ہے، نہ سلسلہ رسالت کے ختم ہونے کا۔ وہاں جو مضمون چل رہا ہے وہ بالکل اور ہے، ہمارے علماء جب قرآن سے مایوس ہوتے ہیں تو ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں اور اپنے مفید مطلب زمین تیار کرنے کے لئے یوحنا کی انجیل سے ایک فقرہ نکال کر آیہ مذکورہ کے سیاق و سباق میں ٹھونس دیتے ہیں وہ فقرہ یہ ہے:-

"میری بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتاوے گی۔"

سوال یہ ہے کہ اگر الیوم اکملت لکم دینکم کا فقرہ انجیل کے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے آیا تھا، تو کیا خدا اتنا نہ کہہ سکتا تھا کہ حسب وعدہ انجیل آج تمہارے دین کو مکمل کر دیا گیا ہے؟ قرآن میں جہاں توریت انجیل کے حوالے موجود ہیں وہاں آیہ زیر بحث میں "حسب وعدہ انجیل" کے لفظ کیوں نہ ڈالے گئے؟ اب ہمارا اپنی طرف سے ان الفاظ کو داخل قرآن کرنا تاکہ ہماری منشا کے مطابق معنی پیدا ہو سکیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ خدا سے فروگذاشت ہو گئی جسے ہم پورا کر رہے ہیں، نعوذ باللہ۔ لیکن مزید مشکل یہ ہے کہ یہ الفاظ اپنی طرف سے داخل کرنے سے بھی بات نہیں بنتی، کیونکہ قرآن نے خود بھی تو کچھ فقرے الیوم اکملت لکم دینکم سے پہلے اور پیچھے فرمائے ہیں، جو کہ آیہ مذکورہ کے قرآنی مفہوم کو معین و مقید کرتے ہیں۔ اور وہ فقرے ہمارے فقرہ کو داخل نہیں ہونے دیتے۔ جیسے کہ آگے دکھایا جائے گا۔

ہم دین کی تعریف کے بیان میں دیکھ آئے ہیں کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی چلا آیا ہے، اور اس میں ناقص و کامل کا امتیاز خارج از بحث ہے۔ شکلوں میں جو اختلافات ہیں ان کا موجب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں تشکیل حسب حالات زمانہ ہوتی

آتی۔ بہرحال سے اس کے مناسب حال یہی ہے کہ کعبۃ اللہ کو ہی جس کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے ہے، اس کا قبلہ بنایا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ذکر قرآن میں اس طرح سے ہے۔

واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین ...... ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (بقرہ - ۱۵)

خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو بعض باتوں میں آزمایا اور ابراہیم نے انہیں بخوبی ختم پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا، کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا، حضرت ابراہیمؑ نے کہا، اور میری اولاد سے؟ اللہ تعالے نے فرمایا میرے اس عہد سے ظالم لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

گویا شریعت سے امت مسلمہ کو اس وقت تک منصب علیا پر رکھنے کا ارادہ تھا، جب تک وہ عہد فرمانبرداری پر قائم رہے، اور ہر امت پر جو خدا کا انعام ہوتا ہے، ان کے عہد فرمانبرداری پر قائم رہنے سے مشروط ہوتا ہے۔

تکمیل دین

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ دین کی تکمیل تدریجاً ہوتی رہی، سب سے پہلے پیغمبر کو خدا نے تھوڑا سا حصہ دین کا سکھایا، دوسرے کو اس سے زیادہ اور تیسرے کو اس سے زیادہ، حتیٰ کہ آنحضرت صلعم کو سارا دین سکھا دیا۔ جب سارا دین سکھایا جا چکا، اور کوئی چیز سکھانے والی باقی نہ رہی، اب اگر خدا پیغمبر بھیجے تو کس غرض سے؟

اگر یہ بات جس طرح بیان کی جاتی ہے، قرآن میں کہیں ہوتی تو بے شک سلسلہ رسالت ختم ہوتا، لیکن مشکل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں الیوم اکملت لکم دینکم

بھی کمال کی اس حد کو نہیں پہنچا (فقہا) کافی ہوتا اور دوسرے مقننوں سے بے نیاز کر دیتا
واقعات پر نگاہ ڈالنے سے بھی بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف میں صلوٰۃ
و زکوٰۃ تک کے تفصیلی احکام موجود نہیں، اور یہ تفصیلات سنت رسول سے لینا پڑتی
ہیں۔ اسی طرح ضابطہ فوجداری، ضابطہ دیوانی، قانون شہادت وغیرہ قوانین میں سے ہر ایک کی چند
دفعات کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور ایک حصے کا حدیث شریف میں، باقی
تفصیلات فقہا کو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد سے مدوّن کرنا پڑی ہیں۔

سورۂ مائدہ میں دین کو مکمل ہونے کے ذکر سے پہلے حیوانی غذاؤں کی حرمت کا ذکر آیا ہے
اور صرف چار چیزوں مردار، خون، سور اور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیے گئے
جانوروں کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی مضمون کی آیت منہ جو سورۃ انعام پر جناب
مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں: "فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا
قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں سے یہی چار چیزیں (سور، مردار، خون، جو اللہ کے
سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو) حرام ہیں، اور ان کے سوا ہر چیز کا کھانا
جائز ہے۔ یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا تھا، لیکن
متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کے
کھانے سے یا تو منع فرمایا ہے یا ان پر کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً پالتو گدھے،
کچلیوں والے درندے اور پنجوں والے پرندے۔ اس وجہ سے اکثر فقہاء تحریم
کو ان چار چیزوں تک محدود نہیں مانتے بلکہ دوسری چیزوں تک اسے وسیع قرار دیتے
ہیں۔ مگر اس کے بعد پھر مختلف چیزوں کی حرمت و حلت میں فقہا کے درمیان اختلاف
ہوا ہے۔ مثلاً پالتو گدھے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی حرام قرار
دیتے ہیں۔ لیکن بعض دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں، بلکہ کسی وجہ سے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اس کی ممانعت فرما دی تھی۔ درندہ جانوروں

اور حالات بدل جانے پر نئی تشکیل کرنی پڑی، جب تک زمانہ چلتا ہے، یعنی حالات بدلتے ہیں، شکلوں کا بدلنا ناگزیر ہے، شکلوں کی تبدیلی ختم ہونے یا کسی شکل کے آخری ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ زمانہ ختم ہو جائے، اور دنیا فنا ہو جائے۔ مودودی کی آخری شکل … جس کے بعد دنیا فنا ہو جائے گی، اور وہ اس وجہ سے آخری ہوگی کہ اس کے بعد خدا انسانی … جیسے کہ دین … کی شکل پر پہنچ گیا کہ … باوجود اس شکل میں تبدیلی کی … مسلمانوں کا خیال بے شک یہی تھا۔ اسلام کے بعد بارہ تیرہ سو سال میں علامات قیامت کا ظہور ہو جائے گا، دجال کا خروج اور امام مہدی اور حضرت مسیح کا نزول ہو کر چودھویں صدی میں دنیا فنا ہو جائے گی۔ اگر یہ خیال درست نکلتا اور حالات میں ایسی تبدیلی نہ ہوتی جس سے نئی تشکیل دین کی ضرورت ہوتی اور دنیا فنا ہو جاتی، تو بے شک اسلام دین کی آخری شکل ہوتا۔

"ختم نبوت" اسلام کی آخریت کے خیال کا پس منظر یہی ہے کہ اسلام کے بعد جلد ہی دنیا ختم ہو جائے گی، دنیا کے باقی رہتے … دین کا تمدن بھی ترقی … شکل پر پہنچ جاتا کہ اس میں مزید تبدیلی کی گنجائش نہ ہو محال ہے۔

قرآن شریف نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے … کو پیش آنے والے حالات اور مسائل کی مکمل فہرست اور ان میں سے ہر ایک صورت حال کا معین حل قرآن میں درج کر دیا گیا ہے، بخلاف اس کے قرآن شریف نے کھلم کھلا اجتہاد کو تسلیم کیا ہے۔ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء ع ۱۱)۔

شریعت اسلامی کے مسلمہ ماخذ تین ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اور فقہ۔ ان تین ماخذوں کا اقرار خود اس اقرار کو مستلزم ہے کہ ان ماخذوں میں سے کوئی

کود کر زمین پر چلتے ہیں حلال ہیں، جیسے ٹڈی، سلعام، خرگول، ٹڈے کی قسموں کے
رینگنے والے پرندوں میں سے جن کے چار پاؤں ہیں وہ مکروہ ہیں، چار پاؤں پر چلنے
والے جانوروں میں سے جو انگلیوں کے بل چلتے ہیں ناپاک ہیں۔ رینگنے والوں میں
سے جو زمین پر رینگتے ہیں جیسے چھچھوندر، چوہا، گوہ، ورل، جرذون،
چھپکلی، اناعت اور گرگٹ حرام ہیں۔ (احبار باب ۱۱)

ظاہر ہے کہ یہ بیان زیادہ مفصل ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ توریت زیادہ
مکمل ہے اور قرآن کم، کیونکہ کمال کسی خاص تفصیلات یا احکام میں منحصر نہیں،
بلکہ ضروریات وقت کو بوجہ احسن پورا کرنے میں ہے۔ چنانچہ توریت کے زمانہ میں ان تفصیلات
کی ضرورت تھی، اگر وہ انہیں بیان نہ کرتی تو کامل نہ ہوتی۔ بخلاف اس کے زمانہ
قرآن میں جب انسان اس قابل ہو چکا تھا کہ ان تفصیلات کو خود مرتب کر لے، قرآن
اگر انہیں بلا ضرورت بیان کرتا تو منافی کمال ہوتا۔ غرض جس معنی میں قرآن کے ذریعے
دین مکمل کیا جانا عموماً مانا جاتا ہے اس معنی میں تکمیل دین کو نہ قرآن شریف نے دعویٰ
کیا ہے، نہ واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے، بلکہ ایسی تکمیل خدا کے مقصد کے منافی
تھی۔ خدا کا مقصد ہے انسان کی تربیت یعنی اس کے قویٰ کا نشو ونما اور ایسی بندشیں
لگی ہدایت دے دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان بس ایک بے جان مشین ہو کر
رہ جاتا جس میں نہ اپنی عقل ہو نہ فکر، نہ قویٰ کی ریاضت و نشو ونما کا موقع۔ پس ہر
عہد میں خدا کی کتاب توحید اور وحدت انسانی پر اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے، اور
وحدت انسانی کی ایک شرط جس کی تعیین حسب حالات زمانہ ہوتی ہے، لوگوں کے
سامنے رکھ دیتی ہے اور اس تک پہنچنے کے لئے حسب ضرورت کم یا زیادہ مثالی احکام
دے دیتی ہے، جس کی روشنی میں امت کے پیرو باقی تفصیلات خود بہم پہنچا لیتے ہیں
جب لمبا زمانہ گزر جانے پر ایک طرف لوگ بگڑ جاتے ہیں اور دوسری طرف حالات میں
اتنا تغیر ہو جاتا ہے کہ سابقہ مثالی احکام سے تازہ پیش آمدہ ضروریات کا حل نہیں

اور پرندوں کو حنفیہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ مگر امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں۔ لیث کے نزدیک بلی حلال ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صرف وہ درندے حرام ہیں جو انسان پر حملہ کرتے ہیں جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ۔ عکرمہ کے نزدیک کوا اور بجو دونوں حلال ہیں۔

اگر خدا کی منشا یہی ہوتی کہ سیاق کو پیش آنے والے امور و مسائل کی پوری پوری تفصیلات کتاب اللہ میں دے دی گئی ہیں تو کم از کم معدودہ اٹھارہ چیزوں کی رعایت سے جو سامنے آسکتی تھیں، حرام حیوانی غذاؤں کی تو مکمل فہرست دے دیتا۔ اگر ایک مکمل فہرست دے دی گئی ہوتی، تو یہ اختلافات جو آپ دیکھ رہے ہیں رونما نہ ہوتے۔ بقابلہ اس کے توریت میں حسب ذیل احکام پائے جاتے ہیں:۔

چارپایوں میں سے جن کا کھر چرا ہوا ہو اور وہ جگالی کرتے ہوں حلال ہیں۔ اونٹ، سافن اور خرگوش اگرچہ جگالی کرتے ہیں پر ان کا کھر چرا ہوا نہیں، حرام ہیں۔ اسی طرح سور جس کا کھر تو چرا ہوا ہے جگالی نہیں کرتا حرام ہے۔

پانی میں رہنے والے جانوروں میں سے جن کے پر اور چھلکے ہوں خواہ سمندروں میں ہوں یا ندیوں میں حلال ہیں۔ لیکن جن کے پر اور چھلکے نہ ہوں خواہ سمندروں میں ہوں یا ندیوں میں، وہ سب جاندار جو پانی میں رہتے ہیں وہ مکروہ ہیں۔ انہیں نہ کھانا۔

پرندوں میں سے نسر، عقاب، چیل، عقاب، گدھ، شتر مرغ، الو، کوکل، باز، بوم، بگلا، رخم، لق لق، راج ہنس، حواصل، ہد ہد، چمگادڑ اور سب پرندے جو چار پاؤں کے بل چلتے ہیں، اپنی اپنی قسم کے سب قسمیں مکروہ ہیں۔ نہ کھائی جائیں۔ مگر اڑنے والے رینگنے والوں میں سے جو چار پاؤں کے بل چلتے ہیں اور ان کی ٹانگیں اوپر سے پنڈلیوں تک ... باقی ہیں کہ وہ ان سے

کہ انہوں نے خدائی احکام کی بدرجۂ اتم تعمیل کر دی۔ لیکن ہم اس کے خلاف یہ کہتے رہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا دین ادھورا اور ناقص تھا۔ دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آ کر کامل ہوا۔

انجیل کے فقرہ مذکورہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں حالات اور ضروریات کے مطابق کلام نازل ہوتا ہے اور اس مضمون کو قرآن نے بھی دہرایا ہے۔ جہاں فرمایا ہے کہ نزول کلام باندازہ ضرورت ہوتا ہے، جس کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے۔ پس اگر حضرت مسیحؑ نے اتنی ہی باتیں بتائیں جن کی ان کے زمانہ میں ضرورت تھی، ساری نہ بتائیں تو قرآن کے اس بیان سے کہ ہر زمانہ میں نزول کلام بقدر ضرورت ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اتنی ہی باتیں بتائیں جتنی اس کے زمانہ میں ضروری تھیں، ساری نہ بتائیں اور اسی لئے حضرت مسیحؑ کے مذکورہ قول کا حوالہ نہ دیا تاکہ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اب اور کوئی باتیں بتانے والی باقی نہیں رہیں، بلکہ صاف طور پر فرما دیا کہ خدا خود ہی حسب ضرورت وحی الٰہی کی بارش برساتا ہے، اہل زمین اس کا ذخیرہ کر کے آئندہ ضروریات کے لئے نہیں رکھ سکتے۔ قرآن شریف نے ان باتوں کو بتانے کا دعویٰ نہیں کیا جو مسیح نے آئندہ بتانے کا وعدہ کیا تھا، ہاں جناب بہاء اللہ نے لوح پوپ میں حضرت مسیحؑ کے مذکورہ قول کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ جو باتیں حضرت مسیحؑ نے نہیں بتائی تھیں میں وہ بتانے آیا ہوں۔ اور لطف یہ ہے کہ باوجود اس کے بہاء اللہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کے بعد سلسلہ رشد و ہدایت بند ہو گیا ہے اور کوئی مربی نسل انسانی ظاہر نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کا ساری باتیں بتانے والا قول بھی اضافی تھا۔

آیئے! اب آیۂ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم پر اس کے سیاق سباق میں غور کریں اور پتہ لگائیں کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

بے شک۔ اور وحدتِ انسانی کی مکمل تشکیل پر حاصل ہونے کے لئے پروگرام مرتب کرنے کا وقت آپہنچا ہے تو خدا اپنی عادتِ قدیم کے مطابق مخلوق کی راہنمائی کے لئے نئی کتاب بھیج دیتا ہے۔ تمام پیغمبر یکساں موصوف ہوتے ہیں اور یکساں جذبہ ہمدردی بنی نوع کا رکھتے ہیں۔ فرق اگر ہے تو اور وحدتِ انسانی کی نوعیت میں نہیں ہوتی بلکہ اس کے دائرہ عمل کی وسعت میں ہوتی ہے۔

غرض ہر شکل جو دین نے کسی زمانہ میں اختیار کی، اپنی اپنی جگہ پر اتنی کامل تھی کہ اس سے بہتر نا ممکن تھی۔ یہاں تک کہ خدا کی اپنی کتابیں بھی ایک دوسری کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ توریت اپنے زمانہ میں ایسی کتاب تھی جس پر تمام خوبیاں ختم تھیں لیکن قرآن کی جگہ نہیں لے سکتی تھی۔ اسی طرح اگرچہ قرآن اپنی جگہ پر کامل اکمل ہے توریت کی جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ پس نہ صرف حقیقتِ دین میں ناقص کامل کا اختلاف خارج از بحث ہے بلکہ شکلوں کے لحاظ سے بھی نقص کمال کا سوال پیدا نہیں ہوتا

دینِ خدا کا دین ہر زمانہ میں ہر وقت کامل رہا ہے۔

سابقہ پیغمبروں کے سوانح حیات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دین تام تمام تھا۔ مثلاً حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کو دیکھیے۔ بوڑھے باپ کا اپنے جوان فرمانبردار صالح لختِ جگر کو جو باپ کا عصائے پیری ہے کامل سکون کی حالت میں محض خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جانا اور سعادت مند بیٹے کا رضامندی سے خدا کی راہ میں ذبح ہونے کے لئے گردن رکھ دینا۔ اس سے بڑھ کر وفاداری، فرمانبرداری اور کمال دینداری کی مثال کہاں ملے گی۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خدا تو حضرت ابراہیم کو یہ سرٹیفکیٹ دے کہ وہ اپنی امتحان میں سو فی صدی نمبر لے کر پاس ہو گئے۔ (واذ ابتلیٰ ابراہیم ربہ بکلمات فاتمہن قال انی جاعلک للناس اماما (البقرہ -

آیت ۱۲ - ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ -
آیت ۱۳ - فبما نقضھم میثاقھم لعنٰھم

یعنی لئے سمعنا اپنے اقراروں کو پورا کرنا۔ اب جبکہ تم کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے، اس عداوت سے کہ ان لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا۔ ان پر زیادتی نہ کرنا اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی امداد کرنا گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کا مدد نہ کرنا، خدا سے ڈرتے رہنا، یاد رکھنا، عہد توڑنے پر وہ سخت عذاب دینے والا ہے، دیکھو ایک وقت تھا کہ تم کمزور تھے کافر طاقتور تھے، انہوں نے تمہیں مٹا دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ خدا کے اس احسان کو نہ بھلانا، کہ اس نے کافروں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔ اور آج وہ تمہارے دین کی طرف سے یعنی اسے مٹا کر تمہیں پھر اپنے اندر جذب کر لینے کے مقصد سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اب تمہیں ان سے کچھ خوف باقی نہیں رہا۔ تم نے دیکھ لیا کہ ہم نے دین کو ضعف سے قوت کی طرف کمال بخشنے اور تمہاری فرمانبرداری کے انعام میں تمہاری حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا پورا کر دیا ہے۔ اب یاد رکھنا کہ یہ تمہارا عروج اور غلبہ تمہارے عہد فرمانبرداری (الاسلام) سے مشروط ہے جو تم نے سمعنا و اطعنا کہہ کر پختہ طور سے باندھا تھا۔ خدا سے ڈرتے رہنا، وہ دل کی باتوں کو بھی جانتا ہے، اللہ کے لئے انصاف کی گواہی کی حفاظت کرنا اور کسی قوم سے دشمنی کی وجہ سے اس سے بے انصافی نہ کرنا عدل کرنا کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہنا، جو کچھ تم کرو گے اس سے وہ خبردار رہے گا، یہ بھی یاد رکھنا کہ ہم نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیا تھا، پھر جب انہوں نے عہد توڑ دیا، تو ہم نے ان کو راندہ بارگاہ (ملعون) بنا دیا۔ سو جو انعام تم پر کیا گیا ہے۔ یہ صاف طور پر تمہارے الاسلام یا فرمانبرداری پر قائم رہنے تک ہے، جب تم بنی اسرائیل کی طرح عہد توڑ دو گے، تو تم سے بھی انعام چھین لیا جائے گا، اور تم سے بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو ان سے کیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرماتے ہی باطل نے ٹکر لی اور تہیہ کر لیا۔ کہ
حق کے ننھا بچہ پودہ کو جڑ پکڑنے ، بڑھنے ، پھولنے پھلنے سے پہلے ہی ختم کر دے
اس وقت خدا نے مومنوں سے عہد کیا کہ تم میری فرمانبرداری پر قائم رہنا ، میں
دین کی دشمنوں سے حفاظت کروں گا ۔ آخرکار تمام مخالفت کو کچل کے رکھ دوں
گا ۔ اور تم کو کافروں پر غلبہ عطا کروں گا ، چنانچہ خدا نے ایسا ہی کر دکھایا ، جب یہ
ہو چکا تو اب خدا سورۂ مائدہ میں مومنوں کو ان کا عہد یاد دلاتا ہے اور فرماتا ہے

آیت ۱ - یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود ......
آیت ۲ - ...... ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم
عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا
تعاونوا علی الاثم والعدوان ، واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب
آیت ۳ - ...... الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا
تخشوھم واخشون ، الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم
نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ......
آیت ۷ - واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اذ
قلتم سمعنا واطعنا ، واتقوا اللہ ان اللہ علیم بذات الصدور ۔
آیت ۸ - یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط
ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی
واتقوا اللہ ، ان اللہ خبیر بما تعملون ۔
آیت ۱۱ - یا ایھا الذین امنوا اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ ھم قوم
ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم واتقوا اللہ وعلی
اللہ فلیتوکل المؤمنون ۔

۱۱ حفاظت قرآن

سورۂ حجر میں ذکر کو نازل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا ذکر ہے، عام طور پر مسلمان سمجھتے ہیں، کہ ذکر صرف قرآن شریف ہی ہے، اور اس کی حفاظت سے قرآن شریف کے الفاظ کی حفاظت مراد ہے، یعنی اس میں تحریف لفظی نہ ہونے پائے گی، حالانکہ ذکر صرف قرآن شریف کا نام ہی نہیں، توریت بھی حقیقی ذکر ہی تھی، جیسے ہم دیکھ آئے ہیں زبور میں بھی ذکر تھا، جیسے کہ فرماتا ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر (انبیاء ع ۷) کہ ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا...... توریت زبور تک ہی موقوف نہیں، تمام پیغمبروں کی تعلیم کا نام ذکر ہے، ولقد ارسلنا الی امم من قبلک... ... فلما نسوا ما ذکروا بہ (انعام ع ۵) کہ اے رسول! پہلی قوموں کی طرف ہم رسول بھیجتے رہے...... پس جب ان کی قومیں ذکر کو جو انہیں عطا کیا جاتا، بھول جاتیں... یہود و نصاریٰ کو جیسے اہل کتاب کہا ہے اہل ذکر بھی کہا ہے

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

(انبیاء ع ۲۸) ذکر کے معنی ہیں یاد دہانی چونکہ تمام پیغمبروں کی تعلیم ایک ہی ہوتی ہے، صرف پیرایہ نیا ہوتا ہے اس لئے ہر پیغمبر کی تعلیم کو ذکر محدث یا تازہ یاد دہانی کہا جاتا ہے، جیسے فرمایا ہے وما یاتیہم من ذکر من الرحمٰن محدث الا کانوا عنہا معرضین (شعراء ع ۱) ہر بار جب لوگوں کے پاس تازہ یاد دہانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، ذکر رسول کو بھی کہتے ہیں: قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم آیات اللہ (طلاق ع ۲) کہ خدا نے تمہاری طرف ذکر نازل کیا ہے، جو رسول ہے اور تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے، اب آیت زیر بحث کو ملاحظہ فرمائیے۔

ربما یود الذین کفروا لو کانوا ... بسا اوقات کفار خواہش کریں گے، کہ کاش

اب اچھی طرح سے غور کر کے دیکھ لیں کہ آیا الیوم اکملت لکم دینکم کا یہ منشاء ہے کہ (۱) جو سلسلہ سے ناقص چلا آتا تھا، عہدِ محمدی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، (۲) یا یہ کہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تجدید دین حنیف کا جو کام ہوا، اس کو تمام مشکلوں سے بحفاظت تمام گذار کر انجام کو پہنچا دیا، دین کے ضعف کو قوت میں اور خوف کو حالت امن میں بدل دیا۔ منافقوں کو ناکام و نامراد اور مومنوں کو غالب و کامیاب بنا دیا، (۳) آیا یہ منشا ہے کہ مسلمان قوم خواہ کچھ کرے، یہ خدا کی چہیتی قوم ہے، ان کی اصلاح کا بھی کسی کو حق نہیں رہا۔ یا یہ کہ مسلمان قوم کو عروج و اقبال بھی بنی اسرائیل کی طرح ان کے ایفائے عہد تک ہے۔ جب وہ عہد توڑ دیں گے، تو ان سے وہی سلوک ہوگا جو ان سے پہلے عہد فرمانبرداری توڑنے والی قوموں سے ہوتا رہا۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

الیوم اکملت لکم دینکم کے منشا کو ان کے سابقہ کے سیاق الفاظ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم اور اتممت علیکم نعمتی کے مضمون نے آیت ۱۱ کے الفاظ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم اور رضیت لکم الاسلام دینا کے معنی کو آیت ۷ کے الفاظ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا واطعنا اچھی طرح واضح کر رہے ہیں، آیات زیر بحث اپنے سیاق و سباق میں مسلمانوں کو دوامی نعمت عطا کرنے کی بجائے ایفائے عہد تک ان کی میعاد مقرر کر رہی ہے اور متنبہ کر رہی ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح نقض عہد کے مرتکب ہو کر تم بھی اتمام نعمت سے محروم ہو جاؤ گے۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ مخالف جو ذکر کو اُترتے ہی مٹا دینا چاہتے
تھے، اُن سے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ذکر کوئی پہلی بار
نازل نہیں ہوا، اور نہ ہی پہلی بار اس کی مخالفت ہو رہی ہے۔ پہلی قوموں کی
طرف بھی ذکر نازل ہوتا رہا۔ اور ہر بار جب وہ نازل ہوتا، مجرم اس کی مخالفت
کرنے، لیکن خدا مخالفوں کو مٹا کر ذکر کو محفوظ کر لیتا، اسی طرح اب ہوگا، یہ
پیغمبر کو للکار رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہمیں فنا کرنے کے لئے فرشتے کیوں نہیں
لے آتا۔ اور نہیں جانتے کہ ان کی موت کا مقررہ وقت آ پہنچا ہے، اور جلد
ہی یہ افسوس کریں گے کہ کاش ہم نے مخالفت نہ کی ہوتی اور فرمانبرداری اختیار
کی ہوتی، چنانچہ مخالفت کو مٹا دینے اور ذکر کی حفاظت کرنے یعنی امر اسلام کو استحکام
و تمکنت بخشنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسی زمانہ میں پورا بھی کر دیا۔

ظاہر ہے کہ حفاظتِ ذکر کا طریق خدا کے ہاں یہ ہے کہ جب جب لوگ
اُسے بھول جاتے ہیں، نئے پیغمبر کے ذریعے اسے نئے سرے سے
قائم و محفوظ کرا دیا جاتا ہے۔ ذکر کے نزول کے وقت لوگ
ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، کہ ذکر کو جو نئے سرے سے
نازل ہوتا ہے قائم نہ ہونے دیں، لیکن خدا اس کی پشت پر
ہوتا ہے۔ انہیں مخالفوں سے خدا خلق جدید پیدا کر دیتا
ہے۔ جو ذکر کی حمایت پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور
جو مخالفت سے باز نہیں آتے انہیں ہلاک کر دیتا ہے،
اور ذکر نئے سرے سے نئی تحریک ہو کر محفوظ ہو جاتا ہے جب لمبا زمانہ گزرنے
سے وہ قوم جو ذکر کی حمایت پر کھڑی ہوئی تھی خود بگڑ جاتی ہے، اور
اب ان کے ہاتھوں ذکر برباد ہونے لگتا ہے۔ تو اُس

مسلمين - ذرهم يأكلوا ويتمتعوا ويلههم الأمل فسوف يعلمون - وما أهلكنا من قرية إلا ولها كتاب معلوم - ما تسبق من أمة أجلها وما يستأخرون - وقالوا يا أيها الذي نزل عليه الذكر إنك لمجنون - لو ما تأتينا بالملائكة إن كنت من الصادقين - ما ننزل الملائكة إلا بالحق وما كانوا إذا منظرين - إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون ٥ ولقد أرسلنا من قبلك في شيع الأولين وما يأتيهم من رسول إلا كانوا به يستهزءون - كذلك نسلكه في قلوب المجرمين ، لا يؤمنون به وقد خلت سنة الأولين .

(حجر - پ ١٤)

ہم مسلمان ہوتے، انہیں کھانے اور فائدہ اٹھانے دو - اور آرزو ان کو غافل کر دے گی پھر انہیں معلوم ہو جائے گا - ہم کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس کے کہ اس کی میعاد مقررہ ہوتی ہے - کوئی قوم اپنی میعاد مقررہ سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی - کہتے ہیں، اے وہ کہ جس پر ذکر نازل ہوا - تو تو دیوانہ ہے - اگر تو سچا ہے - تو فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا - ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر جب مناسب ہو اور اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جائے گی - بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے - اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں - ہم نے تجھ سے پہلے پہلی قوموں میں بھی رسول بھیجے - اور جو بھی رسول اُن کے پاس آتا ہے - وہ اس سے استہزا کرتے - اسی طرح ہم مجرموں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں - تو وہ اس پر ایمان نہیں لاتے، اور پہلے لوگوں کا بھی یہی طریق رہا -

سے دکھایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائیں گے اور ان کے اختلافات کے فیصلہ کی ضرورت لاحق ہو جائے گی۔ اور یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ اختلافات کا فیصلہ بذریعہ رسول ہی ہوتا ہے۔

پس آیہ زیر بحث آمدہ رسول کو مانع ہونے کی بجائے اس کی موئید ہے کیونکہ اس میں حفاظت ذکر کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ ہمیشہ اسی طرح پورا ہوتا رہا ہے کہ جب سابقہ اہل الذکر کے ہاں وہ غیر محفوظ ہو گیا تو نئے پیرایہ میں نئی قوم پر نازل کر کے محفوظ کیا گیا۔

۵۔ تبدیلی کتاب

سورہ انعام میں ہے :۔

افغیر اللہ ابتغی حکما وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا والذین اٰتینٰھم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین، وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا، لا مبدل لکلماتہ (انعام ۱۴)

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حکم مانوں، حالانکہ ہر چیز کھول کر بیان کرنے والی کتاب اس نے تمہاری طرف فرداً فرداً نازل کی ہے پس جھگڑا کرنے والوں سے نہ ہو۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے، تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کی رو سے پوری ہو گئی، خدا کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

ان الفاظ کے کہ "تیرے رب کی بات پوری ہو گئی" یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ خدا اپنا کلام تدریجاً نازل کرتا رہا۔ سب سے پہلی کتاب میں تھوڑا سا حصہ نازل کیا، دوسری میں پہلی سے زیادہ اور تیسرے میں دوسری سے زیادہ یہاں تک کہ قرآن شریف میں سارا کلام جو خدا کے پاس تھا، نازل کر دیا،

وقت خدا نیا پیغمبر بھیج کر ذکر کو دوبارہ محفوظ کرا دیتا ہے جیسے کہ پہلے کیا تھا، چنانچہ جب سابقہ اہل ذکر بگڑ گئے، اور ان کی تحویل میں ذکر محفوظ نہ رہا تو خدا نے اسے نئے پیرایہ میں عرب میں نازل کر کے محفوظ کرا دیا، سابقہ تحویلداروں یا دوسرے لفظوں میں جب خدا کی حفاظتی تدبیر کی مخالفت کی تو انہیں مٹا دیا۔ اور نئی قوم کو جو حفاظت و حمایت ذکر پر کھڑی ہوئی ان کا جانشین بنا دیا۔ اب اگر مسلمان قوم بگڑ جائے اور ذکر پھر ایک مرتبہ اسی طرح غیر محفوظ ہو جائے جیسے سابقہ اہل الذکر کے ہاں غیر محفوظ ہو گیا تھا تو کیا حفاظت ذکر کی خاطر یہ ضروری نہ ہوگا کہ ذکر کو کسی اور قوم پر نئے پیرایہ میں نازل کر کے اسی طرح محفوظ کرایا جائے۔ جیسے سابقہ اہل الذکر کے بگڑنے کے وقت اسے نئے پیرایہ میں عرب میں نازل کر کے محفوظ کیا تھا؟ یہ ظاہر ہے کہ نئے پیرایہ میں تنزیل کے معنی نئی کتاب ہیں جو نئے رسول پر ہی نازل ہو سکتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذکر سے الفاظ مراد نہیں، بلکہ وہ نصیحت مراد ہے، جو الفاظ کے ذریعے کی جاتی ہے۔ سو حفاظت ذکر سے مراد حفاظت الفاظ نہیں بلکہ ان کے مضمون یعنی تعلیم کی حفاظت مراد ہے۔ مسلمان کہتے ہیں، چونکہ قرآن شریف میں تحریف لفظی نہیں ہوئی اور اس کے لفظ بالکل محفوظ ہیں، اس واسطے نئی کتاب کی ضرورت نہیں، حالانکہ قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ جب تک سابقہ کتاب میں تحریف لفظی نہ ہو نئی کتاب نہیں آ سکتی۔ بلکہ بالکل اس کے برعکس لکھا ہے کہ جب قوم میں تفرقہ و اختلاف ہو جائے اور الفاظ کا مغز نہ کہ الفاظ ان کے علم و عمل سے جاتے رہیں، اس وقت اختلافات کے فیصلہ اور تعلیم کو نئے سرے سے واضح کرنے کے لئے ذکر محدث یا نئی کتاب نازل ہوتی ہے۔

مسلمانوں کا تفرقہ اور اختلاف کوئی فرضی بات نہیں۔ قرآن شریف کی متعدد آیات

۱- قد نعلم انه ليحزنك الذي يقولون فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بايات الله يجحدون - ولقد كذبت رسل من قبلك فصبروا على ما كذبوا واوذوا حتى اتاهم نصرنا ولا مبدل لكلمات الله ۵ ولقد جاءك من نبا المرسلين
(انعام ع ۴)

ہم جانتے ہیں کہ تجھے اس سے جو وہ کہتے ہیں غم ہوتا ہے، یہ لوگ تجھے تو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ تجھ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا، پس انہوں نے اس پر صبر کیا اور انہیں دکھ دیا گیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو آ پہنچی۔ اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ اور تیرے پاس سابقہ رسولوں کی خبر آ چکی ہے۔

۲- لهم البشرى في الحيوة الدنيا وفي الاخرة - لا تبديل لكلمات الله ۵ (يونس ع ۷)

ان کے لئے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتوں کو بدلا نہیں جا سکتا۔

۳- واورثنا القوم الذين كانوا يستضعفون مشارق الارض ومغاربها - التي باركنا فيها وتمت كلمت ربك الحسنى على بني اسرائيل بما صبروا ودمرنا ما كان يصنع فرعون وقومه
(اعراف ع ۱۶)

ہم نے اس قوم کو جنہیں کمزور خیال کیا گیا تھا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جسے ہم نے برکت دی وارث بنا دیا، اور بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے تیرے رب کی بات جو ان کی بھلائی پر مشتمل تھی ان کے حق میں پوری ہوئی، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی کوششوں کو برباد کر دیا۔

۴- وتمت كلمت ربك لاملئن

اور تیرے رب کی بات کہ میں جہنم کو

اب کوئی مزید کلام نازل ہونے والا باقی نہیں، خدا کلام نازل کرنے کے کام سے فارغ ہو چکا ہے، اور کلام اور صفت تکلم دونوں ختم ہیں۔

"خدا کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں" کہا جاتا ہے کہ اس فقرہ میں بدلنے سے مراد تبدیلی کتاب ہے، جیسے توریت کی جگہ انجیل آ گئی، یا انجیل کی جگہ قرآن آ گیا۔ خدا کی باتوں سے مراد صرف قرآن شریف ہے جسے بدلنے والا کوئی نہیں "کوئی نہیں" میں خدا بھی شامل ہے بلکہ خدا ہی شامل ہے، کیونکہ کتابوں کی تبدیلی جو پہلے ہوئی وہی وہ خدا ہی کرتا رہا نہ کہ کوئی اور، مثلاً توریت کی بجائے انجیل آئی تو خدا نے بھیجی اور انجیل کی بجائے اگر قرآن آیا تو خدا نے نازل کیا۔ پس جب یہ کہا جائے کہ آئندہ ایسی تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں، تو اسی کی نفی مراد ہو سکتی ہے، جو پہلے ایسی تبدیلیاں کرتا رہا۔

گویا خدا کہتا تو یہ چاہتا تھا کہ آئندہ کو میں بدل گیا ہوں، تبدیلی کتب کا حق و اختیار جو مجھے حاصل تھا اور میں استعمال کرتا رہا ہوں، آئندہ کے لئے باقی نہیں رہا۔ لیکن کہہ یہ دیا، کہ میری باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

سوال یہ ہے کہ زیر خط کشیدہ فقرے قرآن کے کن الفاظ سے نکالے جاتے ہیں؟ یہ فقرے قرآن سے نکالے جاتے ہیں، یا اپنی طرف سے اس میں داخل کئے جاتے ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اب پہلا سا خدا باقی نہیں؟ کیا توریت، انجیل خدا کا کلام نہ تھا؟ اگر تھا، اور خدا اپنے کلام کو خود بھی نہیں بدل سکتا تو آیۂ کریمہ اذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ کے معنی کیا ہیں اور توریت کی جگہ انجیل نے اور انجیل کی جگہ قرآن نے کیونکر لی؟

قرآن شریف میں تمت کلمت ربک اور لا مبدل لکلماتہ کے الفاظ اور جگہوں پر بھی آئے ہیں، جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

بی کا میابی کی خوشخبری دی جاتی ہے، پوری ہو کر رہے گی۔ خدا کی باتوں کو
پورا ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ تیسری آیت میں تمت کلمت ربک سے
مراد یہ ہے کہ خدا نے جو بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں ارض مقدس
عطا کروں گا اور فرعون کو ہلاک کر دوں گا وہ پورا ہو کر رہا۔ چوتھی آیت
میں تمت کلمت ربک کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا یہ قول کہ میں جہنم کو جنوں
اور انسانوں سے پُر کروں گا، پورا ہو کر رہا، ہر زمانہ میں ہر پیغمبر کے ظہور پر
جنوں اور انسانوں سے جہنم پُر ہوتا رہا۔ پانچویں آیت میں لا مبدل
لکلماتہ کے معنی بالفاظ "بیان القرآن" یہ ہیں کہ "حق کی آخری کامیابی
کی پیش گوئی ٹل نہیں سکتی" چھٹی آیت میں بتایا ہے، کہ خدا نے جو بیعت
رضوان کرنے والوں سے بعض خاص مغانم کا وعدہ کیا تھا، جب اس کے
پورا ہونے کا وقت آیا تو پہلی جنگوں سے پیچھے رہنے والے بھی جو اس وعدہ
میں شامل نہ تھے، تیار ہو گئے کہ ہم بھی ساتھ چلیں گے، تو خدا نے کہا
کہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو بدل دیں یہ نہیں ہو سکتا، خدا نے جو
کہا تھا کہ وہ غنائم خاص اصحاب حدیبیہ کے لئے ہیں تو اس کی بات ٹھیک
جیسے کہی تھی پوری ہو کر رہے گی، اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔
جب ان تمام مقامات پر تمت کلمات ربک کے معنی خدا کے وعدے
یا اس کی بات کا پورا ہو جانا کئے جاتے ہیں اور لا مبدل لکلماتہ کے
معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ خدا کی باتیں اٹل ہیں، جنہیں پورا ہونے سے کوئی
روک نہیں سکتا، تو آیات زیر غور میں ان معنوں کو ترک کر کے اپنے پاس سے
نئے معنی کیوں گھڑے جاتے ہیں؟
آیات زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ وہاں بھی وہی
جھگڑا ہے، جو یہاں ہے، مخالف کہتے ہیں کہ نئی کتاب نازل

جہنم من الجنۃ والناس اجمعین
(ہود ع ۱۰)

۵ - واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلماتہ، ولن تجد من دونہ ملتحدا ۰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی
(کہف ع ۴)

۶ - سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ - قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ من قبل
(فتح - ع ۲)

جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا پوری ہو گئی

تیرے رب کی کتاب سے جو کچھ تیری طرف وحی کیا جاتا ہے، اُسے پڑھ، اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں، اور اس کے سوائے تو کوئی پناہ نہ پائے گا، اور ان لوگوں کے ساتھ صبر کر جو خدا کو صبح و شام پکارتے ہیں اجر کرے

عنقریب جب تم غنیمت کے مالوں کی طرف جاؤ گے تاکہ انہیں حاصل کرو، تو وہ لوگ جو پہلے جنگوں سے پیچھے رہتے رہے ہیں کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کی بات کو بدل دیں۔ کہہ کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جانے پاؤ گے جیسے کہ خدا نے پہلے کہا۔

آپ دیکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں لا مبدل لکلمات اللہ کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر کی نصرت کا وعدۂ الٰہی اٹل ہے، نہ گذشتہ زمانوں میں اُسے پورا ہونے سے روک سکے نہ زمانہ نزول قرآن میں روک سکیں گے، دوسری آیت میں لا تبدیل لکلمات اللہ کا منشا یہ ہے، کہ مومنوں کو جو دین و دنیا

اور لا مبدل لکلمٰتہ کا منشا یہ ہے کہ ہر اختلاف کے موقعہ پر کتاب بھیجنے کا وعدہ اٹل ہے، جسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہر زمانہ کے لوگوں نے چاہا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہو، لیکن نہ فرعون خدا کو توریت نازل کرنے سے روک سکا نہ یہودی اسے انجیل نازل کرنے سے روک سکے، نہ مشرکین عرب اُسے قرآن نازل کرنے سے روک سکے، جیسے سابقہ زمانوں میں نہ روک سکے آئندہ بھی نہ روک سکیں گے۔

غرض جس خیال کی تردید کے لئے یہ آیات نازل ہوئی تھیں آج ٹھیک اسی خیال کی تائید میں انہیں پیش کیا جاتا ہے۔ اور یہ سلوک انہیں آیات تک محدود نہیں، اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے کہ ہر موقعہ پر قرآن سے نہیں اس کی منشا کے برخلاف معنی نکالے جا رہے ہیں۔ اب ناظرین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ جب کلام الٰہی کے غیر متبدل ہونے کے دعویدار خود ہی سارے کے سارے کلام کو اس بے دردی سے بدل دیں تو اگر خدا نئی کتاب اور نئے پیغمبر کے ذریعے اپنے کلام کو حیثیت جلال اور محفوظ نہ کرے تو کیا کرے؟ نئی کتاب آنے سے اگرچہ سلسلہ پرانی کتاب کی تبدیلی ہوتی ہے تاہم پہلی ہی کتاب پر کتاب کو جیسے اس نے نازل خود بدل دیتے ہیں بدل کرنے آتی ہے۔

خاتم النبیین

فلما قضٰی زید منہا وطرا زوجنٰکہا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائہم اذا قضوا منہن وطرا ؕ

جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اُسے تیری زوجہ بنا دیا۔ تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارہ میں جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے

نہیں ہوسکتی اس واسطے قرآن خدا کی طرف سے نہیں، انہیں توجہ دلائی ہے کہ
١۔ تفرقہ اور اختلافات سے سچائی مشتبہ ہو چکی ہے، اس بات کا فیصلہ کرنے
کے لئے سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا علم کی ضرورت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ سوال
یہ ہے کہ علم کس کو تسلیم کیا جائے؟ خدا کو جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب
نازل کردی یا اس کے سوا دوسروں کو، جو اپنے اختلافات کا فیصلہ کرنے
سے عاجز ہیں؟ جب تمام لوگ بغیر کسی استثنا کے فیصلہ کرنے سے عاجز آ
گئے ہوں اس وقت اگر فیصلہ کن کتاب ظہور میں آجائے تو ظاہر ہے کہ وہ خدا
نے نازل کی۔
٢۔ تمام انسانوں کے فیصلہ سے عاجز آجانے کے بعد فیصلہ کی راہ پیدا ہو جانے
سے جو فیصلہ کے من جانب اللہ ہونے پر دلیل پیدا کی گئی ہے، یہ کوئی مخض
فلسفہ نہیں جو عملی طور پر کسی کو قائل نہ کرسکا ہو، بلکہ وہ لوگ جو ایمان لائے
ہیں، ان کی قرار واقعی تشفی بھی ہو چکی ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے۔
٣۔ خدا کی طرف سے کتاب نازل ہونے میں تعجب کی کوئی بات نہیں، خدا
نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ نسل انسانی جب جب تفرقہ اور اختلاف سے سچائی
کو گم کرے گی، وہ سچ اور جھوٹ میں فیصلہ کرنے کے لئے کتاب اور
رسول بھیجتا رہے گا۔ خدا کی باتیں اور اس کے وعدے اٹل ہوتے ہیں، انہیں
کوئی بدل نہیں سکتا۔ چنانچہ نزول قرآن اسی وعدے کا ایفا ہے۔
پس آیات زیر غور میں کلمہ سے فیصلہ اختلافات کے لئے کتاب بھیجنے
کا وعدہ مراد ہے۔ تمت کلمت ربک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کا کتاب
بھیجنے کا وعدہ جیسے سابقہ زمانوں میں توریت انجیل وغیرہ کتابوں کے نازل
ہونے سے پورا ہوتا رہا، آنحضرت (صلعم) کے زمانہ میں نزول قرآن سے پورا ہوا۔

پالو۔ زید اگر متبنیٰ ہے تو حقیقی بیٹا نہیں ہوتا، باقی رہا یہ کہ عرب اسے پسند نہیں کرتے تو خدا کا رسول خدا کے تابع ہے نہ کہ لوگوں کے۔ ہمیشہ سے یہی طریق چلا آیا ہے کہ پیغمبر جو پیغام رسانی پر مامور ہوتے ہیں، لوگوں کے اعتراضوں کی پرواہ نہیں کرتے، اور خدا جو حکم دیتا ہے بلا خوف لومۃ لائم اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے جب یہ فرمایا کہ حضرت محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو اس پر یہ بڑھا دیا کہ ہاں آپ رسول ہیں جو امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اور جب آپ کے مقام روحانی کا ذکر کیا تو اس کے ساتھ فرما دیا کہ آپ آخری نبی ہیں۔

ناظرین کرام! دیکھتے ہیں کہ یہاں نہ دین کے تدریجاً مکمل ہونے کا ذکر ہے نہ آئندہ کے لیے سلسلہ رسالت کو بند کرنے کا، ذکر یہ ہے کہ آنحضرت کی اولاد نرینہ ہے ہی نہیں، زید آپ کا بیٹا کیسے ہوا؟ اور زید کی بی بی آپ کی بہو کیسے ہوئی؟ کہ اس سے نکاح قابل اعتراض ہوتا۔ ہاں رسول ہونے کی حیثیت سے آپ امت کے روحانی باپ ضرور ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ کہا تھا کہ آنحضرت کسی مرد کے باپ نہیں، ہاں رسول ہیں، تو اس کے آگے یہ کیوں نہ کہا کہ آپ ختم المرسلین ہیں؟ رسول کے لفظ ذکر کی رعایت سے جو روحانی ابوت کے اثبات کے لیے لایا گیا تھا، مناسب تو یہی تھا کہ بجائے خاتم النبیین کے خاتم المرسلین کا لفظ بولا جاتا۔ یہ لفظ کیوں نہ بولا گیا؟

عموماً لوگ نبی اور رسول کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں اور ان میں فرق نہیں کرتے، حالانکہ ان میں فرق ہے بھی اور نہیں بھی۔ انہیں آیات میں ہم دیکھتے ہیں، کہ آنحضرت کسی بھی مرد کے باپ نہیں اور باوجود اس کے ساری امت کے باپ ہیں بھی، سورۂ مجادلہ میں ہے ان امهاتهم الا الّٰئی ولدنهم کہ ان کی مائیں صرف وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنا، اور سورۂ احزاب میں ہے النبی

وكان امر الله مفعولا ۔ ما كان على النبى من حرج فيما فرض الله له ۔ سنة الله فى الذين خلوا من قبل وكان امر الله قدرا مقدورا ۔ الذين يبلغون رسلت الله ويخشونه ولا يخشون احدا الا الله ۔ وكفى بالله حسيبا ۔ ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين ۔ وكان الله بكل شىء عليما ۔

والا تھا ۔ نبی پر اس میں جو اللہ نے اس پر فرض کیا کوئی تنگی نہیں ، جو پہلے ہو گذرے ہیں ، ان میں بھی خدا کا یہی قانون رہا ہے ۔ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا اندازہ ہے جو خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں ، اور اس سے ڈرتے ہیں ۔ اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے ۔ محمد مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں ۔ اور آخری نبی ، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے ۔

(الاحزاب ع ۵)

زید رسول اللہ کے غلام تھے ، جنہیں آپ نے آزاد کر دیا تھا ۔ زید کو آنحضرت سے اتنی محبت تھی کہ آزاد ہو کر بھی آپ سے جدا ہونا پسند نہ کیا ۔ اس محبت کی بنا پر زید کو بنوت کا شرف یعنی منہ بولا بیٹا کہا جاتا تھا ۔ زید کا نکاح رسول اللہ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب سے کرا دیا تھا ۔ ان کا نباہ نہ ہو سکا ، تو آخر زید نے زینب کو طلاق دے دی ۔ اس وقت آنحضرت نے حضرت زینب کو اللہ کے حکم سے اپنی ازواج مطہرات میں داخل کر لیا ، جس سے مقصود عرب کی پرانی رسم کو جس کی رو سے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بی بی سے نکاح ناجائز سمجھا جاتا تھا ، مٹانا تھا ۔ مخالفوں نے اس پر اعتراض کیا ، کہ آنحضرت نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا ہے ۔ آیات مذکورہ میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ آنحضرت کسی اولاد نرینہ کے

کام کرنا لا حاصل ہو۔ اور اس مقصد کے لئے کام کرنے کا پیغام بے معنی۔ رسول کے معنی ہی یہ ہے "قیام حق کی خاطر کام کرنے کا پیغام دینے والا فرستادہ" ان معنوں کی رو سے لازم آتا ہے کہ اس وعدہ کے تکمیل پہنچنے پر جیسے اس کی پیشگوئی کی ضرورت ساقط ہو جائے گی، ویسے ہی اس وعدہ کے لئے کام کرنے کا پیغام دینے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی۔ اگر یہ صحیح ہے تو نہ صرف نبوت کا خاتمہ ہوا بلکہ رسالت کا بھی خاتمہ ہوا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس وعدہ کے تکمیل پہنچنے پر بے شک جیسے نبوت ختم ہو جائے گی ویسے ہی یہ رسالت بھی جس کا منتہائے نظر اسی وعدہ کا ظہور تھا ختم ہو جائے گی۔

نبی اور رسول کے مفہوم میں یہی وہ اشتراک ہے، جس کی بنا پر میں نے کہا تھا کہ ایک لحاظ سے نبی اور رسول ایک ہی چیز ہیں۔ سو رسول کے اس معنی کے لحاظ سے جن کی رو سے نبی اور رسول میں فرق نہیں، جہاں انبیاء ختم ہو جاتے ہیں وہاں رسول بھی ختم ہو جاتے ہیں، لیکن ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں کہ بعثت نبأ عظیم سے مراد دنیا کا خاتمہ نہیں بلکہ عالمگیر قیام حق ہے۔ اور دنیا اس کے بعد بھی باقی ہے۔ تو یہ کہ عالمگیر قیام حق سے دنیا کے جنت بن جانے کے بعد بھی اہل جنت ربنا اتمم لنا نورنا کی دعا کرتے ہیں، خدا لامحدود ہے وہ مخلوق کو اونچے سے اونچے مقام پر پہنچانے اور ہر قدم پر مزید راہنمائی فرمانے کی قدرت رکھتا ہے۔

پرائمری سکول کے مدرس جو فوری مقصد اپنے سامنے رکھتے ہیں وہ لڑکوں کو ابتدائی تعلیم دینے کا مقصد ہے۔ ہائی سکول کے اساتذہ اپنے شاگردوں کو درسی تعلیم سے فارغ کرانے کا مقصد اپنے سامنے رکھتے ہیں، اور اپنے شاگردوں کو مدرسہ کے آخری امتحان کی سند بھی دے دیتے ہیں، لیکن

اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم " کہ نبی مومنوں کو اپنے نفسوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس کی ازواج ان کی مائیں ہیں جس طرح ایک لحاظ سے آنحضرتؐ کسی مرد کے باپ نہیں اور دوسرے لحاظ سے ساری امت کے باپ ہیں ۔ جیسے آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ ایک لحاظ سے مومنوں کی مائیں ہیں اور دوسرے لحاظ سے نہیں ۔ اسی طرح ایک لحاظ سے نبی اور رسول میں فرق نہیں اور دوسرے لحاظ سے فرق ہے ۔

نبی نبأ سے مشتق ہے اور نبأ کے معنی ہیں خبر یا پیشگوئی نبأ عظیم کے معنی ہیں عظیم الشان خبر یا پیش گوئی اور نبی کے معنی ہیں نبأ عظیم کا حامل یا عظیم الشان پیش گوئی کرنے والا ۔ نبأ عظیم سے مراد عالمگیر قیام الحق کی عظیم الشان پیش گوئی ہے ۔ جس کا ذکر ہم " آئندہ رسول " کے تحت سورۃ انبیاء کی آیات میں پڑھ آئے ہیں ۔ آخر کار دنیا بھر میں حق کے قائم ہو جانے کی پیشگوئی کرنے کی وجہ سے ہی نبی نبی کہلاتا ہے ۔ چونکہ آنحضرتؐ آئندہ زمانہ میں عالمگیر قیام حق کی پیش گوئی کرنے والوں میں سے آخری ہیں ۔ اس واسطے آپ آخری نبی ہیں ۔ آپ کے بعد جو آنے والا ہے وہ کسی آئندہ زمانہ میں قیام حق کی پیش گوئی کرنے والا نہیں بلکہ سابقہ پیش گوئی کا مصداق ہے ، جس کے اپنے زمانہ میں دنیا بھر میں حق قائم ہوتا ہے ۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ظہور ثانی کے وقت زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی اور شیر بکری ایک گھاٹ پانی پئیں گے ۔ رسول کے معنی ہیں بھیجا ہوا ۔ سورۃ انبیاء کی مذکورہ آیات میں جہاں یہ فرمایا ہے کہ بالآخر زمین پر حق کو قائم کر دینے کا وعدہ جو خدا کے ذمہ ہے پورا ہو کر رہے گا ۔ وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس وعدے میں خدا کے عبادت گذار بندوں کے لئے پیغام ہے ۔ اگر بالآخر سچائی نے قائم و غالب ہو جانے کی مخالفت کوئی نہ ہو تو قیام حق کے لئے

کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔

پہلی قسم کے رسولوں اور دوسری قسم کے رسولوں میں تمیز کرنے کے لئے دوسری قسم کو اصطلاحی طور پر مظاہرِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دورِ نبوت کے رسول مظاہرِ ربوبیت نہ تھے، معنوی طور پر وہ بھی مظاہرِ ربوبیت تھے۔ جیسے معنوی طور پر اصطلاحی مظاہرِ ربوبیت بھی رسول ہیں۔ اصطلاحی طور پر فرق کی وجہ یہ ہے کہ دور [illegible] قسم کے رسولوں کے اپنے اپنے زمانوں میں ربوبیت کا جو کام ہوا وہ اتنا محدود تھا اور جو عالمی ہونے والا باقی پڑا تھا وہ اتنا وسیع اور عظیم الشان تھا کہ اس پر نظر کرکے مظہرِ ربوبیت کا لقب جو عالمگیر ربوبیت کو چاہتا ہے انہوں نے اپنے مناسبِ حال نہ پایا۔ کام جو ان رسولوں کے ہاتھ سے ہوا گو محدود تھا مقصد ان کا بھی عالمگیر ربوبیت تھا، اور انہیں علم دیا گیا تھا کہ ان کے اس مقصد کی تکمیل ایک آئندہ زمانے میں مقدر تھی، اور کہ جو کام ان کے اپنے زمانوں میں ہوا وہ اس منزلِ مقصود کی طرف ایک ایک قدم تھا، دراصل وہ آئندہ عالمگیر ربوبیت کی اہم خبر (نبأ عظیم) دینے اور اس کی طرف عالم کو قدم قدم چلانے پر مامور تھے۔ پس انہوں نے آئندہ عالمگیر ربوبیت کی پیشگوئی کرنے والے کی حیثیت سے نبی اور اس کے لئے کام کرنے کا پیغام دینے والے کی حیثیت سے رسول کے القاب اختیار فرمائے۔ اور مظہرِ ربوبیت کے لقب کا اہل اس کو جانا جس کے ظہور پر ایسی وسیع اور عالمگیر ربوبیت ہونے والی تھی، کہ اس کی آمد کو رب کی آمد کہنا بجا تھا چنانچہ اس ظہور کی پیشگوئی انہوں نے یوم یقوم الناس لرب العالمین کے الفاظ میں کی، یہ ہے اصل راز، نبی، رسول کی سابقہ اصطلاح کو مظہرِ ربوبیت کی اصطلاح سے بدلنے کا۔

عقلِ سلیم اس توجیہہ کو قبول کرنے میں کوئی دقت نہیں پاتی، اور اگر یہ تسلیم

اس کے یہ معنے نہیں کہ ہائی سکول کے بعد مزید تحصیل علوم کی کوئی گنجائش نہیں، اس کے بعد دوسرا ادارہ ہے جو سکول نہیں بلکہ کالج کہلاتا ہے، اور اگرچہ منفعتاً سکول اور کالج دونوں کا ایک ہے تام دو ہیں۔ اسی طرح سکول کے مدرسوں کو عرف عام میں ٹیچر یا ماسٹر کہتے ہیں تو کالج کے معلموں کو پروفیسر کہتے ہیں، رسول معلم ہیں، انبیاء وہ رسول ہیں جنہوں نے اپنے شاگردوں کو بنائے تعلیم تک پہنچانے کا مقصد اپنے سامنے رکھا۔ بنائے تعلیم کے قریب آ پہنچنے پر جہاں دور نبوت ختم ہوا وہ رسول بھی ختم ہو گئے۔ جن کے سامنے بنائے تعلیم تک پہنچنے کا مقصد تھا۔ اس دور کے خاتمہ پر دوسرا دور شروع ہوتا ہے جو سکول کے مقابلہ پر کالج کی تعلیم کے مشابہ ہے۔ اسی لئے اگرچہ دوسرے دور کے معلم بھی تعلیم و تربیت کا وہی کام کرتے ہیں جو دور نبوت کے معلم کرتے تھے تاہم وہ اصطلاحی طور پر نہ نبی کہلاتے ہیں نہ دور نبوت کے رسول۔ انہیں ان معنی میں رسول کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دور نبوت کے رسولوں کی طرح انسان کامل، مظاہر الٰہی ہیں۔ ان کا مقصد بھی تربیت عالم ہی ہے، جیسے دور نبوت کے رسولوں کا مقصد تربیت عالم تھا۔ اگر دور نبوت کے رسول تربیت عالم کے مقصد کی پہلی منزلوں پر کام کرتے تھے تو یہ اسی مقصد کی اگلی منزلوں پر کام کرتے ہیں۔

غرض حقیقت رسالت ظہور الٰہی یا انسانیت کاملہ ہے، اسی کو خلافت الٰہی بھی کہتے ہیں، اور اسی کی بدولت انسان کامل رسول یا خلیفۃ اللہ کہلاتا ہے۔ گویا رسول انسان کامل، خلیفۃ اللہ اور مربی عالم ہوتا ہے، آگے چل کر کام کی منزلوں کے لحاظ سے رسول دو قسموں میں منقسم ہو گئے ہیں، (۱) دور نبوت کے رسول، جن کے پیش نظر عالم کو بنائے تعلیم تک پہنچانا ہے (۲) بنائے تعلیم اور اس کے بعد کے رسول جن کا مقصد عالم کی مزید ترقی و تربیت ہے۔ بنائے تعلیم وہ نقطہ ہے جہاں دور نبوت کے رسولوں کا مقصد بر آتا ہے، اور یہ انتہا مزید ترقیات

خیال کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان سے جو قرآن کو کتاب اللہ مانتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

سلسلۂ مجددین

میں اجل امم کے مضمون میں بحوالہ آیات سورۂ انعام بتا آیا ہوں کہ جب تک کسی قوم کی اجل کو نہیں پہنچتی، خدا اس کی حفاظت کے سامان کرتا رہتا ہے۔ اس میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جو اس کی بیماریوں اور کمزوریوں کا علاج کر کے طاقت کو بحال کرتے رہتے ہیں۔ حضرات مجددین انہی حفاظتی سامانوں میں سے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص اپنی زندگی کے دوران میں بیمار یا کمزور ہوتا ہے تو کبھی طبیب حاذق کا علاج کارگر ہو جاتا ہے۔ کبھی تبدیلی آب و ہوا سے صحت بحال ہو جاتی ہے۔ [illegible] غذا، پرہیز اور دوا سے بیمار اچھا ہو جاتا ہے۔ لیکن آخر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ نہ دوا کام کرتی ہے نہ تبدیلی آب و ہوا، نہ کوئی اور تدبیر کارگر ہوتی ہے۔ اس وقت بیمار کو اس جہان سے سدھارنا ہوتا ہے اور اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ زندگی میں خلل واقع ہونے کا نام بیماری ہے۔ زندگی کی اصل طاقت آہستہ آہستہ ختم ہو جانے کا نام موت ہے۔ بیماری کا علاج ہے موت کا کوئی علاج نہیں۔ یہی حال قوموں کا ہے، جب تک ان کی عمر باقی ہوتی ہے، یعنی جب تک ان میں زندگی کی طاقت ہوتی ہے ان کی بیماریوں اور کمزوریوں کا علاج حضرات مجددین کرتے رہتے ہیں، جب زندگی ختم ہو جاتی ہے یعنی بیمار جسے بیماری لاحق تھی، زندہ باقی نہیں رہتا تو مجدد علاج کس کا کرے؟

مجدد کا کام عمارت دین میں شکست و ریخت کی مرمت کرنا ہوتا ہے،

کرلیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام اس وجہ سے نبی کہلاتے تھے، کہ وہ عالمگیر ربوبیت کی پیش گوئی یا نبأ عظیم کے حامل تھے۔ تو صاف دکھائی دیتا ہے۔ کہ ان کی پیش گوئی کے مصداق اکمل جو اپنے بعد کی آئندہ زمانے میں عالمگیر ربوبیت کی پیش گوئی کرتے ہیں ... اپنے زمانے میں کل انبیاء کی پیش گوئی کو پورا کرنے کا دعویدار ہے نبی نہیں بلکہ مظہر ربوبیت ہی کہلاتا ہے۔

بس مجھے شبہ نہیں کہ آنحضرت آخری نبی ہیں، اور دورِ نبوت کے آخری رسول بھی، آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ دورِ نبوت کا کوئی رسول، ہاں آپ کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے، جس میں فرستادگانِ الٰہی اصطلاحی طور پر مظاہر ربوبیت کہلاتے ہیں، اور معنوی طور پر دورِ جدید کے رسول۔ از روئے حقیقت ان میں اور دورِ نبوت کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں، سو جن لوگوں کے ہاں اصطلاح رسول مروج ہے وہ بے شک و شبہ انہیں رسول سمجھیں، لیکن یہ نہ بھولیں کہ جسے وہ رسول کہتے ہیں وہ فی الحقیقت مظہر الٰہی ہی ہوتا ہے، خواہ دورِ نبوت کا رسول ہو، خواہ دورِ جدید کا۔

پس آنحضرت پر صرف دورِ نبوت کے رسول ختم ہوتے ہیں جو نبی کہلاتے ہیں یعنی پہلے کے رسول، اسی لئے قرآن مجید میں خاتم النبیین آیا ہے۔ خاتم المرسلین نہیں آیا۔ اگر اس توجیہ کو قبول نہ کیا جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ آنحضرت کے بعد سلسلہ رسالت مطلق بند ہو گیا ہے، تو اس کتاب مجید میں جس قدر آیات اجرائے سلسلہ رشد و ہدایت پر نازل کی گئی ہیں اور جس قدر ان کی مثل اور قرآن میں ہیں، سب کی مخالفت لازم آتی ہے۔ گویا ان کا انکار کرنا اور تمام مسائل سے قرآن کو چھوڑا جائے، تب اس

کہ مجددین ان طبیبوں کی طرح ہیں جو قوم کی زندگی کے دوران میں وقتی کمزوریوں اور بیماریوں کا علاج کرتے رہیں گے، لیکن مجددوں کی کوششوں اور اصلاحات کے باوجود ایک وقت آئے گا، جب عمارت اسلام زمین پر آ رہے گی۔ حفاظتی سامانوں اور تدابیر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قوم یا فرد طبعی عمر سے پہلے ختم ہونے نہیں پاتا نہ یہ کہ اسے اجل طبعی سے بچایا جا سکتا ہے۔ جیسے دوران زندگی میں بیماریوں کے علاج کے لئے مجددین کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی قوم کے طبعی عمر کو پہنچ کر ختم ہو جانے پر نئی قوم پیدا کرنے کے لئے رسول کی ضرورت ہے۔ پس اصولاً مجددین والی حدیث سے سلسلہ رسالت کے بند ہونے پر دلیل قائم ہونے کی بجائے اس سلسلہ کے اجرا پر دلیل پیدا ہوتی ہے۔

دین حق کا غلبہ

سورۃ برات میں مشرکین عرب سے جو بار بار عہد کو توڑ دیتے تھے اس وقت تک جنگ کا حکم ہے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوں، اور یہود اور نصاریٰ سے جو مشرکین کی شرارتوں میں شامل تھے اس وقت تک جب تک وہ جزیہ دے کر اطاعت اختیار نہ کریں، اس حکم کے بعد یہ آیت آتی ہے: یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ کہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب سب مخالف پارٹیاں چاہتی ہیں کہ خدا کے نور کو بجھا دیں، مگر خدا چاہتا ہے کہ نور بجھنے نہ پائے بلکہ کامل ہو جائے۔ اگرچہ یہ کافروں کو ناگوار گزرے۔ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لئے نہیں بھیجا کہ مخالف اس کو مٹا دیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے،

ظاہر ہے کہ مرمت اسی وقت تک ہو سکتی ہے جب تک عمارت قائم رہے۔ جب
عمارت ہی باقی نہ رہے۔ مجدد مرمت کس چیز کی کرے؟ جیسے عمارت کے مسمار
ہو جانے پر مرمت کرنے والے کی نہیں بلکہ تعمیر کی ضرورت ہے، جس نے
پہلی عمارت کا نقشہ تجویز کیا تھا۔ اور اسے تعمیر کیا تھا، تاکہ پھر نئے سر
سے نئی عمارت تعمیر کرے، قومی زندگی کی عمارت گر جانے پر مجدد کی نہیں
بلکہ نبی کی ضرورت ہوتی ہے، جو نئے سرے سے نئی قوم پیدا کرے۔ سورۂ
بینہ میں صاف لکھا ہے لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب
والمشرکین منفکین حتی تاتیہم البینۃ، رسول من اللہ یتلوا
صحفا مطہرۃ کہ نہ اہل کتاب باطل کو چھوڑنے والے تھے نہ مشرک، جب
تک کہ اللہ کی طرف سے رسول نہ آگئے۔ یعنی جو کام رسول کے کرنے کا ہے،
وہ غیر رسول سے نہیں ہو سکتا۔

ہم مسلمانوں کے تنزل کے باب میں دیکھ آئے ہیں کہ باقی قوموں کی طرح
مسلمان قوم کی بھی میعاد مقرر ہے۔ وہ بھی کفر قہ کا شکار ہو کر اپنا حکومت
سے کیا تھا ہوا سونت توڑ دیں گے، مستوجب عذاب ہوں گے، خلافت
الٰہیہ ان سے چھین لی جائے گی، اور دوسری قوم ان کی جگہ لے لے گی۔ آنحضرت نے
بے شک فرمایا تھا کہ ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ
سنۃ من یجدد لہا دینہا کہ خدا امت مسلمہ کے لئے ہر صدی کے سر پر
مجدد پیدا کرتا رہے گا۔ لیکن یہ بھی فرمایا تھا کہ لا یبقی من الاسلام
الا اسمہ ولا من القرآن الا رسمہ کہ ایک وقت آئے گا جب
اسلام کے سوائے نام کے اور قرآن سے سوائے اس کے حروف کے کچھ باقی
نہ رہ جائے گا۔ ان دونوں حدیثوں کو ملا کر پڑھنے سے صاف دکھائی دیتا ہے

اور غلط بھی، غلط تو اس لئے ہے کہ یہاں آیات میں رسول سے مراد آنحضرت ہیں جیسے کہ سورۂ فتح والی آیت کے آگے صاف طور فرما دیا ہے، محمد رسول اللہ والذین معہ، اور وعدہ یہ ہے: کہ آنحضرت جو دین حق لائے ہیں، اُسے آنحضرت خود ادیان باطلہ پر غالب کر دیں گے۔ نہ یہ کہ حق و ہدایت جو آنحضرت پر نازل ہوئے وہ حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ پر غالب آئیں گے۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ غلبہ جس کا وعدہ تھا، حضرت عیسیٰؑ کی آمد پر ظہور میں آئے گا، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو آنحضرت کے ہاتھ پر دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا تھا، اُسے پورا نہیں کیا، معترضین کا خیال یہ صحیح اس طور سے ہے کہ تمام رسول ایک ہی سچائی لاتے رہیں۔ اور اسی کے غلبہ کے لئے کوشش کرتے رہیں، ہر رسول کے زمانہ میں بھی سچائی غالب رہی ہے لیکن اس کا آخری اور عالمگیر غلبہ جو تمام رسولوں کی منزل مقصود ہے، ایک آخری زمانہ میں مقدر چلا آیا ہے۔ جس کی سب پیغمبروں نے خبر دی ہے۔ اور آخری زمانہ جس میں سچائی کو عالمگیر اور آخری غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا زمانہ ہے، پس اگر یہ کہا جائے کہ سچائی جو تمام پیغمبر لاتے رہے اور حضرت محمد رسول اللہ بھی لائے، تدریجاً غالب ہوتی آئی ہے اور اس کا آخری غلبہ حضرت مسیح کے نزول ثانی کے وقت ہوگا، تو یہ صحیح ہے، لیکن حضرت عیسیٰؑ رسول ہیں، اگرچہ وہ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے آئیں گے، جس کے لئے سابقہ رسول اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ تاہم نہ حسب ضرورت سابقہ احکام میں مناسب تبدیلیاں کرنے

کہ وہ مخالفوں پر غالب آجائے۔ اگرچہ مشرک اسے پسند نہ کریں۔ سورۃ فتح میں یہ ذکر کرکے کہ مکہ میں داخلے کا رؤیا جو خدا نے اپنے رسول کو دکھایا پورا ہو کر رہے گا، فرمایا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ، وکفی باللہ شھیدا ہ کہ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ کہ سچائی کو سب مخالف خیالات اور تحریکوں پر غالب کردے۔ اور خدا کی گواہی کافی ہے۔ خدا کی گواہی یہ ہے، کہ مسلمان روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ اور مشرک گھٹتے جاتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ آخر دین حق قائم ہو جائے گا، اور مخالف مٹ جائیں گے۔ سورۃ صف میں پھر کافروں سے لڑنے اور رسول کو دکھ دینے سے باز رہنے کا حکم دے کر اور یہ بتا کر کہ آنحضرت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق ہیں۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے سورۃ برأت والی مذکورہ آیت کو ایک دو لفظوں کے تغیر سے دہرایا ہے

ان تینوں مقامات پر جو دین حق کو غالب کرنے کا ذکر ہے منافقین کی کوششوں کا جواب ہے۔ جو اسے مٹا دینا چاہتے تھے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ فی الواقعہ مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ کی تمام کوششیں جو وہ رسول اللہ کے خلاف کرتے تھے، ناکام رہیں اور آنحضرت دین حق کو قائم و غالب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور خدا نے جو وعدہ کیا تھا کہ آنحضرت کی زندگی میں ہی پورا کر دیا۔ مفسرین نے جو ان آیات کے تحت لکھ دیا ہے کہ دین حق کا غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہو گا۔ صحیح بھی ہے

غالب آتا رہا ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے نزدیک دین کے غلبہ کے لئے سیاسی
غلبہ ضروری نہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں، کہ حضرت عیسٰی علیہ
السلام کو ظاہری اور سیاسی غلبہ حاصل نہ ہوا، یہود و نصاریٰ کہتے ہیں، کہ
آپ نے صلیب پر وفات پائی، مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا خیال ہے، کہ
آپ آسمان پر تشریف لے گئے، احمدی مسلمانوں کی رائے یہ ہے، کہ آپ کشمیر
کو ہجرت کر گئے۔ بہر حال یہ سب کو مسلّم ہے کہ آپ کو اپنے دشمنوں پر
ظاہری اور سیاسی غلبہ حاصل نہ ہوا، اس پر بھی خدا فرماتا ہے فآمنت
طائفۃ من بنی اسرائیل و کفرت طائفۃ فایدنا الذین آمنوا علی
عدوھم فاصبحوا ظاھرین۔ کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان
لایا اور ایک نے انکار کیا، خدا نے مومن گروہ یعنی حضرت عیسٰی کے حواریوں
کی تائید فرمائی، اور وہ اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے، تو خدا نے باوجود
حواریوں کو ظاہری اور سیاسی غلبہ حاصل نہ ہونے کے غالب قرار دیا ہے
اور قرار دینا چاہیے تھا۔ ورنہ کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی
اگر خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اس کے رسول غالب آئیں گے، غلط قرار پاتا
اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک دین کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ مخالف
کوششیں جو یہ چاہتی ہیں کہ حق کا پودا جڑ پکڑنے نہ پائے، وہ ناکام
رہتی ہیں۔ اور حق جڑ پکڑ جاتا ہے، پھر خواہ وہ پیغمبر کی زندگی میں پھولے
پھلے، خواہ اس کے بعد اس سے فرق نہیں پڑتا۔

۹۔ خدائی فیصلہ

مقدمہ کتاب ہذا میں ایک دفعہ رسولوں کے سلسلہ کے
بند ہونے کا یہ نقل کی گئی تھی کہ خدا جب فیصلہ
کر چکا کہ آئندہ رسول نہیں بھیجے گا، تو اپنے فیصلہ کے خلاف کیونکر عمل

کے مجاز ہوں گے، جیسے کہ پہلی آمد میں انہوں نے توریت کے منشا کی تکمیل
کی خاطر اس کے بعض احکام میں تبدیلیاں کر دیں، ان کے زمانہ میں سچائی
کا جو غلبہ ہوگا کچھ شک نہیں کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم سمیت تمام
پیغمبروں کا غلبہ ہے، لیکن یہ وہ غلبہ نہیں جس کا آنحضرتؐ کے اپنے ہاتھ
پر ظہور میں آنے کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ غلبہ آنحضرتؐ کے اپنے زمانہ
میں مقدر تھا، اور آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا۔ اگر یہ کہا
جائے کہ وہ غلبہ جس کے ظہور کا وعدہ آنحضرتؐ کے ہاتھ پر دیا گیا تھا
ابھی پورا ہونا باقی ہے، تو یہ قرآن اور واقعات دونوں کو جھٹلانا ہے،
ساری مصیبت یہ ہے کہ مسلمان دین حق سے دین کی وہ خاص شکل مراد
لیتے ہیں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں رائج ہوئی اور دین حق کے غلبہ سے
خاص اسی شکل کا تمام روئے زمین پر رائج ہونا مراد لیتے ہیں،
چونکہ وہ صورت ظہور میں نہیں آئی، اس کے آئندہ ظہور میں آنے کے
منتظر ہیں۔ اور غلبہ کے وعدہ کو دین کی نئی تشکیل اور نئے رسول کے
خلاف بطور دلیل استعمال کرتے ہیں، حالانکہ خدا کے نزدیک دین حق سے
مراد وہ دین واحد ہے جو ہمیشہ سے سب پیغمبروں کا دین رہا اور رہے
گا، اس کی ہر شکل کے لئے جتنا اور جیسا غلبہ مقدر تھا ہر زمانے میں
حاصل ہوتا رہا، چنانچہ دین حق کی اس شکل کے لئے جو حضرت محمد
رسول اللہ نے تجویز فرمائی جو غلبہ مقدر تھا اور جس کا وعدہ دیا گیا
آنحضرتؐ کے زمانے میں حاصل ہو گیا۔ حضرت مسیحؑ کے نزول ثانی میں
دین حق کی اس شکل کا غلبہ ہوگا جو حضرت مسیحؑ حسب حالات زمانہ
تجویز فرمائیں گے، پس دین حق اپنے ہر جامہ میں جو خدا اسے پہناتا رہا

یہ منحصر نہیں بلکہ جس وقت جو حکم خدا کی طرف سے آئے اس کا ماننا دین ہے اور یہی اسلام ہے
خدا کا بنیادی حکم ہمیشہ ایک ہی رہا ہے یعنی توحید باری اور وحدت انسانی ۔ جب جب
فرقہ بندی کے سبب لوگ اس سے دور جا پڑتے رہے نیا پیغمبر آکر اسی حکم کو نئی شکل میں
پیش کرتا رہا اور حقیقی دین قائم کرتا رہا۔ اگر یہ مطلب ہے کہ اصلی تعلیم اخلاق و فرمانبرداری کے
وہ دوسرے شکل و مراسم میں جو آنحضرت کے زمانہ میں رائج ہوئی، تو ظاہر ہے کہ سابقہ پیغمبر مثلاً
حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
نہیں پڑھتے تھے، نہ عربی قرآن کی تلاوت کرتے تھے، نہ سورہ فاتحہ والی نماز کعبہ
کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے نہ رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ غیر اسلام
پر تھے۔ اس صورت میں یہ بات بھی نہ سمجھی گی کہ خدا کے نزدیک دین اسلام ہی
ہے، اور غیر اسلام کو وہ قبول نہیں کرتا۔ بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ اسلام کو دین
قرار دینے اور غیر اسلام کو نہ قبول کرنے کا اصول خدا نے تازہ ہی وضع کیا
ہے۔ جس کو صرف چودہ سو سال ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے ہمیشہ وہ
خود تمام پیغمبروں کو غیر اسلام کی ہی تعلیم دیتا رہا۔ آئندہ کے متعلق بھی ہم مسلمانوں
کے تنزل کے باب میں دیکھ آئے ہیں کہ اسلام سے سارے عالم کے کچھ باقی
نہ رہ جائے گا، جب اسلام باقی نہ رہا ہوگا، تو آخر دنیا بھر میں غیر اسلام
ہی پایا جائے گا، سو اس وقت خدا پھر غیر اسلام کی پالیسی کو نبھائے گا،
مشکل یہ ہے کہ لوگ آیت کے ایک ٹکڑے کو لے کر جو عمارت چاہتے
ہیں اس پر تعمیر کر دیتے ہیں۔ اور قرآن شریف کو نکال کر اتنا بھی دیکھنے کی
تکلیف نہیں کرتے کہ پوری آیت کیا ہے۔ سورہ آل عمران رکوع ۲ میں پوری
آیت حسب ذیل ہے۔ ان الدین عند اللہ [illegible] وما اختلف
الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما [illegible] العلم بغیا بینہم

کر سکتا ہے۔

ناظرین کرام جانتے ہیں کہ اس فیصلہ کو قرآن شریف میں "تلاش کرنے کے لئے بہا تحقیقات شروع کی گئی اور قرآن میں جس جس موقعہ پر کسی نے پتہ دیا، اس فیصلہ کو تلاش کیا گیا لیکن یہ فیصلہ قرآن میں کہیں دکھائی نہیں دیا، بلکہ جیسے کہ اس تحقیقات سے ظاہر ہے، الحمد سے لے کر والناس تک سارا قرآن اس خیالی فیصلہ کے خلاف ہے، حق یہ ہے، کہ قرآن کے ذمہ وہ چیز لگائی جا رہی ہے، جو نہ صرف قرآن میں مفقود ہے بلکہ قرآن کا ایک ایک لفظ جس کی تردید کرتا ہے۔

۳-۱ اسلام کے معنی

(۱) ان الدین عند اللہ الاسلام
(۲) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔

(۱) اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے (۲) اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے تو وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

ان آیات کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ "آئندہ کوئی رسول نہیں آسکتا کیونکہ اگر کوئی نیا رسول آئے گا تو اس کے دین کا نام بھی نیا ہو گا، نہ کہ اسلام، اور یہ اللہ کو پسند نہیں"، اس واسطے آئندہ رسول کا آنا بند ہے، نہ رسول آئے نہ اسلام کے سوا کسی اور نام کا دین وجود میں آئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا خدا میں اور اس کے منکروں میں تنازعہ دین کے نام کے بارہ میں ہے یا دین کی حقیقت کے بارہ میں؟ اسلام سے خدا کی مراد کیا ہے؟ اسلام کے معنی ہیں فرمانبرداری، آیات کا منشا یہ ہے کہ خدا کی فرمانبرداری دین ہے اور "نافرمانی بے دینی، چونکہ قرآن عربی زبان میں ہے، فرمانبرداری کے لئے وہ "لفظ اسلام" لاتا ہے اور نافرمانی کے لئے غیر اسلام، پس دین یا اسلام کسی خاص نام یا احکام میں

کی ذیل میں ہم دیکھ آئے ہیں، کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت
اسحٰق سب اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور آنحضرتؐ کے پیشرو انبیا کی طرح مسلمان
ہیں، حضرت عیسٰیؑ کے حواریوں اور حضرت موسٰیؑ پر ایمان لانے والے جادوگروں
کا قول بھی وہاں ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔
حضرت موسیٰؑ کے عہد میں اس حکم کو ماننا اسلام تھا جو حضرت موسیٰؑ کے ذریعے آیا،
جب حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں نیا حکم خدا کا آیا تو جس نے اس کو مانا، خدا کے
ہاں وہ مسلمان قرار پایا، اور جس نے اسے رد کیا، اس کا نام خدا نے مسلمانوں
کے رجسٹر سے کاٹ دیا۔ پھر جب حضرت محمدؐ تشریف لائے تو جس نے آپ کے ذریعے
آئے ہوئے حکم خدا کو مانا اس کا نام مسلمانوں میں اندراج پایا، اور جس نے اسے
قبول نہ کیا اس کا نام خدا نے مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا۔ جو نوکر
کچھ مدت آپ کی فرمانبرداری کرتا رہے اور پھر ایک دن کہہ دے کہ صاحب آپ
کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ میں تو وہی کروں گا جو آپ نے پہلے کہا تھا، اس روز آپ کہیں
گے کہ آج تک تم میرا حکم مانتے تھے تو میرے نوکر تھے آج تم نے حکم ماننے سے
انکار کیا تو میں نے آج سے تمہیں ملازمت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اب جو
کچھ تم کرو گے وہ تم اپنی مرضی سے کرو گے میرا حکم وہ نہیں، ٹھیک اسی طرح
دین کی بات ہے، جب خدا تازہ حکم دے دے اس کے بعد سابقہ حکم پر عمل
کرنا نفس کی اطاعت ہے خدا کی اطاعت نہیں۔ اور جب کوئی چیز خدا کی اطاعت
نہ رہی وہ غیر اسلام ہو گئی،

اے دوستو! یا تو یہ ماننا ہو گا کہ ہمیشہ سے باوجود اس کے کہ رسول بدلتے
رہے، کتابیں بدلتی رہیں، قبلہ بدلتا رہا، احکام بدلتے رہے، دین کا نام
بدلتا رہا۔ اسلام بدستور چلا آیا، جب جب اسلام باقی نہ رہتا، خدا نئے رسول

ومن یکفر بآیٰت اللہ فان اللہ سریع الحساب ۝ پوری آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا، کہ سابقہ اہل کتاب کو بھی خدا اسلام ہی سکھاتا رہا، جسے وہ آپس کی دشمنی کی وجہ سے بگاڑ دیتے رہے۔ اسی طرح سورۃ آل عمران کے رکوع ۹ میں جہاں ومن یبتغ غیر الاسلام والی آیت آئی ہے۔ اس سے پہلے یہ ذکر ہے افغیر دین اللہ یبغون ولہٗ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون ۔ قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط۔ وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہٗ مسلمون ۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین ۔ ان آیات میں زمین و آسمان کی ساری کائنات کے لئے اسلم کا لفظ استعمال ہوا ہے، ظاہر ہے اکہ یہ فرمانبرداری کے معنے میں آیا ہے، زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ مسلمان ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو خدا کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں، آگے بتایا ہے اکہ رسول اللہ (صلعم) پر بھی وہی تعلیم نازل ہوئی ہے جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، ان کی اولاد حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے تمام نبیوں پر نازل ہوئی، اور کہ خدا کو ماننے، پیغمبروں میں فرق نہ کرنے یعنی ہر پیغمبر کے ذریعے جو حکم آئے، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہی اسلام ہے، اور جو خدا کی فرمانبرداری کی بجائے سرکشی اختیار کرے گا اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا، پس اسلام کے معنے خدا کی فرمانبرداری ہیں، اور غیر اسلام اس کے حکم سے سرکشی، ہر زمانے میں پیغمبر وقت کے ذریعے جو حکم آئے اس کو ماننا اسلام ہے اور اس کا انکار غیر اسلام۔ چنانچہ دین فطرت

تبدون وما کنتم تکتمون (بقرہ پ۱ ع۴) کہ خدا نے خلیفۃ اللہ یعنی پیغمبر
کو مبعوث کرنے کا ارادہ کیا تو ملائکہ نے کہا کہ پیغمبر موجب فساد و خونریزی
ہوگا، خدا نے جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر خدا نے
فرشتوں کو کہا کہ علم میں خلیفۃ اللہ کا مقابلہ کرو۔ وہ عاجز آ کر اپنی لاعلمی
کے قراری ہو گئے، تو خدا نے کہا کہ میں وہ بھی جانتا ہوں جسے تم نے
ظاہر کیا اور وہ بھی جسے تم نے چھپایا،

ما کنتم تکتمون کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو تم نے جان بوجھ کر چھپایا
اور یہ بھی کہ جو تمہاری نظر سے اوجھل رہا، اس لئے تم نے اس کا ذکر نہ کیا،
وہ چیز جسے معترض نے جان بوجھ کر چھپایا یا جو اس کی نظر سے اوجھل رہی،
خلیفۃ اللہ کے کمالات علمی ہیں، جن میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، مثلاً
وہ جانتے کہ تفرقہ و فساد کیا ہے اور اخوت و اتحاد کیا، ملائکہ غلطی سے
فساد کا نام اتحاد اور اتحاد کا نام فساد رکھ لیتے ہیں اور پیغمبر کی کوششوں اور
قربانیوں کو جو وہ فساد کو مٹانے اور اتحاد کو قائم کرنے کے لئے کرتا
ہے، مفسدانہ کوشش سمجھ بیٹھتے ہیں، سلسلہ رسالت تفرقہ و عداوت کے
علاج کے طور پر شروع کیا گیا ہے۔ اور پیغمبروں کی واحد غرض تفرقہ کو دور
کرکے لوگوں کو متفق کرنا اور بھائی بھائی بنانا ہے، تاریخ شاہد ہے، کہ
اخوت کا نمونہ اگر کبھی کہیں دیکھنے میں آیا ہے تو پیغمبر کے صحابیوں میں ہی
دیکھنے میں آیا ہے، ہر شخص واقعات پر نظر ڈال کر دیکھ سکتا ہے، کہ
پیغمبر اس وقت آتا ہے، جب اخوت اور اتحاد کا نام و نشان باقی نہیں رہتا
ہر شخص خود غرض ہوتا ہے، اگر وہ کسی فرد یا گروہ سے یارانہ بھی گانٹھتا
ہے، تو اس کی تہ میں بھی اپنی مقصد برآری ہی ہوتی ہے، چنانچہ جب تک

کو بھیج کر پھر اسلام کو قائم کرا دیتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور وہ غیر اسلام کو پسند نہیں کرتا۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ ان الدین عند اللہ الاسلام خدا کا کوئی دائمی اصول نہیں، یہ اس نے تھوڑے عرصہ کے لئے اختیار کیا ہے، جسے پھر ترک کر دے گا۔

اگر خدا کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور وہ غیر اسلام کو قبول نہیں کرتا تو کچھ شک نہیں کہ فرمان نبوی کے مطابق جب اسلام باقی نہ رہے گا، اور دنیا غیر اسلام پر ہوگی تو خدا نیا رسول بھیج کر دوبارہ اسلام کو قائم فرمائے گا جیسے کہ سابقہ زمانوں میں جب جب اسلام باقی نہ رہتا وہ رسول بھیج کر اسلام کو قائم کرتا رہا۔ اگر اس وقت اس نے ایسا نہ کیا تو معلوم ہوگا کہ اس نے ان الدین عند اللہ الاسلام کا اصول ترک کر دیا۔ پس آئندہ زمانوں میں رسولوں کے آنے کا انکار کرنا ان آیات کی صریح مخالفت ہے چہ جائیکہ ان سے سلسلہ رسالت کے بند ہونے پر سند حاصل کی جائے۔

۱۱۔ کیا رسالت منافی اتحاد ہے؟

کہتے ہیں کہ ہر بار جب پیغمبر آتا ہے، کچھ لوگ اسے مانتے ہیں کچھ انکار کرتے ہیں۔ اس طرح نسل انسانی میں تفرقہ ہوتا ہے، سلسلہ رسالت کا کہیں نہ کہیں بند ہونا اتحاد نسل انسانی کے لئے ضروری ہے۔ یہ کوئی نیا اعتراض نہیں یہ اعتراض ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، چنانچہ قرآن شریف میں اسے نقل کر کے اس کا جواب بھی دیا ہے۔ فرماتا ہے: واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ، قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء اعلم ما ...... قال انی اعلم ما لا تعلمون ......

جو ہم دیکھتے ہیں ، اگر یہ اتحاد کی لہریں پیدا نہ ہوئی ہوتیں ، تو آج کرۂ ارض پر نہ معترض ہوتا نہ مجیب ، اور نہ کوئی اور انسان ، خدا نے سچ فرمایا ہے وما قدروا اللہ حق قدرہ ، کہ جو لوگ پیغمبروں کے آنے پر اعتراض کرتے ہیں انہوں نے خدا کی قدر دانی نہیں کی ، جب تک اتحاد باقی ہوتا ہے پیغمبر آتا ہی نہیں ، پیغمبر اسی وقت آتا ہے جب اتحاد مفقود ہو چکا ہے ۔ سو اتحاد جس کا وجود ہی نہیں ہوتا اسے پیغمبر نے برباد کیا کرنا ہوتا ہے ؟ اس وقت تفرقہ ہوتا ہے اور اسے بے شک پیغمبر برباد کر کے اتحاد کو نئے سرے سے زندہ کرتا ہے ، کچھ شک نہیں ، کہ پیغمبر کی لغت عوام کی لغت سے الگ ہوتی ہے ، وہ جسے ایمان کہتے ہیں پیغمبر اسے بئس ایمان قرار دیتا ہے ۔ بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین (بقرہ ع) . مگر جسے ذلت قرار دیتا ہے پیغمبر اس کا نام عزت رکھتا ہے ۔ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ۔ مخالف جس کا نام اصلاح رکھتے ہیں پیغمبر اسے فساد بتلاتا ہے قالوا انما نحن مصلحون ، الا انہم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون ۔ مخالف جسے موت قرار دیتا ہے پیغمبر اس کا نام زندگی رکھتا ہے ، ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ، بل احیاء ولکن لا تشعرون (بقرہ - ع ۱۹) مخالف جسے بینائی سمجھتا ہے پیغمبر اس کا نام اندھاپن رکھتا ہے ، سو نظر کے دھوکے سے پناہ مانگنی چاہیئے اور خدا سے توفیق طلب کرنا چاہیئے کہ جس نظر سے پیغمبر چیزوں کو دیکھتا ہے اس نظر سے انسان دیکھ سکے ، اگر وہ نظر حاصل ہو جائے تو پھر پیغمبر کا آنا سراسر اتحاد کا موجب دکھائی دے گا ، نہ کہ تفرقہ ڈالنے کا ۔

اس بات کا فیصلہ کہ آیا معترض جان بوجھ کر حقیقت کو چھپا رہا ہے

اس کا اثر پیدا ہوتا رہتا ہے وہ اس فرد یا گروہ کے ساتھ رہتا ہے - جونہی کہ اس کی ذاتی خواہش کو زک پہنچی، الگ ہو کر دوسروں سے دوستانہ قائم کرنے لگا، چونکہ ہر کوئی خود غرض ہوتا ہے باہمی اعتماد اور عہد بندی مفقود ہوتی ہے جماعتیں تو کہلانے کو جماعتیں ہوتی ہیں، اندر سے سب اپنے اپنے مطلب کے بندے اور الگ الگ ہوتے ہیں تحسبہم جمیعا وقلوبہم شتی (حشر ۲) کہ تو ان کو متحد خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں، اور جو بظاہر اتحاد ان میں دکھائی دیتا ہے وہ بھی فساد کی خاطر ہوتا ہے چونکہ اکیلے اکیلے بڑے پیمانے پر فساد نہیں مچایا جا سکتا، اس واسطے گروہوں میں ہو گئے، تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ کی بربادی کے لئے مؤثر اقدام کر سکے - غرض باطنی اور حقیقی اتحاد تو مطلقاً مفقود ہوتا ہے، البتہ کبھی کبھی بڑے پیمانے پر فساد مچانے کے لئے لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اگر پیغمبر آ کر مشترکہ انسانیت کی بنیاد پر نئے سرے اتحاد کو زندہ نہ کرے تو لغت سے اتحاد کا لفظ محو ہو جائے۔

• اگر پیغمبروں کا آنا باعث تفرقہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ کسی زمانہ میں بھی پیغمبر کا ظہور انسان کے لئے مفید نہ تھا، جب یہ اقرار ہے کہ پیغمبر مربی نوع انسان تھے اور ماضی میں ان کا آنا ضروری تھا، تو جو چیز ماضی میں انسانیت کے لئے مفید تھی آئندہ وہ مضر کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر ماضی میں وہ تفرقہ کو مٹا کر اتحاد پیدا کرتے رہے ہیں، تو آئندہ وہ اتحاد کو مٹا کر موجب تفرقہ کیونکر ہونے لگے؟

ہر پیغمبر جو آیا تفرقہ اور فساد کے سمندر میں اخوت و اتحاد کی ایک لہر چھوڑتا رہا، اور ان لہروں کے باوجود دنیا کی یہ حالت ہے

ہیں اسی طرح شامل ہے، جیسے طبیب حاذق یا انجینئر، فرق یہ ہے، کہ وہ جڑ ہے اور یہ شاخیں، پیغمبر کے علم و تجربہ کو جس سے باقی تمام علوم و تجربات پھوٹتے ہیں بیرونی سمجھنا اور شاخوں کو اندرونی بنیادی غلطی ہے، جس پر مذکورہ خیال مبنی ہے، اس بارہ میں مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے خاکسار کی کتاب "حقیقتِ عالم" کی طرف رجوع کریں۔

بروئے واقعات بھی ظاہر ہے، کہ انسانیت کے بغیر علوم و فنون کی ترقی بجائے مفید کے نقصان رساں ہے، چنانچہ اس زمانہ کی جنگوں سے جو سابقہ زمانہ کی جنگوں کی نسبت بہت زیادہ جان و مال کا نقصان ہو رہا ہے یہ انسانیت سے خالی علوم و فنون کی ترقیات کا ہی نتیجہ ہے، انسان نے جس قدر علمی ترقیات کر لی ہیں، اسی قدر ابھی اسے درسِ انسانیت سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ایک طرف اگر انسان علم کے معراجِ کمال پر دکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف وہ پورا دیوانہ معلوم ہوتا ہے، جو جوش دیوانگی سے اپنے آپ کو فنا کرنے کے درپے ہے، اس مرحلے پر یہ کہنا، کہ انسان کو اب انسانیت کا سبق سیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، میرے عقل و فہم سے باہر ہے۔

یاد رہے کہ نئی روشنی کے لوگوں کا مذکورہ خیال مذہبی لوگوں کے عقیدہ ختم رسالت کا مؤید نہیں بلکہ اس کا نقیض ہے۔ مذہبی لوگوں کے عقیدے کا منشا یہ ہے، کہ قرآن و حدیث کے احکام سے سرمو ادھر ادھر ہونا جائز نہیں، جب تک دنیا باقی ہے انسان ان احکام کا پابند ہے۔ بخلاف اس کے نئی روشنی کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اب وہ

یا وہ اس کی نظر سے اوجھل رہی ، حقیقت کی طرف توجہ دلانے پر جو رویہ وہ اختیار کرے گا ، اس سے ہوگا - اگر توجہ دلانے پر وہ قائل ہو جائے جیسے کہ آیاتِ صدر میں معترض کے قائل ہو جانے کا ذکر ہے تو اعتراض حقیقت کے نظر سے اوجھل رہنے پر مبنی سمجھا جائے گا ، اور معترض کا شمار فرشتوں میں ہوگا - اگر حقیقت کو واضح کر دینے کے بعد وہ ہٹ دھرمی سے اپنے اعتراض پر اڑا رہے تو اس کے اعتراض کا باعث ما انزل اللہ سے کراہیت ہے "ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ" (محمد ع۱) کہ مخالفت کا سبب یہ ہے کہ جو اللہ نے نازل کیا وہ انہیں ناپسند ہے ، کیوں ناپسند ہے ؟ اس لیے کہ رسول انسان کی ہوا و ہوس پر حد بندی عائد کرتا ہے اور اس کے نفس کو لگام دینا چاہتا ہے - ۲ "افکلما جاءکم رسول بما لا تھوی انفسکم استکبرتم ففریقا کذبتم وفریقا تقتلون" - (بقرہ ع ۱۱)

کہ پھر بار جب تمہارے پاس رسول وہ لایا جو تمہاری نفسانی خواہشات کے خلاف تھا تو تم نے سرکشی کی ، اور ان کو جھٹلایا اور بعض کو قتل بھی کیا -

نئی روشنی کے لوگ ایک وجہ ختمِ رسالت کی یہ بیان کرتے ہیں ، کہ نسلِ انسانی اب کافی علم اور تجربہ حاصل کر چکی ہے ، اب وہ اپنی ضروریات کی آپ کفیل ہو سکتی ہے ، اب اسے بیرونی راہنمائی کی حاجت نہیں ، جیسے بچے کو ایک وقت تک ماں کی طرف سے حفاظت و نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے ، اس کے بعد وہ ایسی حفاظت کا محتاج نہیں رہتا -

نسلِ انسانی کے علم و تجربہ سے مختلف فنون کے ماہروں کا علم و تجربہ ہی مراد ہے . جن میں پیغمبر بھی فنِ انسانیت کا ماہر ہوتا ہے بطور جزو کے ہے اور باقی ماہرین بطور شاخوں کے - پیغمبر کی تربیتِ انسان کی عام سکیم

جب تک خلق چلتی ہے، اس کی ہدایت کا سلسلہ بھی ساتھ چلے گا، جب خلق انجام کو پہنچے گی، وہی سلسلہ ہدایت کا انجام بھی ہوگا، اور اگر اتنا توقف منظور نہ ہو، تو کم از کم سلسلہ رسالت کی پہلی غرض تو پورا ہو لینے دیجئے۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ پیغمبروں کے سلسلہ کی پہلی غرض نسل انسانی سے باہمی عداوت اور تفرقہ کو دور کرنا اور اسے متحد کرنا ہے، عداوت اور تفرقہ کی بیماری ابھی زوروں پر ہے، اور انسان کی کشتی دریائے تفرقہ کی منجدھار میں غوطے کھا رہی ہے انسان کو اس گرداب ہلاکت میں اپنے حال پر چھوڑ دینا اس خدا کا کام تو نہیں ہو سکتا ہے جو رب العالمین بھی ہے اور قادر مطلق بھی، ہم جب ایک کام کو شروع کرتے ہیں تو جہاں تک ہمارے بس میں ہوتا ہے، جب تک وہ مکمل نہ ہو چکے، اسے چھوڑتے نہیں، ہاں! ہم چونکہ کمزور ہیں اور ہمارے وسائل محدود ہیں، بعض وقت ہمیں کام ادھورا ہی چھوڑنا پڑتا ہے، خدا قدیر ہے اور اس کی طاقت غیر محدود ہے، پھر وہ قدرت رکھنے کے باوجود اپنے ارادہ کی تکمیل سے پہلے انسان کو گرداب ہلاکت میں چھوڑ کر سلسلہ رسالت کو کیسے بند کر سکتا ہے؟ اگر کرنا بھی ہے تو کم از کم انسان کو دریا کے اس پار لگا لے، پھر جو چاہے کرے، سو ہمارے دوستوں نے جلد بازی سے منجدھار کو ہی دریا کا دوسرا کنارہ سمجھ لیا ہے۔ اور یہ خیال نہیں کیا کہ خدا اگر انسان کی کشتی کو یہاں ہی چھوڑ دے تو اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

ایسی ترقی کر چکے ہیں کہ اب نہ انہیں پرانے احکام و شرائع کی ضرورت ہے نہ نئے کی وہ تمام حدود و قیود سے یکسر آزاد ہیں۔ مذہبی لوگ اگرچہ نادانستہ حضرت محمد صلعم کی تعلیم کے خلاف ختم رسالت کا عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کا عقیدہ آنحضرت صلعم سے عقیدت پر مبنی ہے۔ نئی روشنی کے لوگوں کا خیال بیشتر مذہبی لوگوں کے تفرقہ، آپس کی فضول بحثوں اور لا حاصل جھگڑوں سے تنگ آکر مذہب سے بیزاری کا نتیجہ ہے۔ اور بعض حالات میں اپنے کبر نفس کا،

۴۳ آغاز کا انجام

کہتے ہیں جس چیز کا آغاز ہے، اس کا انجام بھی ہے چونکہ سلسلۂ رسالت کا آغاز ہے، اس کا انجام بھی چاہیئے۔ آگے فرض کر لیجئے کہ یہی انجام جو چاہیئے وہ آ بھی چکا ہے۔

اگرچہ آغاز کی بحث ایک مشکل بحث ہے، اور اس کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، تاہم یہ تسلیم کر لیتا ہوں کہ سلسلۂ رسالت کا آغاز ہے۔ بے شک جس چیز کا آغاز ہے، اس کا وسط بھی ہے اور انجام بھی پھر آغاز آغاز ہے، وسط وسط ہے اور انجام انجام، اگر کوئی شخص وسط کو انجام قرار دے بیٹھے، تو اس کے ایسا کہہ دینے سے وسط انجام نہیں بن جاتا، انجام وہی ہے جو انجام ہے۔ خدا ابھی تک انسان کو خلق کر رہا ہے۔ خلق کرنا بند نہیں کیا، اور جب تک خلق ہے اسے ہدایت کی ضرورت ہے۔ خدا نے اس کی ہدایت کا ذمہ بھی لے لیا ہے۔ ان علینا للھدیٰ و ان لنا للآخرۃ والاولیٰ (لیل) کہ پہلے اور آخری زمانہ دونوں میں ہدایت خلق ہمارے ذمہ ہے، سو

زور سے چمک اُٹھے گا،

جب ہم واقعات عالم پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو سارا نقشہ جو قرآن نے تیرہ سو سال پہلے کھینچا تھا، آنکھوں کے سامنے پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ آج مسلمانوں کے دل اس ایمان سے جو صحابہ میں زندہ قوت کی طرح کام کرتا دکھائی دیتا ہے خالی ہیں، ایک حصہ علی الاعلان مذہب اسلام کو اپنی سیاسیات سے خارج کر چکا ہے، اور قرآنی قانون کے بجائے دوسرے قوانین رائج کر لئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں جو پکے مسلمان کہلاتے ہیں ایسی خانہ جنگی ہے کہ جس کی نظیر ڈھونڈنے سے نہ ملے گی، ستر بہتر فرقے ہیں، ان میں کوئی معمولی اختلافات نہیں، کفر و اسلام کا فرق ہے، ہر فرقہ صرف اپنے آپ کو اسلام پر رکھتا ہے اور باقی تمام فرقوں کو کافر جانتا ہے ہر فرقہ جو اپنی اکیلی رائے سے مسلمان ہے، مخالف فرقوں کی بہتر رایوں سے کافر ہے، ان حالات میں یہ معلوم کرنا محال ہو گیا ہے، کہ قرآن کا منشا کیا ہے؟ اور اسلام جو آنحضرت صلعم نے سکھایا کیا تھا؟ قوم علمی، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی ہر لحاظ سے سخت کمزور ہو چکی ہے۔ نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی، اگر ایک جہاد و بالسیف کو عین اسلام اور نسخۂ نجات بتاتا ہے تو دوسرا اسے حرام اور سم قاتل خیال کرتا ہے، اس حالت میں اول تو غیروں کے لئے کوئی چیز موجب کشش نہیں رہی، اور اگر کوئی غیر مسلم صحیح معنوں میں مسلمان ہونا بھی چاہے تو محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ اسلام کو کہاں تلاش کرے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں خلافت اور مرکزیت باقی نہیں رہی، ساری دنیا میں نہ کوئی فرد ہے، نہ کوئی مجلس،

واقعات اور نتائج

"مسلمانوں کے تنزل" اور "آخری رسول" کے عنوانوں کے نیچے ہم دیکھتے ہیں کہ بعثتِ رسول اللہ کا اپنا زمانہ دو تین قرنوں تک منفرد تھا۔ اس کے بعد کی دو صدیاں جنہیں "مخضرم" کہا گیا ہے، دوسرے درجہ پر تھا۔ چوتھی صدی سے "فیج اعوج" یا زوالِ اسلام کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ جس کی میعاد ہزار سال ہے، اس کے خاتمہ پر مسلمانوں کے گروہ سے نہ اسلام باقی رہے گا نہ قرآن، اس وقت دو شخصیتوں (حضرت مہدی اور حضرت مسیح) کے ظہور سے قیامت قائم ہوگی، مسلمان بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چل کر یہودیوں کی مشابہت کریں گے اور قتل کریں گے، اور یوں وہ تاب و ہمتِ خلافت کو کھو بیٹھیں گے، نئی قوم جو مسلمانوں کی جانشین ہوگی فارس سے اٹھے گی، حالانکہ بیت المقدس میں سدرۃ المنتہیٰ یا حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہورِ ثانی پر جو قیامت کا علم ہے اور جس کا تعلق جنت سے ہے، حضرت جبرئیل نازل ہوں گے، اس زمانہ میں یاجوج ماجوج نکلیں گے، اور علومِ جدیدہ کے ذریعہ قوموں اور ملکوں کے درمیان سے جغرافیائی رکاوٹیں اٹھ جائیں گی، اور مختلف اقوام خاص کر اہلِ یورپ کی جنگوں سے دنیا میں جہنم بپا ہو جائے گی، مفسد عنصر اس میں بھسم ہو جائے گا، اور جو باقی رہیں گے اپنے تلخ تجربہ سے وحدتِ انسانی کا سبق لے کر نکلیں گے، انقلابِ عالمگیر ہوگا، جس سے نظامِ کہنہ جو بدی کا جہاں تھا، فنا ہو کر نظامِ جدید یا نیکی کا جہاں بپا ہوگا، اس وقت کرۂ ارض صالح بندوں کی وراثت میں آ کر اپنے رب کے

جو اس سے چھٹ گئے تھے پھر منتشر ہو گئے، تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یا ماحول بدل گیا ہے یا مقتضیات میں بھی وہ کشش باقی نہیں رہی۔ قرآن تو بے شک وہی ہے البتہ حالات زمانہ بدل گئے ہیں۔

ا۔ اس وقت صرف اسلامی حکومت کی تشکیل ہوئی تھی، جس میں غیر مسلموں کو کوئی دخل نہ تھا، نہ فوج میں، نہ مجلس شوریٰ میں اور نہ انتظامی امور میں۔ آج مختلف اقوام اور مذاہب کے بے حد اختلاط کی وجہ سے ایسی خالص اسلامی حکومت کی تشکیل ناممکن ہے۔ سوائے اس کے کہ دنیا بھر کے مسلمان انتقال مکان کر کے زمین کے ایک حصہ میں جا بسیں، اور باقی سب اقوام اس حصے سے نکل کر دوسرے حصوں میں آ جائیں، اختلاط عام کے پیش نظر ایسی تقسیم خود محال ہے۔

فرض کیا کہ ایک ملک میں جہاں مسلمان بستے ہیں، خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے، کیا وہاں سب سے پہلے یہ سوال پیدا نہ ہوگا، کہ مسلمان کون سا فرقہ ہے، جس کی حکومت خالص اسلامی حکومت کہلا سکے؟ ظاہر ہے کہ یہ سوال فوراً پیدا ہوگا، اور یہ ظاہر ہے کہ تمام فرقے خالص اسلام کی تعریف پر متفق نہ ہو سکیں گے۔ ان میں جو فرقہ متمول ہوگا وہ اپنی حکومت قائم کرے گا۔ چونکہ مسلمان مانتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، کیا اب حکمران فرقے کو یہ فرض نہ ہوگا۔ کہ باقی فرقوں کے خلاف جو اس کے نزدیک مرتد ہیں، قتل مرتد کا قانون نافذ کرے؟ اسی طرح کیا باقی فرقوں کا جن کے نزدیک حکمران فرقہ مرتد ہے فرض نہ ہوگا

جس پر مسلمان اعتماد کر سکیں، جسے اپنی امامت و قیادت سپرد کر سکیں، اور جسے اپنے اختلافات کے فیصلہ کا اہل سمجھیں اور اس کے فیصلہ کو مانیں، مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض دوست سادگی سے کہہ دیتے ہیں، کہ ہمارا قرآن ایک ہے، رسول ایک ہے، قبلہ ایک ہے، قرآن ایک تب ہوتا، جب مسلمانوں کو قرآن کے کسی ایک معنی پر اتفاق ہوتا، جب جتنے مسلمان ہیں، اتنی ہی تعبیریں، اور ہر تعبیر جو ایک فرقہ کے نزدیک عین قرآن ہے، بہتر فرقوں کے نزدیک کفر ہے، تو ہر فرقہ اور ہر شخص کا الگ الگ قرآن ہوا، ایک قرآن کیسے ہوا؟ اسی طرح ایک رسول تب ہوتا، جب ان کے درمیان کوئی کوئی مسلمہ خلیفہ یا نائب رسول ہوتا، جس سے فیصلہ کرا سکتے، کہ رسول اللہ صلعم کی تعلیم کیا تھی، اور اس پر متفق ہو سکتے، جب یہ صورت نہیں، تو گو زبان سے نہ کہیں، حال سے ہر شخص خود رسول بن رہا ہے۔ قبلہ کے معنی ہیں، وہ چیز جسے نصب العین کے طور پر سامنے رکھا جائے، ایک قبلہ تب ہوتا، جب مسلمان متحد المقصد ہوتے اور اس مقصد کے لئے متحد العمل ہوتے، جب متحدہ مقصد ہی کوئی نہیں تو ایک قبلہ ہونے سے نہ معلوم یہ دوست کیا سمجھتے ہیں؟

قرآن شریف جب نازل ہوا، اس وقت عربوں میں ہلکے کم خانہ جنگی ہو رہی تھی، اس وقت قرآن نے ان پر وہ عمل کیا، جو مقناطیس لوہے کے ریزوں پر کرتا ہے، اس کی بے پناہ کشش سے سب اس سے چمٹ کر متحد ہو گئے، اگر ریزے

کی صرف یہی صورت ہے کہ ساری دنیا مسلمانوں کی طاقت کے سامنے عاجز آ کر جزیہ گزاری اختیار کرے، کیونکہ جب تک باقی دنیا میں دم خم ہوگا، وہ ان ویگروں کی حمایت میں کھڑی ہو جائے گی، جن پر غیر مسلم ہونے کے باعث امتیازی ٹیکس لگایا جائے گا، مسلمان جن کے ہاں قرآنی قانون کے بجائے دوسرے قوانین رائج ہیں، نہ ان کی جنگ جہاد ہے اور نہ ان کا لگایا ہوا ٹیکس جزیہ، کیونکہ جہاد اس جنگ کا نام ہے، جو حکومت قرآن کے دشمنوں یا باغیوں سے لڑی جائے، اور جزیہ وہ ٹیکس ہے، جو حکومت قرآن کو تسلیم کرنے والی غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جائے جب کسی حکومت میں قرآنی قانون نافذ نہ ہوا وہاں جہاد اور جزیہ دونوں خارج از بحث ہیں۔

الغرض قرون اولیٰ کی طرز کی خالص اسلامی حکومت جس میں دیہا حدود اور احکام نافذ ہوں، حالات حاضرہ میں ناممکن ہے۔

(۴) آج کلوں کا زمانہ ہے، پہلے کلیں سٹیم سے چلتی تھیں، پھر بجلی سے چلنے لگیں، بیٹری بھی کمیاب تھی، اب جو ایٹم کی طاقت کو استعمال میں لانے کے طریقے معلوم ہو گئے ہیں، ان سے ایک سرمایہ دار ایسی کل لگا سکے گا، جس سے [illegible] اور مزدوروں کو بیکار کر دے، اب اگر اس سرمایہ دار سے چالیس فی صدی کے حساب سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ ایک لاکھ گھرانے کی روٹی چھین لے تو اس سے ڈھائی ہزار گھرانوں کے لئے روٹی وصول کر لی جائے گی، سوال یہ ہے کہ باقی ساڑھے ستانوے ہزار گھرانے جو بیکار اور نان شبینہ کے محتاج ہو گئے ہیں، انہیں کہاں سے کھلایا جائے؟ موجودہ حالات

کہ اس کی حکومت سے بغاوت کریں؟ اس موقعہ پر پھر جو طاقتور ہوگا جیتے گا یا اس خانہ جنگی میں سب ختم ہو جائیں گے۔ اگر طاقتور جیتا، تو ظاہر ہے کہ یہ حکومت جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر ہوگی، خالص اسلامی حکومت نہ ہوگی۔ اس بات کی کیا ضمانت ہوگی کہ جو فرقہ اپنی مادی طاقت سے اقتدار پر آگیا ہے فی الواقعہ وہی اسلام سے برگشتہ نہیں؟

بعض احباب کہتے ہیں کہ ہر شخص جو مسلمان کہلاتا ہے، اسے مسلمان مان لیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا سب فرقے یہ بات مان جائیں گے؟ اور اگر یہ فرض کر لیں تو اس صورت میں مسلمان صرف ایک کہلانے کی چیز رہ گئی، جس کے نیچے حقیقت کوئی نہیں۔ خدا کو ماننے یا نہ ماننے [illegible] اسلام کے موافق [illegible] مخالف، اسلام کی کوئی علامت پائی جائے یا نہ پائی جائے۔ چونکہ مسلمان کہلاتا ہے مسلمان ہے۔ یہی آنحضرت نے فرمایا تھا [illegible] اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، اس کی حقیقت باقی نہ رہے گی۔ گویا [illegible] مسلمان صرف اپنے حال سے آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مصداق بن رہے تھے، پھر ریزولیوشن بھی پاس کر دیں کہ [illegible] کہلانے کی چیز ہے اور اسلام فقط ایک لفظ ہے جس کے معنی کوئی نہیں۔ کیا اس ریزولیوشن کے پاس کرنے والوں کی حکومت آنحضرت صلعم کی حدیث مذکورہ کی روشنی میں خالص اسلامی حکومت ہوگی؟ فرض کیا [illegible] کہلانے والوں کی حکومت قائم ہو گئی، کیا یہ حکومت اپنے علاقے میں [illegible] طرح کا [illegible] لگا سکے گی، جو صرف غیر مسلموں سے [illegible] غیر مسلم ہونے کے اصول [illegible]؟ ہرگز نہیں۔ اس

کی وجہ سے دی گئی، اب جبکہ حالات بدل چکے ہیں، بحال رہنی چاہیے یا واپس لے لینی چاہیے۔ اور غلامی کو قانوناً ممنوع قرار دے دینا چاہیے؟
کیا یہ مناسب ہے کہ غلامی جسے خدا مٹانا چاہتا تھا، اس کے مٹ جانے کے بعد بھی کتاب اللہ میں اس کی اجازت بدستور بحال رہے؟ یہ عقل تسلیم کرے گا کہ اب غلامی قانوناً بند ہونی چاہیے، اگر آج مسلمان اپنے ریزولیوشن کے ذریعہ غلامی کو حرام اور قانوناً ممنوع قرار دے دیں، تو کیا ان کا یہ ریزولیوشن کتاب اللہ کے خلاف نہ ہوگا؟
کیا ایک مسلمان کو یہ کہنے کا حق نہ ہوگا کہ جس چیز کی خدا اجازت دیتا ہے، تم اُسے مطلق حرام کرنے والے کون ہوتے ہو؟
د۔ فرض کرو، ایک خاتون جو اپنی علمی اور اخلاقی قابلیتوں کے لئے شہرۂ آفاق ہے اور قانون ساز مجلس کی ممبر بھی ہے، ایک اسلامی عدالت کے سامنے بطور گواہ پیش ہوتی ہے، کیا قرونِ اولیٰ کے اسلامی قانون کی رو سے اسے پورا گواہ مانا جا سکے گا، یا بوجہ عورت ہونے کے اسے آدھا گواہ ہی تسلیم کیا جائے گا؟

ان چند مثالوں سے ظاہر ہے کہ قرونِ اولیٰ کی ٹھیٹھ اسلامی زندگی کے لئے نہ حالات حاضرہ سازگار ہیں اور نہ مسلمانوں کو کسی ایک دستورالعمل کے اسلامی دستورالعمل ہونے پر اتفاق ہے۔ جس طرح سوسائٹی نبوی نہ اسلام باقی ہے نہ قرآن۔

ایک طرف اگر اسلامی عالم کا تنزل چوتھی صدی اسلام سے شروع ہو کر تیرھویں صدی کے آخر میں مکمل ہو گیا، اور چودھویں صدی کے شروع میں برائے نام رہی سہی خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا، تو دوسری طرف تیرھویں صدی

ہیں۔ یا تو ایسے سرمایہ داروں کے کارخانہ کو ملکیت حکومت قرار دینا پڑے گا یا ان پر ایسا ٹیکس لگانا پڑے گا کہ ان کے اچھے خاصے گزارہ کے لئے چھوڑ کر باقی ساری آمدنی وصول کر لی جائے۔ کیا ہم قرون اولیٰ کے مجیب اسلامی قوانین کے مطابق ایسا کر سکتے ہیں؟

۳۔ میل ملاپ کے وسائل، ڈاک خانے، ٹیلیفون، ریڈیو، ریلیں، سمندری اور ہوائی جہاز، وسیع علمی اور تحقیقاتی ادارے، دنیا بھر کی تجارت، مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں، بینک کے بغیر نا ممکن ہیں۔ اور بینک کسی نہ کسی شکل میں سود یا منافع کے اصول کو تسلیم کئے بغیر نہیں چل سکتے۔ قرون اولیٰ کے نیز بعض اسلامی قانون کی رو سے سود کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

۴۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم دنیا سے غلامی کو مٹانا چاہتے تھے۔ آپ نے غلاموں کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے بے حد کوشش کی، اور انہیں آزاد کرانے کے لئے جس قدر ترغیب دینا ممکن تھی دی۔ آپ کو اس میں کامیابی بھی بہت ہوئی اور بالآخر آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں ہی دنیا میں ایسے حالات رونما ہو گئے کہ غلامی مٹ گئی۔ لیکن وہ زمانہ ایسا تھا کہ اس میں غلامی کو مطلق حرام نہیں کیا جا سکتا تھا جیسے کہ مثلاً شراب خوری کو مطلقاً حرام کر دیا گیا۔ اس واسطے قرآن شریف میں جہاں غلاموں سے اچھا سلوک کرنے اور انہیں آزاد کرنے کی بے حد ترغیب ہے، غلام رکھنے کی اجازت بھی موجود ہے۔ اس اجازت کی موجودگی میں قانونی طور پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے غلاموں کو آزاد کر دے۔ چنانچہ ابھی تک بعض اسلامی ممالک میں غلام پائے جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ غلامی کی اجازت جو حالات کی مجبوری

کہ میں تو سید باب پر ایمان لے آیا ہوں، مجھے واپس دربار میں آنے کی حاجت نہیں۔ آخر جیسے کہ قرآن شریف میں لکھا تھا کہ مسلمان بنی اسرائیل کے قدم بقدم چل کر رسولوں کو جھٹلائیں گے اور قتل کریں گے سید باب کو شہید کیا گیا۔

سید باب فرماتے تھے، کہ آپ کا کام قرآن شریف کی متشابہ آیات کو بیان کرنا، اور من یظہرہ اللہ کی بشارت دینا اور آپ کے لئے زمین تیار کرنا ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ ان علینا جمعہ وقرآنہ ..... ثم ان علینا بیانہ کی پیش گوئی کے مطابق آپ کی کتاب کا نام "بیان" ہے، جو من یظہرہ اللہ کی انتہائی تعریف و توصیف اور ان کے عشق سے پر ہے۔ آپ کی شہادت کے بعد جلد ہی جناب بہاء اللہ جو ایران کے قصبہ نور کے باشندے تھے اور بہت بڑے جاگیردار تھے۔ من یظہرہ اللہ کے دعوے سے کھڑے ہوئے، آپ کو سید باب کی شہادت کے دوسرے سال ہی جلا وطن کر کے عراق عرب میں بھیج دیا گیا، وہاں سے آپ کو قسطنطنیہ طلب کیا گیا، اور پھر ادریانوپل بھیج دیا گیا۔ ۱۸۶۸ء میں آپ کو عکہ میں جو حوالی بیت المقدس میں ہے نظر بند کیا گیا، جہاں آپ نے ۱۸۹۲ء میں صعود فرمایا۔ یوں آپ حوالی بیت المقدس میں جہاں بروئے پیشگوئی قرآن شریف و صحف سابقہ حضرت مسیح کا ظہور اور قیام قیامت مقدر تھا پہنچا دیئے گئے۔ آپ کی مدت دعوے چالیس سال تھی، آپ اپنے آپ کو موعود کل ادیان بتاتے تھے، آپ کا مشن آپ کے اپنے الفاظ میں یہ ہے، "کچھ شک نہیں کہ یہ بندہ دنیا کو نئے سرے

کے آخر میں ایران میں سید علی محمد باب دعوئے مہدویت سے کھڑے ہو گئے، آپ کے کھڑے ہوتے ہی شدید مخالفت بھڑک اٹھی، اور آپ کو قید کر دیا گیا، شیعہ مجتہدوں کے فتووں سے ہزارہ بیس ہزار مرد، عورتیں، بچے طرح طرح کے عذابوں سے اس بے رحمی سے قتل کیے گئے، کہ اس کے تصور سے دل بیٹھنے لگتا ہے، پاؤں سے چمڑا اتار کر اور پاؤں کو ابلتے ہوئے تیل میں داغ دے کر پھر انہیں چلنے کا حکم دیا جاتا، درختوں سے باندھ کر مٹی کا تیل اوپر ڈال کر زندہ جلایا جاتا، جسم میں سوراخ کر کے ان میں موم بتیاں ڈال کر اور جلا کر بازار کا چکر لگایا جاتا۔ بڑے بڑے معززین کی ناک میں نکیل ڈال کر بازاروں میں پھرایا جاتا تھا۔ پھر پاؤں سے رسہ باندھ کر بازار میں گھسیٹا جاتا ہے، اور آخر تھوڑا تھوڑا کر کے مارا جاتا، عورتوں کے پستان کاٹ دیئے جاتے، معصوم بچوں کو ہوا میں اچھال کر نیچے نیزہ رکھ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا، پروفیسر براؤن صاحب نے آسٹریا کے ایک افسر کی جو شاہ ایران کی فوج میں ملازم تھے، ایک چٹھی نقل کی ہے، جو انہوں نے اپنے لوگوں کو لکھی، افسر مذکور لکھتے ہیں، سید باب کے پیروؤں پر ایسے مظالم توڑے جاتے ہیں کہ میں ان کا نظارہ برداشت نہیں کر سکتا، اس واسطے میں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ سید باب میں اس قدر جذب تھا کہ باوجود ایسے شدید مظالم کے پروفیسر براؤن لکھتے ہیں کہ اگر ایک بابی کو قتل کیا جاتا تو سو اٹھ کھڑے ہوتے کہ ہم بھی بابی ہیں، شاہ نے اپنے ایک درباری عالم کو جس پر اسے اعتماد تھا، بھیجا کہ سید باب کے حالات دریافت کر کے مجھے آگاہ کرو۔ عالم مذکور جونہی سید باب کے حضور پہنچے، وہیں کے ہو رہے، اور شاہ کو لکھ دیا

مردوں کے برابر ہونا چاہئیں اور دونوں کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہونے چاہئیں۔ (۱۲) اقتصادیات، قانون وراثت، اور محاصل کی نئے سرے سے تشخیص و تدوین ہونا چاہئے۔ (۱۳) تہذیب و تمدن میں مادی طاقت کے استعمال کے بغیر سدھار ہونا چاہئے۔ اور صلح اکبر قائم ہونا چاہئے (۱۴) دنیا بھر کا نظام حکومت ایک مرکزی طاقت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ قومی فوجوں اور اسلحہ کا خاتمہ ہونا چاہئے بین الاقوامی جھگڑوں کے فیصلے بین الاقوامی عدالتوں اور ثالثوں کے ذریعہ ہونا چاہئیں۔ ان فیصلوں کی تعمیل کرانا دنیا بھر کی جمعیت انصاف و آزادی کی زیر نگرانی دنیا کی مشترکہ پولیس کے ذمہ ہونا چاہئے۔ اور اس طرح سچائی کی حکومت قائم ہونا چاہئے (۱۵) لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم جبریہ اور ابتدائی تعلیم مفت ہونا چاہئے (۱۶) دنیا بھر کے لئے ایک مشترکہ زبان اور ایک مشترکہ رسم الخط اختیار کرنا چاہئے۔ (۱۷) خدا کو منزہ عن الکل ماننا چاہئے۔ (۱۸) عالم کی راہنمائی اور ترقی کے لئے پیغمبروں کا آتے رہنا ضروری ہے۔ (۱۹) خدا کو ایک ماننے میں تمام پیغمبروں کو، تمام مذاہب کو، تمام الہامی کتابوں کو، تمام نسل انسانی کو، مذاہب، علوم و فنون اور فلسفہ کو، امیر اور غریب کو، عالم اور جاہل کو، مردوں اور عورتوں کو، سفید و سیاہ اور زرد و سرخ سب انسانوں کو، ناقابل تقسیم طور پر ایک ماننا شامل ہے"

بہائی تعلیمات کی روح یہ ہے :- دین کی حقیقت محبت ہے

سے زندہ کرنے اور زمین کی تمام آبادیوں کو متحد کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے ۔ اللہ نے جو ارادہ کیا ہے ، پورا ہو کر رہے گا اور تو کرۂ ارض کو نور سے جھلکتی ہوئی جنت پائے گا ، آپ کی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :۔

(۱)۔ ہر شخص کو کورانہ تقلید سے آزاد ہو کر سچائی کی تلاش و تحقیق خود کرنا چاہیئے ۔ (۲) سچائی ایک ہے ، اس لئے سب علوم بنیادی طور پر ایک ہیں ، (۳) تمام مذاہب کی بنیادی تعلیم ایک ہے ، اختلافات فروعی ہیں ، پس تمام مذاہب سچے ہیں (۴) دین اور علم (سائنس) ایک ہی حقیقت کی تلاش میں ہیں ، ان میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ، حقیقت تک پہنچنے کے صرف راستے جدا جدا ہیں ۔ (۵) دین اور سیاست کی حدود معین ہونا چاہئیں ۔ تا کہ ایک دوسرے میں دخل دے کر متصادم ہونے کی بجائے ہم آہنگ ہو سکیں ۔ (۶) دین کو دوستانہ تعلقات کا موجب ہونا چاہیئے ۔ نہ کہ بیگانگی کا ، جس دین سے بیگانگی اور کشیدگی پیدا ہو ، اس سے بے دینی بہتر ہے ، (۷) مذہبی لڑائیوں اور مذہبی جھگڑوں کا خاتمہ ہونا چاہیئے ۔ (۸) سماجی ، لسانی ، قومی ، نسلی اور دوسرے تعصبات تہذیب کی بنیادوں کو ہلا رہے ہیں ۔ انہیں تمام علتوں سے مٹانے کی انتہائی کوشش کرنا چاہیئے ۔ (۹) نسل انسانی ایک کنبہ ہے ، دراصل نہ کوئی ان میں اعلیٰ ہے نہ ادنیٰ ، (۱۰) قانونی ، سماجی ، اقتصادی اور تمام دیگر حقوق مساوی ہونا چاہئیں ۔ ہر فرد کے لئے اونچے سے اونچے مقام تک پہنچنا ممکن ہونا چاہیئے (۱۱) عورتوں کے حقوق

تک تعلیم و تبلیغ کا کام کرتے رہے، اور ایران اور ٹرکی کے دو بادشاہوں اور ان کی شیعہ سنی تمام رعایا کے مقابلہ میں تن تنہا اپنی تعلیم کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بہائیوں کے ولی امر کے بیان کے مطابق اس وقت دنیا کے ۸۰ ملکوں میں بہائی پائے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی تک بہائیوں کی تعداد بہت کم ہے، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیا تغیرات زمانہ سے مجبور ہو کر جناب بہاءاللہ کے پروگرام کی طرف نہایت تیزی سے آ رہی ہے، اور [illegible] کو دکھائی دے رہا ہے کہ اس وقت یا تو مختلف قوموں [illegible] مذہبوں میں سمجھوتہ ہو کر سب متحد ہو جائیں یا نسل انسانی کی خیر نہیں۔

نوٹ: اس کتاب کا اصل موضوع قرآن شریف سے عقیدہ ختم رسالت پر روشنی ڈالنا ہے اور جناب بہاءاللہ کا ذکر ضمنی طور پر اس تقریب سے آ گیا ہے کہ قرآن شریف کے بیانات کیونکر واقعات عالم میں پورے ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ میں یہاں امر بہائی کی تفصیلات میں نہیں جا سکتا، صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ:-

(۱) اس کتاب میں جو قرآن شریف کی تعبیر کی گئی ہے یہی بہائیت ہے۔ گویا قرآن شریف کی جہاں بیسیوں تعبیریں انسان کر رہا ہے، ایک تعبیر خدا نے کی ہے جو بوجہ خدائی تعبیر ہونے کے مستند اور قول فیصل ہے۔ چونکہ یہ قرآن کی تعبیر ہے، اس کا انکار قرآن کا انکار ہے، چونکہ یہ خدا کی ہوئی تعبیر ہے، اس کا انکار خدا کے تازہ حکم کا بھی انکار ہے۔ بہائیت کوئی نیا دین نہیں،

اور اس وابستگی اس کی ناگزیر شرط، اعمال کا درجہ عقیدہ اور شمائر سے بڑھ کر ہے، خدمتِ خلق معراجِ کمال ہے، اخلاص و انکسار اس کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہیں، اخلاص کی پرکھ اعمال ہیں،

جناب بہاء اللہ نے تمام روئے زمین کے بادشاہوں اور مذہبی اداروں کے رئیسوں کو اس پروگرام کی طرف بلایا، اور اتمامِ حجت کے بعد فرمایا کہ خدا نے نسلِ انسانی کے دو طبقوں سے اقتدار چھین لیا ہے، ایک طبقہ بادشاہوں کا ہے اور دوسرا مذہبی پیشواؤں اور رہنماؤں کا، بادشاہوں کو خدا نے اقتدار اس لئے عطا کیا تھا کہ وہ اس کی مخلوق کی عدل و انصاف کے ساتھ حفاظت کریں اور مذہبی پیشواؤں کا اقتدار اس وجہ سے تھا، کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ دکھانے والے تھے۔ چونکہ ان دونوں گروہوں نے اپنے اختیارات کا سخت غلط استعمال کیا ہے، خدا نے ان کا اقتدار چھین لیا ہے، سلطان عبدالعزیز بادشاہ ٹرکی کو جو خلیفۃ المسلمین بھی تھا، دل ہلا دینے والی الواح لکھیں، اور اس کا انجام بھی پہلے سے بتا دیا۔ جو آپ کی زندگی میں ہی واقع ہو گیا۔ اسی طرح آپ نے جرمنی کی دوبار شکست فاش کی پیشگوئی اس وقت کی، جب قیصر اپنے جاہ و جلال میں مست تھا۔

حضرت بہاء اللہ قید و بند کی مصیبتوں کے باوجود چالیس سال

کہتے ہیں ؟

خدا انسان کو دکھ درد سے نجات دینا چاہتا ہے، اور انسان نادانی سے اس کے ارادہ کی مخالفت کر کے اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارتا ہے ہر تعلیم کے ظہور پر انسان کوئی نہ کوئی مخالفت کی راہ جو اصل میں اس کے اپنے نقصان کی راہ ہوتی ہے نکال لیتا ہے، جب حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم پر کوئی اعتراض نہ ہو سکا تو اپنی جان پر ظلم کرنے والوں نے آپ کی دفاعی جنگوں اور پُر حکمت تعدد ازدواج کو نشانہ اعتراض بنا لیا، اسی طرح جب جناب بہاء اللہ کی تعلیم پر اعتراض نہ ہو سکا تو معترضین نے دعوئے الوہیت آپ کی طرف منسوب کر دیا اور اتنا بھی نہ سوچا کہ اس سے پہلے یہودیوں نے جب حضرت مسیحؑ کو خدائی کے دعوے کا الزام دے کر رد کیا تو ان کا انجام کیا ہوا۔ حضرت مسیحؑ کی طرف دعوئے الوہیت منسوب کرنے کی وجہ یہودیوں کے ہاتھ میں یہی تھی کہ آپ نے کہا "میں خدا کا بیٹا ہوں" ایسے فقروں سے خدائی کے دعوے [illegible] جیسا سورۃ آل عمران ع ۱ میں ہے:

فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله الا الله والراسخون في العلم يقولون آمنا به كل من عند ربنا ۔

جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ فتنہ بپا کرنے کے لئے متشابہ الفاظ کے پیچھے پڑتے ہیں، حالانکہ صحیح طریق یہ ہے کہ سارے کلام پر یکجائی نظر ڈال کر اور متشابہ کو محکم کے ماتحت کر کے نتیجہ اخذ کیا جائے۔ (دیکھو بیان القرآن) ہم آگے مسلمانوں کو دعا سکھاتی

بلکہ پرانے ادیان کی (جو حقیقت میں سب ایک ہیں) حسب حالِ زمانہ نئی تعبیر ہے۔ جس کا مقصد ان کو زندہ کرنا ہے نہ کہ منسوخ کرنا، خاکسار مؤلف یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ کوئی شخص اس تعبیر کا انکار کرکے کیونکر قرآن شریف اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی سابقہ الہامی کتاب یا پیغمبر یا اوتار سے وفاداری کا دعویٰ کرسکتا ہے،

(۲) حالاتِ حاضرہ میں جناب بہاء اللہ کا پروگرام ایسا ہے کہ اس سے دنیا دم نقد بہشت بن سکتی ہے، اور اس کے بغیر نسلِ انسانی کی بقا محال ہے۔ اپنی بقا کے لئے دنیا کو چار و ناچار اسے قبول کرنا ہے۔ آج نہیں تو کل، زبان سے نہیں تو عمل سے۔

(۳) علمی اور عقلی معیار سے آپ کی تعلیم اتنی بلند پایہ صداقتوں پر مشتمل ہے کہ ان سے انسانی عقل چھٹکارا نہیں پاسکتی۔

(۴) آپ کے نزدیک عملی توحید نہ جیسے کہ ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں یہ ہے کہ ساری نسلِ انسانی ایک ہو کر اپنی ایکتا کی زبانِ حال سے خدا کے ایک ہونے کی گواہی دے۔ علمی لحاظ سے خاکسار کی تحقیقات میں آپ کی بیان کردہ توحید اتنی بلند ہے کہ وہ معترضین کی علمی دسترس سے باہر ہے۔ گویا وہ اپنی تیز روشنی کے باعث دکھائی نہیں دیتی۔

اصل چیز تعلیم ہے۔ یہ ایسی تعلیم جس میں انسان کا اپنا بھلا ہو، اس کے اہل و عیال کا بھلا ہو، اس کے شہر اور وطن کا بھلا ہو، کل عالم کا بھلا ہو، جھوٹی ہو سکتی ہے؟ اگر یہ جھوٹ ہے تو سچائی کس کو

نموده ...... اگر جمیع صاحبان
عقول و افئده ارادهٔ معرفت
پست ترین خلق او را نمایند
علیین نمایند جمیع خود را قاصر و
عاجز مشاهده نمایند تا چه رسد
بمعرفت آن آفتاب عز حقیقت و
آن ذات غیب لا یدرک .....
صد هزار موسی در طور طلب
بندای لن ترانی منصعق، و
صد هزار روح القدس در سماء
قرب از اصغاء کلمهٔ لن تعرفنی
مضطرب - لم یزل بعلو تقدیس
و تنزیه در مکمن ذات مقدس خود
بوده و لا یزال بسمو تمنیع و ترفیع
در مخزن کینونت خود خواهد بود -
متصاعدان سماء قرب عرفانش جز
بمنزل حیرت نرسیده اند، و
قاصدان حرم قرب و وصالش جز
بوادی عجز و حیرت قدم نگذارده
اند. چه قدر متحیر است این ذره
لاشیء ... تعمق در غمرات لجهٔ

کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے ......
اگر تمام اہلِ عقل اور اہلِ دل اس کی ادنیٰ
ترین مخلوق کی معرفت حاصل کرنا چاہیں تو
سب اپنے آپ کو عاجز و قاصر دیکھیں گے
تو پھر اس آفتاب عز حقیقت اور
ذات غیب لا یدرک کی معرفت کیونکر
ممکن ہے ....
لاکھوں موسیٰ طور طلب میں لن ترانی
(تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) کی آواز سے
بے ہوش ہیں اور لاکھوں روح القدس
آسمان قرب میں کلمہ لن تعرفنی (تم
مجھے نہیں پہچان سکتے) سن کر مضطرب
ہیں، وہ ہمیشہ سے اپنی تقدیس و
تنزیہ کی بلندی کے ساتھ اپنی مقدس
ذات میں پوشیدہ رہا ہے، اور
ہمیشہ اپنی بزرگی اور رفعت کی برتری
کے ساتھ اپنی ہستی کے خزانہ میں
پنہاں رہے گا - آسمان عرفان
پر چڑھنے والے حیرت کی منزل سے
آگے نہیں پہنچ سکے، اور حرم قرب و
وصال کے قاصد میدان عجز ...

ہے، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا، کہ اے رب ہمیں ایسی کجی سے بچانا۔ مسلمانوں کو یہ دعا سکھانے سے مقصود یہ تھا، کہ حضرت مسیح کے ظہور ثانی پر آپ کی طرف دعوئے الوہیت منسوب کرنے کی اس غلطی سے جو یہود پہلے کر چکے ہیں ہوشیار رہیں، جیسی آنحضرت صلعم نے جو فرمایا تھا، کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں گے، یہاں تک کہ جو کچھ انہوں نے کیا یہ بھی کر کے رہیں گے۔ وہ پورا ہوا، چنانچہ مسلمانوں نے حضرت باب کو قتل بھی کیا اور حضرت بہاء اللہ کو دعوئے الوہیت کا الزام دے کر رد بھی کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جناب بہاء اللہ کے کلام میں ایسے الفاظ ہیں، جن کو قرآن کی اصطلاح میں متشابہ کہنا چاہیئے، لیکن جہاں وہ الفاظ ہیں، وہاں ان کے بالمقابل دعوئے الوہیت سے صریح انکار اور ایسے بیانات بھی تو ہیں جو متشابہ الفاظ کی تشریح کر دیتے ہیں، اور طالب حق کے لئے سارے معاملہ کو اظہر من الشمس کر دیتے ہیں۔ مثلاً

(۱) توحید:۔ حمد مقدس از عرفان ممکنات و منزہ از ادراک مدرکات ملیک عز بے مثالی را سزا است، کہ لم یزل مقدس از ذکر دون خود بودہ و لا یزال متعالی از وصف ماسوا خود خواہد بود، احدے بسموات ذکرش کما ھو ینبغی ارتقا نجستہ و نفسی بمعارج وصفش علی ما ھو علیہ عروج نہ

تعریف اس خدا کو سزاوار ہے، جو ممکنات کی شناخت سے پاک، اور سمجھنے والوں کی سمجھ سے منزہ ہے جس کی عزت بے مثل ہے جو ہمیشہ اپنے غیر کے ذکر سے مقدس رہا ہے اور ہمیشہ اپنے سوا سب کے وصف سے بالاتر رہے گا اس کے ذکر کے آسمانوں پر جیسا کہ چاہیئے کوئی نہیں چڑھ سکا، نہ کوئی شخص جیسا کہ لائق وصف الٰہی ہے اس

بالبساں گو شہ زوال نسیم قدس
بے مثال تا جمیع ذرات اشیاء را از
کدورات غفلت و ہوا پاک و منزہ
شدہ بجبروت مرتفع اگر مقام قدس
بقامت در آیند . و دست قرات آیتہ
دوازدہ قدسیہ و ہیاکل غیبیہ در کلمات
و تمام ظہور و بطون سلطان احدیہ
و جمیع خلق خود را بانامل عنایت
الا عتہ اللہ دست ما فرمودند ...
.... دلالی کینونات
مشرقہ از صبح احدیہ را کہ حق قلم بر شمرا
کردہ آن کینونات مشرقہ مرسلہ از
اثبات مثل آن عاجز و قاصر بودہ اند

بہاء اللہ کا دعوی سابقہ رسولوں کی مثل ہے — قلم اعلی

الذی جاءکم ببینات اللہ و
برھانہ و حجتہ و ایاتہ
ان ھی من تلقاء نفسہ

تمام مخلوقات کو سلسال کوثر بے زوال و
نسیم قدس بے مثال کی راہ دکھاتے اور
تمام چیزیں غفلت اور نفسانی خواہش
کی کدورتوں سے پاک … وقت مرتفع
ہیں جو … کی مقام … الافلاک …
دیکھ سب سے پہلے آئینہ … سب سے
بھاری … جلوہ غیبیہ … کلمات …
احدیت کی … ظہور و بطون ہے ، اور تمام
مخلوق کو … کی … جس … اطاعت
اللہ سے حکم دیا جاتا ہے ....
اور صبح احدیت سے یہ درخشاں ہستیاں
ایسی زبردست حجت کے ساتھ ظاہر ہوتی
ہیں کہ ان مرسل اور چمکنے والی ہستیوں کے
سوا تمام دنیا ان کی حجت پیش کرنے سے
عاجز اور قاصر ہے۔
کہہ کر کیا تم لوگ اس پر اعتراض
کرتے ہو جو تمہارے پاس اللہ کی نشانیاں
حجت اور آیات الہی لے کر آیا ہے،
یہ باتیں اس کے نفس کی جانب سے
نہیں ہیں، بلکہ اس خدا کی طرف سے
ہیں، جس نے اس کو مبعوث کیا، سچائی

قدس عرفان تو و چه مقدار عاجز
است از تفکر در قدرت مصنوعه
در ظهورات صنع تو ......
مع ظهور این فضل اعظم و عنایت
اتم اقوم شهادت میدهد که بساط
جلال قدرت از عرفان غیر مقدس
بوده و بساط اجلال انست از
ادراک ماسوا منزه خواهد بود.

وحدت سے باہر قدم نہ رکھ سکے اور یہ
ذرہ ناچیز (بہاء اللہ) تیرے مقدس
عرفان کی موج کے چکروں میں سوچتے
کس قدر متحیر ہے، اور تیری صنعت کے
ظہورات میں رکھی ہوئی قدرت پر غور کرنے سے
کس قدر عاجز ہے ...... باوجود اس بڑے
فضل کے اور پوری اور برتر عنایت کے ظہور کے میں
گواہی دیتا ہوں کہ تیری مقدس بارگاہ جلال
تیرے غیر کے عرفان سے مقدس رہی ہے اور
تیرے برتر انس کی محفل ادراک سوا سے منزہ
رہے گی۔

۲ - ضرورت رسالت :- و چون ابواب
عرفان و وصول بآن ذات قدم
مسدود و ممنوع شد، محض جود و
فضل در هر عهد و عصر ...
عنایت خود را از مشرق جود و
کرم بر همه اشیا مشرق فرموده
و آن جمال عز احدیه را از ما بین
بریه خود منتخب نموده، و بخلعت
تخصیص مخصوص فرموده، تا جل رسالت
تا هدایت فرماید، تمام موجودات

اور چونکہ اس ذات قدیم کے
عرفان اور بارگاہ ... کے
مسدود و ممنوع ہیں اس لئے
محض فضل و بخشش کی رو سے ہر عہد
و عصر میں اپنی عنایت کا آفتاب
جود و کرم کے مشرق سے تمام
چیزوں پر روشن فرمایا، اور
اس جمال احدیت کو مخلوق میں
سے منتخب کرکے خلعت تخصیص سے
نبی رسالت کے لئے مخصوص فرمایا، تاکہ

لم ادر یا الٰهی ای جرم یثبتونه
علی نفسی ....
ویقولون لم ینطق بالآیات
انت انما منزلها بل انت انزلت
وتنزل کیف تشاء کما نزلتها
من قبلی علی سفرائك واصفیائك
وانت تعلم یا الٰهی لو کان
الامر بیدی ما اظهرت نفسی
وما تکلمت بینهم کلمة کلما
اردت ان استر نفسی من
ذئاب الارض انت اظهرتنی
بقدرتك وسلطانك ......
غلبت ارادتك ارادتی ومشیتك
مشیتی الی ان اقمتنی مقام
نفسك والنطق باعلی الندا
بین خلقك ولا اجد لنفسی
حرکة الا بارياح مشیتك
ولا سکونا الا بعد امرك
.... انك یا الٰهی
ما جعلت الاسماء الا قمصا
لاصفیائك فلما یبدل القمیص

اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ مجھ
پر کیا جرم ثابت کرتے ہیں ....
اگر کہتے ہیں کہ یہ آیات کیوں سناتا ہے
تو میں تو آیات کا نازل کرنے والا نہیں
ہوں بلکہ انہیں تو نے نازل کیا، اور جیسے
تو نے چاہا وہ نازل ہوئیں، جیسے کہ تو مجھ
سے پہلے اپنے پیغمبروں اور برگزیدوں پر نازل
کرتا رہا، اور اے اللہ! تو جانتا ہے کہ
اگر میرے بس کی بات ہوتی تو میں اپنے آپ
کو ظاہر نہ کرتا، اور ایک کلمہ بھی نہ بولتا
ہر بار جب میں نے چاہا، کہ اپنے آپ کو
زمین کی بھیڑیوں سے چھپاؤں تو تو نے
مجھے اپنی قدرت اور طاقت کے ساتھ ظاہر
کیا ...... تیرا ارادہ میرے ارادے پر
اور تیری مرضی میری مرضی پر غالب آ گئی۔ یہاں تک
کہ تو نے مجھے اپنا قائم مقام بنا کر کھڑا کر دیا
اور اپنی مخلوق کے درمیان بلند آواز سے گویا
کیا، اور میں اپنے لئے نہ کوئی حرکت پاتا ہوں
مگر تیری مشیت کی ہواؤں سے اور نہ سکون مگر تیرے
امر سے ... اے اللہ تو نے ناموں کو اپنے برگزیدوں
کا جامہ بنایا ہے پس جب ایک جامہ دوسرے نام

بل من لدن من بعثه و
ارسله بالحق وجعله سراجا
للعالمين، قد اشتد علينا
الامر في كل يوم بل في كل ساعة
الى ان اخرجونا من السجن
وادخلونا في السجن الاعظم
بظلم مبين، واذا قيل بهم باي
جرم حبسوا قالوا انهم ارادوا
ان يجددوا الدين، لو كان
القديم هو المختار عندكم
لم تركتم ما شرع في التورية
والانجيل - بينوا يا قوم،
لعمري ليس لكما اليوم من
محيص، ان كان هذا جرمي
قد سبقني في ذلك محمد رسول
الله ومن قبله الروح، ومن
قبله الكليم، وان كان ذنبي
اعلاء كلمة الله واظهار امره
فانا اول المذنبين، لا
ابدل هذا الذنب بملكوت
ملك السموات والارضين،
(لوح نپولین ثالث)

کے ساتھ بھیجا، اور تمام جہانوں کے لئے
چراغ روشن بنایا، کہ دے ہم پر معاملہ
ہر روز بلکہ ہر گھڑی سخت ہوتا گیا، یہاں
تک کہ ہمیں پہلے قید خانے سے نکال کر
بڑے قید خانے میں صریح ظلم کے ساتھ
ڈال دیا، جب ان سے پوچھا جاتا ہے
کہ ان لوگوں کو کیوں قید کیا گیا ہے تو جواب
دیتے ہیں کہ یہ لوگ دین کو نیا کرنا
چاہتے ہیں، اگر پرانا تمہارے نزدیک
پسندیدہ ہے تو تم نے توراۃ اور انجیل کو
کیوں چھوڑا، صاف صاف بیان کرو!
میری زندگی کی قسم آج تمہارے کوئی
جائے پناہ نہیں، اگر یہی تجدید دین
میرا جرم ہے تو اس میں حضرت محمد
رسول اللہ نے مجھ سے سبقت کی ہے،
اور ان سے پہلے روح اللہ اور ان سے
پہلے کلیم اللہ تھے، اور اگر اعلائے کلمۃ اللہ
اور اظہار امر الٰہی میرا گناہ ہے، تو میں
سب سے پہلا گنہگار ہوں، میں اس
گناہ کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت
سے بھی نہیں بدل سکتا۔

بعضهم قال انه افترى على الله
ومنهم من قال انه ادعى
الربوبية ۝ (تجليات)
قل ديل لكم بما يخرج من
افواهكم ان كانت الآيات
مفتريات فبای حجة آمنتم
بالله، فأتوبها ان كنتم
تفقهون ۝ كلما نزلنا عليهم
آيات بينات كفروا بها
واذا رأوا ما عجز عن الاتيان
بمثله كل الورى قالوا هذا
سحر، (سورة الهيكل)

۲۰ اپنی نہیں خدا کی بڑائی ہے

قل انی ما اردت وصف نفسی بل نفس
الله، لو كنتم من المنصفين ،
لا يرانی فی الا الله وامره
لو كنتم من المتبصرين ۝
قل انی انا المذكور بلسان
اشعيا وزين باسمی التوراة

اور بعض کہتے ہیں، کہ میں نے
رب ہونے کا دعویٰ
کیا ہے۔
کہدو جو تمہارے منہ سے نکلتا ہے
اس کی وجہ سے تم پر افسوس، اگر آیات
جھوٹ موٹ بنائی جا سکتی ہیں تو تم
اس سے پہلے کس دلیل سے اللہ پر
ایمان لائے تھے؟ اگر تم سمجھدار ہو
تو وہ دلیل پیش کرو، ہر بار جب ہم نے
ان پر کھلی کھلی آیات نازل کیں، انھوں
نے ان کا انکار کر دیا۔ اور جب دیکھا
کہ تمام مخلوقات ان کی مثل لانے سے عاجز
ہے تو کہہ دیا کہ یہ جادو ہے،
کہہ دے میں نے اپنے نفس کی تعریف
کرنی نہیں چاہی بلکہ میرا مقصود
ذات الٰہی کی تعریف ہے، کاش تم
منصفین میں سے ہوتے، خدا اور
اس کے امر کے سوا مجھ میں کچھ نہیں دیکھا
جاتا، کاش تم اہل بصیرت میں سے
ہوتے، کہہ دے میں وہی ہوں جس کا
ذکر اشعیا نبی کی زبان سے ہوا اور

باسمک خشع من فی السموات
والارض الا من کان طرفہ
الی الافق الاعلیٰ ؛

۴- عبودیتی وما اللہ عبودیتی
لنفسک، وقد
بلغت فیہا الی مقام کلما اشاہد
ارضا أحب ان اکب بوجہی
علیہا خاضعا لوجہک وساجدا
لنفسک لو عزتک ولما کنت
ناظرا الی قضائک المحتوم
ما اظہرت نفسی الا بالعبودیۃ
الصرفۃ .... ان
الذین تجاوزوا عن عبودیتک
اولئک ما وجدوا لذتہا
اسالک یا مالک ممالک
البقاء بان توفقنی واحبتی
علی خدمتک والعبودیۃ
فی کل شان لنفسک

(ادعیہ محبوب)

۵- شذرات من دعوات الاولیاء

اسمع ما قالہ العارفون فی ایامی

(یعنی) سے جو لاب تا ہے تو زمین اور آسمانوں کی مخلوق گھبرا اٹھتی ہے سوائے اس کے جس کی نظر افق اعلیٰ کی طرف لگی ہوتی ہے۔

اے اللہ تیری بندگی میرے لئے کس قدر لذیذ ہے! اور میں تیری بندگی کے اس مقام پر پہنچا ہوں، جب بار جب میں زمین کو دیکھتا ہوں، تو چاہتا ہوں کہ اس پر تیرے حضور عاجزی کرتا ہوا منہ کے بل سجدہ میں گر جاؤں۔ تیری عزت کی قسم اگر تیری نہ بدلنے والی قضا پر میری نظر نہ ہوتی تو میں عبودیت محضہ کے سوا کسی چیز کا اظہار نہ کرتا......

وہ لوگ جنہوں نے تیری بندگی اختیار نہیں کرتے، انہوں نے تیری بندگی کی لذت کو چکھا ہی نہیں۔ اے مالک بقا کے مالک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ مجھے اور میرے احباب کو ہر حال میں اپنی بندگی اور اپنے امر کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔

سن! کہ ظالم میرے زمانے میں کیا کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں، کہ میں نے خدا پر افترا کیا ہے۔

ان کے نام اور شخصیتیں اس حقیقت کے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں، جب لباس بدلا جاتا ہے لوگ اسی سابقہ حقیقت کو نئے لباس میں شناخت کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ سوائے ان کے جن کی توجہ افق اعلیٰ کی طرف ہے۔ (سلام) حضرت بہاء اللہ بھی مظاہر الٰہی میں سے ہیں، خدا کے تمام مقام ہیں، سابقہ مظاہر کی طرح ہی مبعوث ہوئے ہیں اور انہی کی طرح آپ پر آیات نازل ہوتی ہیں (۵) جناب بہاء اللہ عبودیت کے انتہائی مقام پر ہیں، اور اگر آپ کے بس کی بات ہوتی، تو آپ عبودیت محضہ کے سوا کچھ اظہار نہ کرتے، (۶) جناب بہاء اللہ اپنی نہیں بلکہ خدا کی بڑائی بیان کرتے ہیں، آپ کی ذات درمیان نہیں، آپ فنا اور بقا باللہ کے اس مقام پر ہیں، جہاں آپ کا اپنا کچھ باقی نہیں رہا۔ اور خدا ہی خدا جلوہ گر ہے، آپ کی ہر حرکت و سکون مشیت یزدی کے ماتحت ہے۔ (۷) افترا علی اللہ اور دعوے الوہیت الاشقیا ہیں اگر آپ افترا کر رہے ہیں، تو دنیا آپ کی مثل لانے سے کیوں عاجز ہے؟ (۸) آپ کا ذکر صحف سابقہ میں ہے۔

الغرض بہاء اللہ اگر مظہر الٰہی ہونے کے دعویدار ہیں یا مخالفین کے نزدیک خدائی کا دعوےٰ کر رہے ہیں تو ایسا دعوےٰ وہ صرف اپنے لیے ہی نہیں کر رہے بلکہ تمام رسولوں کے لیے یکساں کر رہے ہیں۔ اور صاف فرماتے ہیں کہ مظہریت اور رسالت ایک ہی چیز ہے۔ یہی جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو دیا تھا، کہ جس معنی میں میں اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتا ہوں، ہر پیغمبر جس پر خدا کا کلام نازل ہوتا خدا کا بیٹا ہے،

جناب بہاء اللہ نے دنیا کو بر وقت متنبہ کیا تھا، کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو، اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں ایسے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا

والانجیل، کذلک قضی الامر
فی الواح ربکم الرحمٰن انہٗ
شہد لمحمد وانا اشہد لہٗ،
واللہ علی ما اقول شہید
(مبین ص ۹)

میرے نام سے تورات وانجیل منزل
ہوئی ہیں، تمہارے پروردگار رحمٰن
کی الواح میں ایسا ہی فیصلہ ہو چکا ہے،
اس خدا نے میری گواہی دی میں اس کی
گواہی دیتا ہوں، اور خدا حاضر و ناظر
میری باتوں کا گواہ ہے۔

تورات میں پیشگوئی | بہاء الرب

من سینا واشرق لہم من
سعیر وتلألأ من جبل فاران
واتیٰ من ربوات القدس من
یمینہ نار شریعۃ لہم

خدا سینا سے آیا، (حضرت موسیٰؑ)
سعیر سے چمکا (حضرت عیسیٰؑ) فاران
سے روشن ہوا (حضرت محمد صلعم) اور
بیت المقدس کے ٹیلوں پر آ پہنچا (حضرت
بہاء اللہ) اور ان کے داہنے ہاتھ پر
شریعت کی آگ دیگروں کے لئے روشن ہے،

یسعیاہ کی پیشگوئی | بیت شیخ علیہ

مجد لبنان بہاء کرمل وشارون
ہم یرون مجد الرب بہاء
الہنا (اشعیا باب ۳۵)

لبنان کی بزرگی، کرمل و شارون کا
جلال انہیں واپس دے گا، اور لوگ
دیکھیں گے، خداوند کے جلال، اور
ہمارے بہاء اللہ کو۔

مذکورہ حوالوں سے ذیل کی باتیں ظاہر ہیں۔ (۱) خدا لا یدرک لا یوصف منزہ عن الکل ہے۔ (۲) وہ ہمیشہ سے ہدایت خلق کے لئے رسول مبعوث کرتا رہا ہے۔ ہر رسول اس کا مظہر کامل اور قائم مقام ہوتا ہے۔ جس کی اطاعت عین اطاعت اللہ ہے۔ رسول کو ایسی حجت تامہ عطا کی جاتی ہے کہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہے۔ (۳) تمام رسولوں کی حقیقت و[illegible] ہے۔

جس کی نظیر کسی آنکھ نے نہیں دیکھی، قرآن شریف نے یہی بتایا تھا، کہ یاجوج ماجوج کے زمانہ میں جو آیات اللہ نازل ہوں گی۔ ان کا انکار کرنے والوں کے سامنے جہنم پیش کر دی جائے گی، اس زمانے کے ہر شخص نے اس جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس سے وہ تباہی نسل انسانی پر آئی جس کی مثال تاریخ میں قطعاً مفقود ہے، چونکہ یہ جہنم جنگوں سے بپا ہوئی، ظاہر ہے، کہ اگر جناب بہاء اللہ کے اتحادِ عالم اور صلح اکبر کے پروگرام کو قبول کر لیا جاتا، تو یہ جہنم بپا نہ ہوتی، آئندہ بھی جب تک دنیا دعوت الٰہی کی بنا پر منصب صلح نہیں کر لیتی، اس جہنم سے نجات کی کوئی راہ نہیں۔ خدا کی اس فعلی شہادت سے بڑھ کر کوئی شہادت آپ کی سچائی پر مطلوب ہے اگر اس سے بھی تسلی نہ ہو تو آپ کو رسول کے جامع مانع معیار پر پرکھ لیں اگر آپ اس پر پورے اتر گئے، تو عیاں ہو جائے گا کہ آپ کو دعوئے الوہیت کا الزام دینے والے غلطی پر ہیں، کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا، کہ خدائی کا جھوٹا دعویدار سچے رسول کے معیار پر پورا اتر جائے۔ اگر ایسا ہو جائے، تو سچے اور جھوٹے میں فرق نہ رہے اور سچوں کی سچائی بھی مشتبہ ہو جائے۔ اگر آپ اس معیار پر پورا نہ اترے تو سمجھ لیں۔ پھر دعویٰ خواہ خدائی کا ہو خواہ رسالت کا قابل التفات نہیں۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ کوشش خالصاً لوجہ اللہ کی ہے، اور مقصد یہ ہے، کہ میرا اور تمام مسلمان بھائیوں کا قدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے پھسل نہ جائے، میں دعا کرتا ہوں کہ خدا! ناظرین کرام کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس کتاب کو اسی نظر سے دیکھیں جس سے کہ میں نے اسے لکھا ہے۔ آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین